رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۱

مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شررؔ مرحوم مغفور

کی یادگار

رسالہ

دلگداز

بابت جنوری و فروری سنہ ۱۹۲۸ء جلد ۲۸

مرتبہ

محمد صدیق حسن ایڈیٹر

باہتمام

حکیم محمد سراج الحق پرنٹر و پبلشر

دلگداز پریس کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

میں چھپ کر شائع ہوا

چندہ سالانہ (عیر) مع محصول ڈاک

کارخانہ روضۃ الریاحین لکھنؤ کا اعلیٰ عطر

آپ ایک دفعہ آزما کے تو دیکھیں

عطر کے لیے لکھنؤ مشہور ہے. مگر افسوس ہے کہ جو عطر ہے وہ باہر والون کو نہین ملتا کیونکہ [illegible] نہین مال کی [illegible] دانگی نوکرون کے ہاتھ ہے۔ اور ان کے دغل وفصل کا خمیازہ اُن ہی غریبون کو اُٹھانا پڑتا ہے جو باہر سے منگواتے اور بے دیکھے خریدنے پر مجبور ہین اور بعض اشتہار [illegible] لون کی یہ حالت ہے کہ روپیہ کا مال دو کو اور کبھی چار کو بھیجدیتے ہین۔ یہ عام خرابیان دیکھ کے ہم نے ذمہ لیا ہے کہ باہر کے جو صاحب طلب فرمائین اُن کے لیے معتبر اور مستند کارخانون کے عطر اعلیٰ درجے کے تیل وغیرہ خاص طور پر اہتمام کرکے مال بخوبی جانچ کے اور بکفایت خرید کرکے روانہ کردیا کرین جس کا بہت اچھا اور قابل اطمینان انتظام کیا گیا ہے عطر کے شائق ایک بار امتحاناً منگوا کر دیکھ لین کہ ہمارے ذریعے سے اُنھین کیسا اچھا عطر اور کن دامون کو ملتا ہے۔

عطرون کی فہرست حسب ذیل ہے

عطر حنا فی تولہ صہ للعہ سے ۱۲ عہ
" موتیا " صہ للعہ ۱۲ عہ
" چنبیلی " سے صہ للعہ سے ۱۲ عہ
" کیوڑا " للعہ سے ۱۲ عہ
" خس " ۱۲ عہ
" فتنہ " سے ۱۲ عہ
" مولسری " سے ۱۲ عہ
" اگر عرقی کہنہ ۵
روح خس اصلی " صہ للعہ
مخلوط آصفی " عہ ۱۲

عطر باڑی فی تولہ ۱۲ عہ
" بیلہ " سے ۱۲ عہ
" مجموعہ " ۱۲ صد برگ ۱۲ عہ
" جوہی " ۱۲ عہ
" سنگترہ " ۱۲ عہ
" چمپا " ۱۲ عہ
" سیوتی " ۱۲ عہ
" اگر عرقی " عہ ۵ عہ ۵
روح تاگیسر " صہ للعہ
مخلوط عنبری " سے

عطر عروس فی تولہ ۱۲
" برگ حنا " ۱۲
" راحت روح " صہ
" سہاگ " ۱۲
" مہک پری " ۱۲
روح باڑی " سے ۱۲
" مٹی " [illegible]
روح گلاب اصلی " [illegible]
" شہنانہ " ۱۲
مجبوب پسند " ۵

خوشبودار تیلون کی فہرست ملاحظہ ہو

روغن چنبیلی فی سیر سے للعہ ۱۲ | روغن بیلہ فی سیر للعہ ۱۲ | روغن کیوڑا فی سیر سے للعہ ۱۲ | روغن حنا فی سیر سے للعہ ۱۲

اعلیٰ درجے کا خوشبودار عمدہ بامزہ تنباکو

زردہ تنباکو مشکی فی سیر عہ سے للعہ
ایضاً زعفرانی ۱۲

قوام مشکی فی تولہ عہ ۸ ۶
ایضاً ۴ ۲

گولیان تنباکو مشکی طلائی فی تولہ عہ
" نقرئی " ۱۰ ۸ ۶ بلا ورق ۲

نوٹ - درخواست آتے ہی دیلو پی ایبل روانہ ہوگا - باردانہ و مصارف ڈاک ذمہ خریدار -

آپ کا خادم حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگخان لکھنؤ

(از مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم)

شیخ جمال الدین ابو اسحٰق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی خاک پاک شیراز نے جہان حافظ کا ایسا غزل سرا اور سعدی کا ایسا شاعر غزلسرا اور ناصح پیدا کیا وہان ابو اسحٰق کا ایسا ایک عالم بھی اسلامی دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ جس کی شہرت مقبولیت اور علمی وقعت دنیاے علم کو ہمیشہ اُس کا احسانمند بنائے رکھے گی۔ اکثر علما کسی خاص فن اور خاص علم مین ناموری حاصل کر سکے ہین مگر علامۂ ابو اسحٰق کو خدا نے ہر علم مین ایسا تبحر عطا کیا تھا کہ ہر طبقہ کے اہل کمال مقتدائی کا مسند آج تک اُن مرحوم کے لیے خالی کر دیتے ہین۔ یون تو اُن کا شمار فقہاے شافعیہ مین ہے لیکن اصل مین وہ ہر فن کے مرد میدان ہین متکلمین ان کی دقت نظر اور خیال آفرینی کے والہ و شیدا ہین۔ محدثین اپنے قدیم اور مستند شیوخ مین شمار کرتے ہین جن کی روایت عموماً بے کسی قسم کی جرح کے تسلیم کر لی گئی ہے اور جن پر روایت کا مدار ہے۔ اصول فقہ کے متعلق علامۂ ابو اسحٰق نے اپنی تصانیف مین جو کچھ لکھ دیا ہے اُس سے اہل اصول آج تک نفع اٹھا رہے ہین۔ اہل فقہ نے بھی نہایت ذوق و شوق اور فخر و عزت کے ساتھ ان کے اجتہاد و استخراج مسائل کا تتبع کیا ہے۔ اور سب پر طرہ یہ کہ صوفیۂ کرام ان بزرگ کو اپنے مشائخ اور اہل دل ائمہ مین تسلیم کرتے ہین۔ علامۂ ابو اسحٰق نے جس طرح اپنے ظاہر کو زیور علم و فضل سے آراستہ کیا تھا اسی طرح باطن کو بھی سلوک کی ریاضتون سے پیراستہ بنا لیا تھا۔ وہ فقیری کی گدڑی پہن کے مسند علم پر جلوہ افروز ہوے تھے۔

تمام مصنفون نے اپنی کتابون کے اوراق کو علامۂ ممدوح کے اوصاف سے زیب و زینت دی ہے۔ اور بڑے بڑے معتبر و مستند مورخین اُن کی مدح سرائی اپنا فخر سمجھتے رہے ہین۔ کتاب مستظہری کے مصنف نے کیا خوب جملہ لکھا ہے "شیخنا ابو اسحٰق حجۃ علی ائمۃ العصر" (ہمارے شیخ ابو اسحٰق زمانے بھر کے ائمہ کے لیے حجت ہین) موفق حنفی نے اس سے بھی بڑھ کے لکھا ہے "الشیخ ابو اسحٰق امیر المومنین فیما بین الفقہاء" (شیخ ابو اسحٰق تمام فقہا مین وہ حیثیت رکھتے ہین جو کوئی بادشاہ اپنی رعایا مین رکھتا ہو) محب الدین بن نجار نے اپنی تاریخ بغداد مین اس امام علوم کی شان مین جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "علامۂ ابو اسحٰق علماء شافعیہ کے امام تھے اور وہ شخص تھے کہ اُن کے علم و فضل کا شہرہ دور دور کے شہرون مین پھیل گیا اور یہ حیثیت علم و زہد اپنے تمام ہمعصرون پر سبقت لے گئے۔ بہت سے ممالک کے اکثر علما اُن کے شاگرد ہین"۔ ان چند جملون سے علامۂ ابو اسحٰق کے ایسے یکتاے عصر کے فضائل نہین ظاہر ہو سکتے۔ وہ تمام کتابین جن کے مصنفون کو دنیا نے اعتبار اور استناد کے خلعت دیے سب ان کے تذکرہ کمالات اور علوم سے بھری پڑی ہین۔

خراسان کے شہر فیروز آباد کو یہ فخر حاصل ہوا کہ اسکے سواد مین سنہ ۳۹۳ھ یا سنہ ۳۹۵ھ یا سنہ ۳۹۶ھ مین (علی اختلاف الروایات) علامۂ ابو اسحٰق پیدا ہوئے بچپن کا زمانہ اسی شہر مین گذرا۔ یہ نہین معلوم کہ اُنھون نے ماں باپ کے دامن تربیت مین وہان کہان تک تعلیم پائی۔ اور اُن کی وہ ابتدائی زندگی کیونکر گذری مگر خود انھین کے دل مین علم کا ذوق و شوق جوش مار رہا تھا جس نے وطن مالوف مین نہ رہنے دیا۔ پندرہ سولہ برس کی عمر ہوئی ہو گی کہ سنہ ۴۱۰ھ مین صرف بغرض تحصیل علم فیروز آباد چھوڑ کے دار العلم شیراز مین آئے۔ جو ان دنون علم و فضل کا بڑا مرکز تھا۔ اور جس کی کشش نے آخر انھین اپنا بنا لیا۔ شیراز کا ہر ہر گلی کوچہ دولت علم سے مالا مال تھا۔ ابو اسحٰق کو اپنے شوق کے مناسب یہ ایسا شہر مل گیا کہ ذوق علم نے ہر گلی کوچہ مین پھرایا اور ہر ہر دروازے پر پہونچایا۔ وہان جتنے علما تھے سب کی خدمت مین حاضر ہوے۔ اور سب کی صحبت سے فائدہ اٹھایا مدتون اُس ممبر کے نیچے بیٹھے رہے جس پر ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ

بیضاوی۔ بیٹھ کے درس دیا کرتے تھے۔ اور ایک عرصہ تک ابو احمد عبدالوہاب رامین کے حلقۂ درس مین شریک ہوتے رہے۔ جب ابو اسحٰق کو استخراج مسائل اور اصول فقہ کے دلائل شرعیہ سے خوب واقفیت ہو گئی تو اُنھون نے اپنے آپ کو مدرسین اور اساتذۂ شیراز اور وہان کے فقہا کی صحبت سے مستغنی پایا۔ مگر آتش شوق کی حدت ابھی تک بدستور تھی۔ آخر اس نے شیراز بھی چھڑایا۔ اور وہان سے روانہ ہو کے بصرے مین پہونچے۔ ایک عرصہ تک اس شہر مین قیام رہا اور ابن خوزی کی محفل درس مین برابر بلا ناغہ شریک ہوتے رہے۔ زمانہ قیام بصرہ مین ابو اسحٰق معمولاً مشکل مسائل ابن خوزی کے سامنے پیش کر کر کے حل کرتے تھے۔ اور اپنے دل کے خیالون کو شبہات وغیرہ سے صاف کیا کرتے تھے۔ اُن کی جستجو نے بصرہ کے علمی خزانے بھی چھان ڈالے مگر شوق علم بدستور باقی تھا تو بصرے کو بھی چھوڑا اور دارالسلام بغداد کی راہ لی۔

۴۱۵ھ مین بغداد پہونچے۔ بغداد کی علمی شہرت اُس عہد مین اس انتہائی درجہ کو پہونچ گئی تھی کہ تمام دنیا کا مرجع بن گیا تھا۔ اور کون علم و فن تھا جس کے با کمال سواد اعظم بغداد مین مجتمع نہ تھے۔ بغداد مین اگرچہ طالب علمی نے علامۂ ابو اسحٰق کو بہت سے مصائب سے دو چار کرایا۔ مگر اُن کے ذوق و شوق کو فرو کرنے والی کوئی چیز نہ تھی۔ ہر اُستاد کے سامنے زانوے شاگردی تہ کیا۔ اور ہر عالم کے فیض صحبت سے فائدہ اُٹھایا۔ یہ معمول تھا کہ ابو اسحٰق اپنے اساتذہ سے روز جو کچھ حاصل کرتے تھے اُس کو گھر جا کے بالالتزام سو بار تکرار کرتے تھے۔ یون تو علامہ ممدوح نے بغداد کے اکثر اساتذہ کی صحبت اور تعلیم سے فیض اٹھایا مگر خاص جس فخر بغداد اہل کمال کے دامن تعلیم مین ترقی کر کے وہ رتبہ مرجعیت اور مقبولیت کو پہونچے وہ قاضی ابو الطیب طبری ہین۔ علامہ ابو اسحٰق کو شاید قاضی طبری کے ساتھ زیادہ حسن عقیدت تھا۔ اس لیے کہ حاضر ہونے کو تو وہ ہر ایک کی محفل فیض مین حاضر ہوے مگر جس التزام اور سرگرمی کے ساتھ اُنھون نے قاضی طبری کی صحبت سے نفع اٹھایا وہ کوشش اور کسی کی خدمت مین نہین کی۔ خود علامۂ ابو اسحٰق کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ یافعی اپنی تاریخ مرأۃ الجنان مین لکھتے ہین کہ علامۂ ابو اسحٰق نے اپنی تاریخ طبقات الفقہا مین اپنے اساتذہ مین سے دس متبحر علما کے نام بتائے ہین۔ مگر اُن مین

سے بھی جس کے تلمذ پر اُنھون نے فخر کیا ہے - اور جس کی خدمت بابرکت سے زیادہ فیض اُٹھانے کا اعتراف کرتے ہین وہ وہی قاضی ابو الطیب طبری ہین - بلکہ تاریخ ابن خلکان کے دیکھنے سے اس کی اور تصریح ہوتی ہے - اس لیے کہ اُس مورخ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو اسحٰق عرصہ تک نیابتہً قاضی طبری کیطرف سے اُن کے تلامذہ اور شاگردون کو درس دیا کرتے تھے - اور اکثر اوقات خود قاضی صاحب کی تقریر یہ تلامذہ کے سامنے بیان کردیا کرتے تھے -

آخر شوق علم مین یہ سرگرمیان اور ایسی جفاکشیان ظاہر کرنے اور ایسے دور و دراز کے سفر اختیار کرنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ اکثر علوم مین خصوص فقہ - اصول فقہ - حدیث - کلام - اور تصوف مین کمال حاصل ہو گیا - اور طالب علمی کے درجے سے گزر کے مذہب شافعی کے اعلیٰ رُکن بن گئے - زمانے نے اُن کے کمالات کو تسلیم کر لیا - ایک طرف تو فقہا اور طلبہ کے قافلے اُن کے فیض صحبت سے نفع اُٹھانے کے لیے اور دوسری طرف صوفیۂ کرام اور اہل ذوق پاکبازان فقر و تصوف کے گروہ ان کے حلقۂ ارادت مین شامل ہونے کے واسطے چلے آتے تھے - اُن کا دروازہ ایک عالم کا مرجع بن گیا -

افسوس قدیم مورخون نے گذشتہ نامورون کی سوانحعمری بیان کرتے وقت اُن کا حلیہ بتانے کی طرف بہت کم توجہ کی ہے - اور اسی وجہ سے ہم اپنے احباب کو علامۂ ابو اسحٰق کی تصویر نہین دکھا سکتے - بغداد کے ایک شاعر عاصم کا خدا بھلا کرے کہ اُس نے علامۂ ممدوح کی مدح سرائی مین دو شعرون کے ذریعہ سے اتنا بتا دیا ہو کہ وہ بہت دُبلے پتلے اور نحیف الجثہ شخص تھے - وہ کہتا ہے -

"تراہ من الذکاء نحیف جسم علیہ من توقدہٖ دلیلُ
اذا کان الفتی ضخم المعانی فلیس یضرّہ الجسم النحیلُ"

یعنی دُبلا پتلا ہونا اس کی دلیل ہے کہ اشتعال ذکاوت نے انھین گھلا دیا اور جبکہ انسان علماً اور معنےً عالی رتبہ ہو تو کوئی مضائقہ نہین اگر وہ نحیف و ناتوان ہے -

علامۂ ابو اسحٰق کو اپنی مقبولیت عامہ کے علاوہ ایک حیثیت سے یہ فخر

بھی حاصل تھا کہ کسی حد تک بلکہ بہت کچھ وہ اپنے اوپر خود ہی ناز کر سکتے تھے۔ سمعانی نے خود علامۂ ممدوح سے روایت کی ہے کہ وہ لکھتے ہیں ایک مرتبہ مین نے عالم مشاہدہ مین جمال پاک حضرت رسالت پناہ صلوات اللہ علیہ وآلہ کی زیارت کی۔ اس وقت اصحاب کبار مین سے دس جلیل القدر شخص بھی آنحضرت کی خدمت مین حاضر تھے۔ آنحضرت کی صورت پاک دیکھتے ہی ایک بے تابانہ شوق سے جھپٹ کے مین قریب گیا۔ اور عرض کیا۔ یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہون آپ کی بہت سی احادیث بذریعہ صحابہ وتابعین مجھ تک پہونچی ہین اور مین نے ان کے ذریعہ سے اپنے سینہ و دل کو بہت کچھ نورانی بنا لیا ہے۔ اور اُن اخبار و احادیث کو اہل اسلام مین پھیلانے اور رواج دینے مین مین نے انتہا سے زیادہ تکلیفین اور مصیبتین اُٹھائی ہین۔ اپنے سر سے مین نے یہ فرض بھی ادا کر دیا ہے کہ آپ کے عشاق اور آپ کے کلام کے مشتاقون کو مین نے اخبار و روایات کی اجازت روایت دیدی۔ اب آرزومند ہون کہ خاص آپ کی زبان فیض ترجمان سے بے واسطہ کوئی حدیث سنون اور اسکو روایت کر کے عالم مین خاص امتیاز کا مستحق قرار پاؤن۔ اگر یہ فخر مجھے حاصل ہوا تو مجھے دیگر مورخون کے مقابل مین اپنے اوپر زیادہ ناز کرنے کا موقع ملے گا۔ جناب رسالت مآب صلعم نے میری التجا و زاری سُن کے میری طرف توجہ کی اور یہ کلمات ہدایت آیات ارشاد فرمائے "یا شیخ من اراد السلامۃ فلیطلبہا فی سلامۃ غیرہ منہ" اے شیخ جو کوئی بھلائی اور رسلامتی چاہتا ہو اُسے چاہیے کہ سب کو اپنے سے خوش رکھے اور کسی کو بھی آزردہ نہ کرے۔ مورخین کا بیان ہے کہ علامہ ابو اسحٰق جب تک زندہ رہے اس خواب کو یاد کر کے خوش ہوتے تھے۔ اور اس امر پہ فخر کرتے تھے کہ رسول اللہ صلعم نے مجھے "شیخ" کے لفظ سے یاد فرمایا۔

علامۂ ابو اسحٰق اگرچہ بغداد مین بطور طالب علمی کے اور صرف بغرض تحصیل علم آئے تھے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ خاک دار السلام بغداد نے اس فاضل یگانہ کے قدم اس مضبوطی سے پکڑے کہ اُن کو پھر اپنے وطن مین جا کے قیام کرنے کی نوبت نہ آئی۔ اس لیے کہ اُن کی زندگی کے واقعات عموماً بغداد ہی سے متعلق ہین سلطان ملک شاہ کے مشہور وزیر خواجہ نظام الملک کو علامہ ممدوح کے ساتھ انتہا سے

زیادہ حسن عقیدت تھا سنہ ۴۵۹ھ مین جب وزیر موصوف نے عالیشان مدرسۂ نظامیہ کھولا جس کی شہرت آج تک دنیا مین ایک حیرت و استعجاب کا تماشا دکھلاتی ہے تو علامۂ ابو اسحٰق ہی کو اس کی پروفیسری کے لیے منتخب کیا۔ اس مدرسہ کا تفصیلی حال ہم دلگداز کے کسی پرچہ مین لکھ چکے ہین۔ جس تاریخ مدرسۂ نظامیہ کھلنے والا تھا اُس روز بغداد مین بہت بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ مدرسہ کے تمام لوگ اور طلبہ تمام اطراف و جوار سے آکے جمع ہوے خاص ارکان سلطنت اور امراے بغداد مین سے بہتون نے صرف اس لیے کہ رسم افتتاح نہایت شان و شوکت سے ادا ہو طلبہ اور شائقان علوم مین اپنا نام لکھوا دیا۔ علاوہ برین کل ارکان دولت اہل مناصب اور امراے بغداد اس کار خیر کو بخیر و خوبی انجام دینے کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ یہ سب لوگ مدرسہ کے دروازے پر اس انتظار مین بیٹھے تھے کہ علامۂ ابو اسحٰق آئین تو اُن کو ہاتھون ہاتھ لین اور اس منبر پر بٹھائین جو پروفیسر کے لیے بنا کے مدرسہ مین رکھا گیا تھا۔ اس انتظار مین بہت دیر ہو گئی۔ اور لوگ بیٹھے بیٹھے اکتانے لگے۔ مگر علامہ ممدوح نہ آج آتے ہین نہ کل۔ آخر مایوس ہو کے سب لوگ کہنے لگے معلوم ہوتا ہے شیخ ابو اسحٰق اس عہدہ کو قبول کرنا اپنے لیے باعث ننگ اور اپنے خیال مین مستکرہ سمجھے۔ جب یقین ہو گیا کہ اب وہ نہ آئین گے تو ابو منصور بن یوسف اور عمید ابو سعد نے جن کے اہتمام و انتظام سے مدرسہ تیار ہوا تھا باہم مشورہ کر کے یہ قرار دیا کہ علامۂ ابو اسحٰق نہین منظور کرتے ہین تو اس کام پر امام ابو نصر بن صباغ کو جو علامہ ممدوح کے معاصر تھے اس مسند اقتدائی پر لا کے بٹھائین۔ اور تعلیم و درس کا کام ان کے سپرد کر دین۔ اس راے کے قرار پاتے ہی ابن صباغ طلب کر لیے گئے کہ کہین ایسا نہ ہو لوگ آج پہلے ہی روز بے درس کے چلے جائین۔ اگرچہ امام ابو نصر ابن صباغ نے آنے مین بہت کچھ عذر و انکار کیا مگر ابو منصور نے ان کو اطمینان دلایا اور وعدہ کیا کہ نظامیہ کی پروفیسری ہمیشہ اُنھین کے متعلق رہے گی۔ اور وہ اس منصب سے کبھی نہ ہٹائے جائین گے۔ ابو نصر نے مدرسۂ نظامیہ مین افتتاح کے دن درس دیا۔

لوگون کو حیرت ہو گی کہ علامۂ ابو اسحٰق نے کیون حاضری سے روپوشی کی۔

ان کو اطلاع کر دی گئی تھی۔ اور اُن سے مضبوط وعدہ لے لیا گیا تھا وقت معین پر نظامیہ مین جانے کے لیے وہ اپنے گھر سے بھی نکلے مگر تھوڑی ہی دور گئے ہون گے کہ راہ مین ایک لڑکا ان کے سامنے آیا اور کہنے لگا "ایھا الشیخ کیف تدرس فی مکان مغصوب" یعنی صاحب آپ ایک غصبی مقام مین کیونکر درس دین گے اتنا سننا تھا کہ علامہ ممدوح وہین سے پلٹ پڑے۔ اور ایک مخفی مقام مین چھپ کے بیٹھ رہے کہ کہین ایسا نہ ہو مجھے مجبوراً وہان جانا پڑے۔ دوسرے روز جب معلوم ہو گیا کہ امام ابونصر نے نظامیہ مین درس دیا تو اطمینان سے اپنی خاص مسجد مین جو باب المراتب مین تھی بیٹھ کے اپنے شاگردون کو درس دیا اور قصد کر لیا کہ اپنے شاگردون اور تلامذہ کو وہین جمع کر کے درس دیا کرین۔ مگر اُن کے تلامذہ بھی اُن کی اس کارروائی سے ناراض ہو گئے تھے۔ اکثرون نے شیخ ابواسحٰق کے پاس کہلا بھیجا کہ اگر آپ اپنے اس ارادے پر قائم رہین گے تو ہم سب آپ کو چھوڑ کے ابن صباغ کی شاگردی اختیار کر لین گے۔

ادھر جب وزیر نظام الملک کو یہ خبر پہونچی کہ علامہ ابواسحٰق کے نہ آنے کی وجہ سے ابونصر ابن صباغ نے نظامیہ مین درس دیا تو وہ نہایت ہی برہم ہوا اور سارا الزام عمید ابوسعید پر رکھ کے کہنے لگا کہ چونکہ اس کو قدیم سے شیخ ابواسحٰق کے ساتھ مخالفت اور عداوت ہے اس وجہ سے اس نے ابواسحٰق کو محروم کر کے ابن صباغ کو نظامیہ کا پروفیسر مقرر کر دیا۔ عمید ابوسعید نے یہ عتاب آمیز کلمات سُنے تو اُس سے سوا اس کے اور کچھ نہ بن پڑا کہ علامۂ ممدوح کی خدمت مین حاضر ہوا۔ اور نہایت التجا اور گریہ وزاری کے ساتھ عرض کیا کہ وزیر نظام الملک کے میری نسبت یہ خیالات ہین۔ اگر آپ میری التجاؤن کو نہ سنین گے تو وزیر نظام الملک غضب آلود ہو کے میرے مال ہی پر اکتفا نہ کرین گے بلکہ میری جان کو بھی اُن کے ہاتھ سے ضرر پہونچنے کا اندیشہ ہے۔ للہ میرے حال پر ترس کھائیے اور نظامیہ کی مدرسی قبول فرمائیے۔ آپ کے تشریف لے چلنے سے خواجہ نظام الملک اور تمام متعلقین مدرسہ اور کل شائقین علوم کو بڑی خوشی اور مسرت ہوگی یہ باتین سُن کے علامۂ ابواسحٰق دیر تک غور کرتے رہے۔ اور رحم نے دل مین ایسا جوش مارا کہ اس عہدے کو قبول کر لیا اور افتتاح کی اکیسوین روز بعد جا کے مدرسۂ نظامیہ مین درس دیا۔ ان کے جانے کی نظام الملک کو اتنی خوشی ہوئی کہ عمید ابوسعید کا احسانمند اور شکرگزار ہوا۔ مگر یہ ضرور ہے کہ علامۂ ابواسحٰق کو مدرسۂ نظامیہ کی بعض چیزون کے

مغضوب ہونے کا یقین تھا اور یہ خیال آخر تک اُن کے دل مین رہا۔ جس کا یہ نتیجہ تھا
کہ نماز اُس مدرسہ مین کبھی نہ پڑھی نماز کا وقت آیا اور وہ مدرسہ کے صحن سے نکل گئے
نظامیہ کے قریب ایک اور مسجد تھی اُس مین جا کے نماز ادا کیا کرتے تھے۔

علامہ ابو اسحٰق نے جو وقعت اور عزت ہر دل مین پیدا کر لی تھی وہ کسی اور عالم
کی نسبت شاید بہت کم سنی گئی ہو گی۔ واقعی ان کی مقبولیت عام کے وقائع ایسے ہین کہ انسان
حیرت مین رہ جائے۔ خلیفہ بغداد قائم بامر اللہ عباسی نے جب جہان فانی سے کوچ کیا تو
اسکے بعد دوسرا خلیفہ تجویز کرنے مین بڑی دقتین پیدا ہوئین۔ تمام اہل بغداد نے متفق
اللفظ کہدیا کہ علامہ ابو اسحٰق جس کسی کو تجویز کرین اُس کے ہاتھ مین خلافت دیجائے۔
علامہ ابو اسحٰق کو اگرچہ انتظام ملک مین کوئی دخل نہ تھا۔ مگر دنیا مین جس فساد کے پیدا
ہو جانے کا اندیشہ تھا اسکے خوف سے اُنھون نے لوگون کی خواہش کے بموجب
خلیفہ تجویز کرنے کا بار اپنے سر پہ اُٹھا لیا۔ اور مقتدی بامر اللہ کو خاندان بنو عباس مین
سب سے زیادہ لائق اور راستباز خیال کر کے تجویز کر دیا۔ مقتدی کو اصل مین پوچھیے
تو علامہ ممدوح ہی نے خلیفہ بنایا۔ ان کی تجویز کو سب نے تسلیم کیا اور روز جمعہ ۱۳؍
شعبان سنہ ۴۶۷ھ مین مقتدی بامر اللہ نے سفید لباس پہنا سفید عمامہ سر پہ باندھا۔
اور مقام دار الشجرہ مین سریر خلافت پہ جلوہ افروز ہوا۔ سب سے پہلے ابو جعفر ابو موسٰی
حنبلی نے بیعت کی۔ اور بیعت کرتے وقت ایک قدیم شعر کا پہلا مصرع "اذا سیدا منا مضی
قام سید" پڑھا۔ مگر دربار کے رعب و داب نے کچھ ایسا خوف طاری کر دیا کہ دوسرا
مصرع بھول گئے۔ مقتدی بامر اللہ سمجھ گیا کہ دوسرا مصرع یاد نہین اُس نے خود پڑھ دیا۔
مقتدی بامر اللہ کی اس حرکت نے پہلی ہی صحبت مین تمام اہل دربار کو اس کا والہ و
شیدا بنا دیا اور گویا زبان حال سے علامہ ابو اسحٰق کے انتخاب کی داد دی۔ اس کے
بعد موید الملک ابن نظام الملک فخر الدولہ اور ان کے بیٹے عمید الدولہ نے اعیان و
اشراف بغداد مین سے بیعت کی۔ پھر علما اور مشائخ مین سے شیخ ابو اسحٰق شیرازی شیخ ابو نصر
صباغ اور شیخ ابو محمد حنبلی نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

مقتدی بامر اللہ کو امر خلافت کے لیے منتخب کرنے مین علامہ ممدوح نے کچھ ایسی
نیک نیتی اور انصاف پسندی سے کام لیا تھا کہ شہر بغداد مین ہر شخص ان کا مدح خوان

بن گیا۔ شعرانے توصیف مین قصائد اور مختلف اشعار کہے اور اپنی طبع آزمائیون کے جوہر دکھائے۔

ابن اثیر اور دیگر مورخون نے لکھا ہو کہ اسی مقتدی بامراللہ کو ابوالفتح بن ابی اللیث سے جو عمید عراق کے لقب مشہور تھا دل مین کچھ ملال تھا اس ملال نے زیادہ طول کھینچا۔ اس لیے کہ اس کے ہاتھون مقتدی کے ملازمان دولت اور متعلقین کو برابر رنج اور صدمہ پہونچتا تھا۔ اور وہ ان لوگون کے آزار کے درپے ہوگیا تھا۔ مقتدی کو آخر کار یہی بن پڑا کہ سلطان ملک شاہ سلجوقی اور اسکے وزیر نظام الملک سے خط وکتابت کی جائے۔ اور کسی ہوشیار اور لائق شخص کے ذریعہ سے سلطان مذکور کے مستقر خاص شہر نیشاپور مین سفارت بھیجی جائے۔ اس لیے کہ ابوالفتح بن ابی اللیث اُسی کے متعلقین مین سے تھا سلطان ملک شاہ کی بیٹی مقتدی بامراللہ کے عقد مین تھی۔ اور مشہور ہو کہ یہ شادی جس دھوم دھام سے ہوئی تھی ویسی دھوم دھام اہل بغداد نے اور کسی عہد مین نہین دیکھی تھی۔ الغرض تجویز کیا جانے لگا کہ اس سفارت پر کون شخص مامور کرکے نیشاپور روانہ کیا جائے۔ سب نے متفق اللفظ ہوکر کہا علامۂ ابواسحق اگر قبول کرین تو اس کام کو ان سے زیادہ اور کوئی شخص حسن وخوبی کے ساتھ نہین کرسکتا۔ خلیفہ مقتدی نے بھی اس راے کی تائید کی۔ اور علامہ ممدوح کی خدمت مین آدمی بھیجا گیا کہ وہ محل سلطانی مین تشریف لائین۔ اور خود خلیفہ بالکل تنہا اُن سے مل کے قبول سفارت کی درخواست کرے اور اغراض سفارت بھی بخوبی سمجھا دے علامۂ ابواسحق کے آنے سے پہلے ہی سب لوگ ہٹا دیے گئے۔ خلوت مین خلیفہ نے ان سے ملاقات کی۔ اور کہا۔ مین چاہتا ہون کہ آپ اس وقت میری مدد کرین اور عہدۂ سفارت کو قبول فرمائین۔ یافعی نے اس موقع پر ایک ایسا واقعہ لکھا ہے کہ جس کے سب لوگون کو حیرت ہو جائے گی۔ بلکہ یہ روایت قابل قبول بھی نہین معلوم ہوتی۔ کیونکہ اول تو ثبوت ہی نہین پہونچتا۔ ثانیا یہ کہ عقل سے بھی بعید معلوم ہوتا ہو۔ وہ لکھتا ہو کہ جیسے ہی خلیفہ مقتدی نے اپنی طرف سے سفیر مقرر کرنے کا نام لیا ابواسحق نے بخیال احتیاط کہا مجھے ایک سلطنت مین جو پیام لیجانا ہے تو پہلے اس بات کا یقین ہونا چاہیے کہ خود آپ ہی خلیفۂ وقت مقتدی بامراللہ ہین اس کی تصدیق ہو جانے کے بعد مرتب سفارت

طے ہوں گے میں بالکل نہیں جانتا کہ اصل میں آپ ہی امیر المومنین ہیں یا کوئی اور ہے۔ اس لیے کہ میں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا ہے"۔ یہ کلمہ سُن کے مقتدی ہنسا اور شیخ کی یہ احتیاط اُسے بہت پسند آئی۔ فوراً مقربان خلافت میں سے چند معتبر اور مستند آدمیوں کو بلایا جن کو علامہ ابو اسحٰق بھی پہچانتے تھے اور اُن سے درخواست کی کہ میرے امیر المومنین ہونیکی تصدیق کر دو۔ اُن سبھوں نے شہادت دی اور مقتدی کے خلیفہ ہونے کا یقین دلایا۔

بداہۃً اس روایت کا غیر معتبر ہونا اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود شیخ ہی نے مقتدی کو خلیفہ منتخب کیا تھا۔ اور تخت نشینی کے روز اس کے ہاتھ پر بیعت کی تھی یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اسے پہچانتے نہ ہوں۔ بہر حال شیخ ابو اسحٰق نے سفارت قبول کی۔ اور ۴۷۵ھ میں دار السلام بغداد سے بقصد نیشاپور روانہ ہوے۔ اس سفر میں بغداد کے بہت سے علما و فضلا اور ارکان دولت بھی ان کے ہمراہ تھے۔ یہ مقدس اور محترم قافلہ نہایت شان و شکوہ کے ساتھ بغداد سے نکلا۔ اور بڑی عزت و احترام کے ساتھ ممالک عجم میں قطع منازل کرتا روانہ ہوا۔

علامۂ ابو اسحٰق نے بحیثیت علم جو مقبولیت عام حاصل کر لی تھی اور تمام دنیاے اسلام میں وہ جس وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اسکا حال ان کے اس سفر کے حالات سے معلوم ہو سکتا ہے۔ ہمارے ہمعصروں نے موجودہ زمانے کے بڑے بڑے ریفارمروں اور گلیڈسٹون کے سے پولیٹشنوں کے سفر اور وہ بھی انگلستان کی سی مہذب پرجوش تعلیم یافتہ رعایا میں دیکھے ہوں گے اب وہ دیکھیں کہ ایک گوشہ نشین زاہد اور ایک مدرسہ کے اعلے مدرس نے آج سے آٹھ سو برس پہلے جب دنیا اس ترقی سے بہت پیچھے تھی جو سفر کیا تھا اس میں عام لوگوں نے کس جوش و خروش سے اس کا استقبال کیا۔

تاریخ الفی کے مصنف صاحب لکھتے ہیں کہ شیخ ابو اسحٰق جس شہر اور جس قصبہ کے قریب پہونچتے تھے اُس گاؤں یا شہر کے تمام لوگ کیا چھوٹے کیا بڑے اور کیا مرد کیا عورت سب کے سب ان کے استقبال کے لیے شہر سے باہر نکل آتے تھے۔ شیخ کو اپنے جھرمٹ میں لے کے اور گرد ہجوم کر کے بڑے تزک و احتشام سے اپنے شہر میں داخل کرتے تھے۔ اللہ اللہ حسن عقیدت کا جوش و خروش اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ ہر شخص بڑھ بڑھ کے قدم چومتا تھا۔ اور ان کے خچر کے پاؤں کے نیچے کی خاک کو لوگ بڑے ذوق و شوق سے اٹھا لیتے

تھے۔ اور تیمناً و تبرکاً اپنا حرز جان بناتے تھے۔ شیخ کی سواری جب شہر کے بازارون مین گذرتی تھی تو اہل بازار اور مختلف پیشہ والون کو جو کچھ توفیق ہوتی تھی لے کے آتے تھے۔ اور شیخ پر نثار کرتے تھے۔ کہتے ہین کہ جب شیخ کا گذر شہر ساوہ کے بازارون مین ہوا تو پہلے نان بائیون کی دکانین ملین۔ فرط شوق مین وہ ایسے از خود رفتہ ہوگئے کہ سبھون نے روٹیان اُچھال اُچھال کے لٹانا شروع کر دین۔ شیخ ابو اسحٰق محفہ مین (ایک قسم کی فینس ہی) بیٹھے تھے وہ روٹیان اُن کی ڈولی پر برابر آ آکے گرتی تھین۔ آگے بڑھے تو میوہ فروشون کی دکانین تھین اُنھون نے اپنے میوے لٹا دیے۔ اُس کے آگے سب حلوائیون کا بازار تھا۔ اُنھون نے انواع و اقسام کی مٹھائیان جو اُن کے سامنے رکھی تھین سب اچھال کے لٹا دین۔ شیخ اِن باتون سے برابر اہل شہر کو منع کرتے جاتے تھے۔ مگر ان کے روکنے سے اُن کا جوش اور ترقی کرتا جاتا تھا۔ تمام بازارون مین عوام کے جوش و خروش کا یہی حال رہا۔ یہان تک کہ شیخ کا گذر موچیون اور جوتے والون کی دُکانون پر ہوا۔ علامۂ ابو اسحٰق کی صورت دیکھتے ہی وہ لوگ ایسے بے ہوش ہوگئے کہ اور کوئی چیز پاس نہ تھی۔ فرط محبت مین جو کچھ سامنے رکھا تھا اُٹھا اٹھا کے لٹانے لگے۔ اور تمام جوتے اچھال اچھال کے صدقہ کر دیے چھوٹی چھوٹی خوبصورت اور کامدار زیر پائیان شیخ کے ہمراہیون اور خود شیخ کی ڈولی کے گرد اس قدر آ آکے گرین کہ بیان سے باہر ہے۔ یہ تمام باتین سب عوام کے بیتابانہ و بے اختیارانہ جوش کو ظاہر کر رہی ہین جس سے زیادہ جوش شاید اور کسی کے استقبال مین دنیا نے نہ ظاہر کیا ہو گا۔

شہر ساوہ کے علما و فضلا مین ہر عالم اس امر کا متمنی تھا کہ شیخ اُسی کے مکان پر قیام فرمائین۔ سب خدمت مین حاضر ہوے اور ہر شخص نے عرض کیا کہ اگر آپ میرے غربت کدہ پر قدم رنجہ فرمائین تو میرا سر افتخار آسمان پر پہونچ جائے۔ علامہ نے بوجہ اس خیال کے کہ جس کسی کے گھر مین قیام کیا جائے گا باقی ماندہ لوگون کے لیے موجب ملال ہو گا کسی کی درخواست نہ قبول فرمائی اور ایک علیحدہ مکان لے کے قیام کیا۔

جب شیخ شہر بسطام مین پہونچے تو اُن دنون امام سہلکی مشائخ صوفیہ صافیہ کے مقتدا اور پیشوا تھے۔ اور ان کے صفاے باطن اور ریاضات سلوک کی دور دور شہرت تھی اور ایک دنیا اُن سے حسن ارادت رکھتی تھی۔ اُنھون نے جو خبر سنی کہ شیخ ابو اسحٰق بسطام مین آتے ہین

تو اور اہل شہر کے ساتھ وہ بھی استقبال کی غرض سے باہر نکلے۔ شیخ نے جو اُن کے آنے کا حال سُنا تو پا برہنہ اُن کی طرف جھپٹے۔ مگر امام سہلکی شیخ کی صورت دیکھتے ہی گھوڑے سے اتر پڑے اور بڑھ کے شیخ کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ شیخ نے اسکے معاوضہ مین جھک کے امام سہلکی کے قدم چوم لیے۔ جب آکے منزل پر ٹھہرے تو امام سہلکی کو صدر مقام پر بٹھایا۔ اور خود ادب سے دوزانو سامنے بیٹھ گئے۔ رسم مزاج پرسی کے بعد امام سہلکی نے کچھ گیہون نکالے اور بطریق ضیافت شیخ ابو اسحٰق کے سامنے رکھ دیے اور کہا "یہ وہ گیہون ہین جو شیخ طریقت حضرت بایزید بسطامی نے مجھے مرحمت فرمائے تھے"۔ یہ سُن کے علامۂ ممدوح نے بڑی مسرت ظاہر کی اور نہایت فخر و مباہات کے ساتھ اُن گیہوُن کو قبول کیا۔

یہان سے روانہ ہو کے شیخ نے دار السلطنت نیشاپور کی راہ لی جب سواد نیشاپور نظر آیا تو دیکھا کہ تمام اہل نیشاپور استقبال کے لیے شہر سے باہر نکل آئے ہین۔ اور لوگون کا اس قدر ہجوم ہے کہ نگاہ اندازہ نہین کر سکتی۔ اسی ہجوم مین امام الحرمین ابو المعالی جوینی بھی موجود ہین شیخ کی سواری قریب پہونچی تو امام الحرمین نے بڑے ذوق و شوق سے بڑھ کے پہلے تو شیخ کے محفہ کا بانس اپنے کندھے پر رکھ لیا۔ پھر سواری کے آگے آگے اہتمام کرتے اور لوگون کو ہٹاتے اور ادب کی تعلیم و تلقین کرتے شہر نیشاپور مین داخل ہوے شیخ نے بھی ان کی وقعت و مرتبت کی بہت قدر کی اور اس مجمع عام مین امام الحرمین کی نسبت یہ کلمات ارشاد فرمائے "یا مفید اہل المشرق والمغرب انت الیوم امام الائمۃ" یعنی اے وہ شخص جس سے اہل مشرق و مغرب کو فائدہ پہونچ رہا ہے تو آج تمام اماموں کا امام ہے"۔

الغرض یہان شیخ سلطان ملک شاہ کے محل مین تشریف لے گئے۔ اس نے بھی شیخ کی تعظیم و تکریم مین کوئی بات فروگذاشت نہین کی تھی۔ نہایت اہتمام سے ان کا استقبال کیا۔ اور نہایت ادب سے ملا۔ اور سفارت کے متعلق جو جو باتین اور جو جو شرطین شیخ نے پیش کین سب کو اس نے بلا عذر قبول کر لیا۔ ملک شاہ کے وزیر خواجہ نظام الملک جو خود بادشاہ سے زیادہ صاحب اثر تھے اور جن کو سلطان ملک شاہ "باپ" کے لفظ سے پکارا کرتا تھا وہ تو شیخ کے پہلے ہی سے معتقد تھے۔ انھون نے اور زیادہ

قدر و منزلت کی۔ یہان شیخ نے چند روز قیام کیا۔ اور اکثر خواجہ نظام الملک وزیر کی صحبت مین شریک ہوا کیے۔ جہان امام الحرمین ابو المعالی بھی موجود ہوتے تھے۔ اور شیخ اور ابو المعالی مین اکثر مسائل علمیہ پر بحثین بھی ہوئین۔ مگر ہر بحث مین ہمیشہ شیخ ہی غالب آئے اور امام ابو المعالی کو سکوت کرنا پڑا۔ مورخین کہتے ہین کہ اس سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہیئے کہ امام الحرمین علماً شیخ سے ادنے درجہ پر تھے۔ اس لیے کہ شیخ ابو اسحٰق کو علم مناظرہ مین کمال حاصل تھا۔ اور ان کی تقریر عموماً نہایت مدلل اور جامع و مانع ہوتی تھی۔ بخلاف امام الحرمین کے کہ اس امر خاص مین ان کو زیادہ کمال نہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ علامۂ ابو اسحٰق کے مقابل مین ان کو ہمیشہ ساکت ہونا پڑا بلکہ خود امام الحرمین نے نیک نیتی کے ساتھ اس امر کو علامۂ ممدوح کے سامنے ظاہر کر دیا تھا۔ اگرچہ اُنھون نے شیخ کی بزرگی کو اور حیثیت سے مانا تھا۔ ایک صحبت مین وہ کہنے لگے "مین قسم کھا کے کہتا ہون کہ ان تمام مباحث اور تقریرون مین باعتبار وسعت نظر اور زیادتی علم کے آپ مجھ پر غالب نہین آئے۔ آپ کا غلبہ صرف آپ کی پرہیزگاری کی قوت اور صلاح باطن کی وجہ سے ہے" دیکھنا چاہیے کہ اس عہد کے علما مین کس قدر صفائی باطنی اور انصاف پسندی تھی۔ باوجودیکہ امام الحرمین نے ایک ایسا جملہ کہا تھا کہ اگر ہمارے موجودہ مقتداؤن کی نسبت کہا جاتا تو اُن کی آتش غضب فوراً بھڑک اُٹھتی مگر علامۂ ابو اسحٰق کے دل مین اُن کی وقعت ویسی ہی رہی جیسی پہلی تھی۔ بلکہ کسی قدر زیادہ ہو گئی۔ کیونکہ جب چند روز کے بعد علامۂ ممدوح نیشاپور سے روانہ ہونے لگے تو اکثر اہل نیشاپور رخصت کرنے آئے تھے اور ایک اژدحام عام تھا۔ جن مین امام الحرمین ابو المعالی بھی تھے۔ اُس وقت علامۂ ابو اسحٰق نے سب لوگون کی طرف مخاطب ہو کے اور امام ابو المعالی کی طرف اشارہ کر کے کہا "تمتعوا بھذا الامام فانہ نزھۃ ھذا الزمان" یعنی اپنے ان امام سے تم لوگ فائدہ اُٹھاؤ۔ اس لیے کہ یہ اس عہد مین عیبون سے پاک اور کمالات سے آراستہ ہین۔

خواجہ نظام الملک اگرچہ ایک بڑی سلطنت کا وزیر بلکہ مالک تھا مگر اُسکے مزاج مین خوف خدا اس قدر تھا کہ خاص خاص قسم کے علما مین بھی کم نظر آئے گا۔ ایک بار اُس کے دل مین خیال آیا کہ اپنی عدالت اور انصاف پسندی اور اہل ملک کو خوش رکھنے اور اپنے عہد مین ملک مین امن و امان قائم رکھنے کے ثبوت مین اگر مین ایک کاغذ پر اکثر رعایا اور تمام رؤسا و امرا سے اور خصوصاً علما و فضلا سے دستخط کرا لون کہ مین نے کوئی

ظلم و زیادتی نہین کی تو قیامت کے روز خدا کے سامنے وہ کاغذ میرے لیے ایک عمدہ حجت ہو گا۔ اس تجویز کے بموجب اُس نے لوگون سے دستخط کرانا شروع کیا۔ لوگون نے بڑی بڑی عبارت آرائیان کین اور اسکی تعریف و توصیف مین زیادہ الفاظ صرف کیے۔ وہ کاغذ جب علامۂ ابو اسحق کے سامنے آیا تو اُنھون نے باوجود اُس حُسن عقیدت کے جو نظام الملک کو علامۂ ممدوح کے ساتھ تھا صرف یہ جملہ لکھ کے دستخط کر دیا۔ "خَيْرُ الظَّلَمَةِ حَسَنٌ" یعنی حسن اور سب ظالمون مین اچھا ہے۔ حسن خواجہ نظام الملک کا نام ہے۔ خواجہ نظام الملک کو یہ جملہ دیکھ کے نہایت رقت ہوئی اور بہت گریہ وزاری کر کے کہنے لگا "اس بارے مین ابو اسحق سے بڑھ کے کسی نے راست بازی سے نہین کام لیا۔" کہتے ہین نظام الملک کے مرنے کے بعد کسی نے اُسے خواب مین دیکھا اور پوچھا "پروردگار عالم نے تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا؟" اُس نے جواب دیا "صرف اُس ایک کلمہ کی وجہ سے جو ابو اسحق نے میرے بارے مین لکھا تھا۔ خداوند تعالیٰ نے مجھے بخش دیا۔"

اور درحقیقت شیخ ابو اسحق مین انصاف پسندی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ خود اپنی وقعت کے خیال سے بھی کنارہ کر لیا تھا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ایک بار لوگون نے ایک استفتا اُن کی خدمت مین پیش کیا۔ اُنھون نے اُس وقت جو خیال مین آیا لکھ دیا۔ اتفاقاً وہ استفتا مع جواب کے امام ابو نصر بن صباغ کی نظر سے گذرا۔ اُن کو علامہ ممدوح کی ہمسری کا دعویٰ تھا اور واقعی تھے بھی وہ اسی پائے کے بزرگ۔ ابن صباغ نے دیکھتے ہی صاحب فتویٰ سے کہا کہ اس کاغذ کو ابو اسحق کے پاس پھر لے جاؤ اور کہو کہ اس پر نظر ثانی کیجیے۔ علامۂ ابو اسحق نے دیکھا تو حقیقت مین وہ فتویٰ غلط تھا۔ اپنے فتوے کو درست کیا۔ اور اُس کے نیچے یہ جملہ لکھ دیا "الحق ما قاله الشيخ ابن صباغ وابو اسحق مخطئ" یعنی جو ابن صباغ نے لکھا وہ صحیح ہے اور ابو اسحق غلطی پر ہے۔

باوجود اِن سب باتون کے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کی زندگی زیادہ تر احتیاج اور افلاس مین گذری اور اگر یہ غلط ہو تب بھی اتنا ضرور ہے کہ اُن کو کبھی اطمینان اور دنیاوی مرفع الحالی نہین نصیب ہوئی۔ ابن جوزی نے اپنی تاریخ منتظم مین تعجب اور حیرت کے ساتھ لکھا ہے کہ شیخ ابو اسحق کو باوجود اس مقبولیت عامہ اور اس قدر و منزلت کے شرف حج سے بہرہ یاب ہونے کی عزت نہ حاصل ہوئی۔ کبھی

اتنا روپیہ نہ فراہم ہوا کہ حج کا قصد کر سکتے - محمد بن سعد کہتے ہین کہ قاضی محمد بن محمد فرماتے تھے "اما من ما اتفق لهما الحج الشیخ ابو اسحٰق الشیرازی و قاضی ابو عبد اللہ الدامغانی - اما ابو اسحٰق فکان فقیراً و لو اراده یحمل علی الاعناق و اما الدامغانی فلو اراد الحج علی السندس والاستبرق لامکنه" یعنی دو اماموں کو حج کی نوبت نہ آئی شیخ ابو اسحٰق شیرازی و قاضی ابو عبد اللہ الدامغانی ان مین سے ابو اسحٰق محتاج تھے - اور اگر چاہتے تو لوگون کے کندھون ہی کندھون مکہ معظمہ جاتے - لیکن قاضی ابو عبد اللہ کو خدا نے اتنی دولت و ثروت دی تھی کہ اگر وہ قصد کرتے تو ممکن تھا کہ اُن کے مکان سے ارض حجاز تک سندس اور استبرق (حریر و مخمل) کا فرش بچھ جاتا -

علامۂ ممدوح کبھی کبھی نظم بھی فرماتے تھے - مگر ان کی شاعری اسی شان کو لیے ہوے تھی جو ایک مقتدا اور عالم کے شایان ہے - دنیا مین دوستون کے نہ ملنے کا خیال ان دو شعرون مین نہایت خوش اسلوبی سے ظاہر کیا ہے - فرماتے ہین -

سئلت الناس عن خلّ وفیٍ فقالوا ما الی هذا سبیل

تمسّك ان ظفرت بذیل حرٍّ فان الحرّ فی الدنیا قلیل

یعنی مین نے لوگون سے وفادار دوست کے بارے مین سوال کیا تو کہنے لگے دنیا مین نہین مل سکتا - اگر کوئی جوانمرد مل جائے تو اُس کا دامن نہ چھوڑنا اس لیے کہ جوانمرد دنیا مین تھوڑے ہی ہین -

مگر دنیا ایسی بیوفا چیز ہے کہ کسی کی قدر نہین کرتی - آخر اُس نے علامۂ ابو اسحٰق کے سے گرانمایہ مقتداے عصر کو بھی رخصت ہی کر دیا - افسوس اے دنیا تجھے ان کے ساتھ بیوفائی نہ کرنا چاہیے تھا - اگر تیرا کام اُن سے نکل گیا تھا تو تو نے ہم سے معتقدون اور مشتاقون کے لیے ہی اُن کو لگا رکھا ہوتا - الغرض دنیا نے جیسا بیوفائی کا کھیل ہر شخص کے ساتھ کھیلا ہے ویسا ہی اُن بزرگ کے ساتھ بھی کھیلا - ۲۱ - جمادی الاول ۴۷۶ھ مین چہار شنبہ کی رات کو علامۂ ابو اسحٰق نے سفر آخرت کیا - ابو المظفر بن رئیس الرؤسا کے مکان مین غالباً شیخ سکونت پذیر تھے جو شرقی بغداد مین تھا - کیونکہ اُسی مکان مین انتقال ہوا اور ابو الوفا ابن عقیل نے جو اس عہد کے مشہور علما مین تھے شیخ کی تجہیز و تکفین کی - اور خود ہی نہلایا - اُن کے جنازے کی نماز مین خود خلیفہ وقت

مقتدی بامراللہ بھی شریک تھا۔ ان کے جنازے پر دو بار نماز پڑھی گئی۔ پہلے باب الفردوس مین۔ پھر دوبارہ جامع قصر مین۔ دو بار نماز ہونے کی یہ وجہ ہوئی کہ جب پہلے نماز پڑھی گئی ہے اسوقت بغداد کے نامور اور سربرآوردہ لوگون مین سے اکثر لوگ نہین موجود تھے۔ جب سب لوگ فراہم ہو گئے اور بہت بڑا مجمع ہو گیا تو دوبارہ پڑھی گئی۔ اور سب شریک ہوے۔ نماز کے بعد لوگ جنازے کو کندھون پہ اُٹھا کے لے چلے اور باب آبرض مین زمین پہ رکھا۔ اور وہین مدفون ہوے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مورخین بیان کرتے ہین کہ اُن کے انتقال کے بعد نظامیہ کے طالبعلمون کو اتنا بڑا ملال ہوا کہ تین دن تک برابر حلقۂ ماتم باندھ کے بیٹھے اور رقت وزاری مین مشغول رہے۔ تمام امرا اور ارکان بغداد اور نیز کل شرفا برسم تعزیت آئے اور طالبعلمون کو تسلی وتشفی دیتے رہے۔ جب اس سوگواری اور ماتم سے فراغت ہوئی تو وزیر نظام الملک کے بیٹے مویدالملک نے جو بغداد مین موجود تھا ابوسعد عبدالرحمن بن امون کو اُن کی جگہ نظامیہ کا مدرس اعلی مقرر کیا۔ جب یہ خبر خود نظام الملک کو پہونچی تو اُس نے نہایت رنج والم ظاہر کر کے کہا "مویدالملک نے بالکل خلاف کیا۔ علامۂ ابواسحق نے دین کی جو خدمتین کی تھین اور جیسے اتقا وزہد اور علم وفضل کے وہ عالم تھے اُس کے خیال سے چاہیے تھا کہ کامل ایک برس تک نظامیہ پر حسرت برسا کرے۔ اُس کے دروازے بند پڑے رہین۔ اُسکے حجرے خالی ہون۔ اور کوئی شخص اُن مرحوم کی جگہ پہ مقرر کیا جائے۔ مگر اب درس وتدریس کا سلسلہ قائم ہی کر دیا گیا ہے۔ اور ابوسعد کو بے ادبی سے اُن کے مقام پر مامور کر دیا ہے تو اُس کے پاداش مین ابوسعد کو معزول کرو۔ اور امام ابونصر بن صباغ کو نظامیہ کا پروفیسر مقرر کرو۔ جنھون نے روز افتتاح کو بھی درس دیا تھا۔ اس لیے کہ نیز بہ حیثیت علم وفضل اور نیز باعتبار زہد وورع وہ علامہ ابواسحق کے حریف مقابل تھے"

علامۂ ممدوح کی سب سے اول درجے کی کتاب "تنبیہ" ہے جو ان کی زندگی ہی مین رواج پا گئی تھی۔ دوسری کتاب کا نام "مہذب" ہے جس کی متعدد شرحین لکھی گئین۔ اور یہ دونون کتابین علم فقہ مین ہین۔ تیسری کتاب اصول فقہ مین "لمع" لکھی جس کی خود ہی شرح بھی کی۔ ان کے علاوہ کتاب التلخیص۔ کتاب النکت۔ کتاب التبصرہ۔ کتاب المعونہ۔ کتاب طبقات الفقہا بھی علامہ ممدوح کی مشہور کتابین ہین۔ جن مین سے اکثر اب نایاب ہین۔

انسان کو جس امر کے سیکھنے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ کیونکر زندگی بسر کرنی چاہیے۔ انسان کو زندگی سے زیادہ کسی چیز کی فکر نہین۔ اور پھر لطف یہ کہ اس سے زیادہ بے پروائی بھی کسی امر مین نہین کی جاتی۔

یہ کوئی آسان معاملہ نہین **بقراط**[1] اپنی ایک ڈاکٹری کتاب **افوریزم** کے شروع مین لکھتا ہے "زندگی تھوڑی ہے۔ علم وسیع ہے۔ موقع ہاتھ سے نکلا چلا جاتا ہے۔ تجربہ غیر متیقن ہے۔ اور اس حالت مین کوئی رائے قائم کرنا دشوار ہے"

مسرت و کامیابی کا دار و مدار ہماری حالتون پر نہین بلکہ خود ہماری ذات پر ہے غیرون کے ہاتھ سے برباد ہونے کی جگہ بہت سے لوگ خود اپنے ہی ہاتھ سے برباد ہوے ہین۔ جتنے مکانات اور شہرون کو طوفانون یا زلزلون نے ویران کیا ہوگا۔ اُن سے زیادہ خود انسان کے ہاتھ سے مسمار ہوے ہین۔ بربادی دو طرح کی ہوتی ہے۔ زمانے کے ہاتھون اور خود انسان کے ہاتھون۔

جو بربادی انسان کے ہاتھون ہوتی ہے وہ تمام بربادیون سے زیادہ افسوسناک ہے۔ اور بقول **سنیکا حکیم**[2] کے انسان کا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو خود

---

[1] بقراط یونان کا نامی گرامی طبیب اور حکیم تھا۔ جو علم طب کا موجد مانا جاتا ہے۔ حضرت مسیح سے ۴۶۰ برس قبل پیدا ہوا۔ اور ۳۶۱ قبل مسیح وفات پائی۔

[2] سنیکا روم کے مشہور اور مستند فلسفیون مین ہے۔ حضرت مسیح کا معاصر تھا۔ اُن کی ولادت سے تقریباً تین سال پیشتر پیدا ہوا۔ اور اُن کے ۶۵ سال بعد وفات پائی۔

اس کے سینے مین بیٹھا ہوا ہی لابروئیر[۵۱] کہتا ہی "بہت سے لوگ اپنا زیادہ وقت دوسرون کو آزار پہونچانے مین صرف کرتے ہین۔ للی[۵۲] کا قول ہی کہ اکثر اوقات جوانی کے پُر شہوت خون سے وہ افعال سرزد ہوتے ہین جن کا خمیازہ بڑھاپے کی بوسیدہ ہڈیان بھگتتی ہین۔ اس لیے کہ بقول لوشیان[۵۳] کے "جو گذر گیا اور ہو گیا اُسے نہ قلوتو بنا سکتا ہی نہ اُترولپوس[۵۴] بگاڑ سکتا ہی۔ انسان اپنے سے محبت کرتے ہین۔ مگر عقلمندی سے نہین بلکہ بہت اچھی طرح سے۔ مجھے بعض اوقات الزام دیا گیا ہے کہ مین اس بات کا قائل ہون کہ دنیا مین مسرت بمقابلہ الم کے زیادہ ہی۔ مگر مین نے زندگی کی دشواریون اور اُس کے المون سے نہ کبھی انکار کیا۔ اور نہ کبھی اُن کی طرف سے غفلت کی۔ مین نے کبھی نہین کہا کہ آدمی خوش ہین۔ ہان صرف اتنا کہا کہ وہ خوش ہو سکتے ہین۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اُنھین مسرت نہین حاصل ہے تو عموماً یہ خود اُنھین کی کوتاہی ہی۔ یا یہ مطلب سمجھا جائے کہ جتنی مسرت سے ہم لطف اُٹھا سکتے ہین اُس سے زیادہ مسرت تو ہم ضائع کر دیتے ہین۔ اور اسی سے سارے تردداد پیدا ہین۔ وڈیٹر[۵۵] کے ایک شعر کا ترجمہ ہی کہ جتنے اندوہناک لفظ زبان یا قلم سے نکلتے ہین اُن سب مین زیادہ اندوہناک الفاظ یہ ہین کہ "یہ ہو سکتا ہے"[۵۶]

---

۵۱ لابروئیر فرانس کا ایک مقبول و مستند مصنف ہی۔ جو سنہ ۱۶۴۴ء مین پیدا ہوا تھا۔ اور سنہ ۱۶۹۶ء مین راہی عدم ہوا۔ ۵۲ للی جس کا پورا نام جان للی ہے انگلستان کا ایک لائق مصنف تھا جس کے ڈراما کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ ملکۂ الزبتھ کے عہد کا نہ پورا ایک یہ شخص بھی تھا جو سنہ ۱۵۵۳ء مین پیدا ہوا اور سنہ ۱۶۰۶ء کے قریب فوت ہوا۔

۵۳ لوشیان ایک یونانی مشہور فیلسوف تھا۔ جس کا سنہ ولادت و وفات نہین معلوم لیکن یہ مشہور ہے کہ اُس نے بہت عمر پائی اور دو سو برس کا ہو کے مرا۔

۵۴ اہل یونان نے قدیم زمانے مین ہر کام کے لیے اک دیوتا مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ ان مین سے ایک قلو اور ایک اٹرولپوس بھی تھے۔ پہلے کے معنی زندگی کا تار جوڑنے والے کے اور دوسرے کے معنی زندگی کا تار توڑنے والے کے ہین جو کام کہ ان دیوتاؤن کی طرف منسوب تھے۔

۵۵ وڈیٹر بھی یورپ کا ایک نامی شاعر ہے۔ ۵۶ مطلب یہ کہ (بقیہ صفحہ ۱۹ پر ملاحظہ ہو)

بہت سے معاملات مین جس چیز کو ہم بُرا کہتے ہین وہ اصل مین خوبی ہی ہے جو بُری طرح استعمال کی گئی یا اسکے برتنے مین ہم حد سے بڑھ گئے۔ کسی پہیے یا کسی کیل کو بھی اسکی ٹھیک جگہ اور موقع سے ہٹا دو تو ساری کل بگڑ جائے گی۔ اسی طرح اگر ہم اپنے آپ کو نظام عالم کی ترتیب سے علیحدہ کر دین گے تو ہمین بھی ایسی ہی خرابی کی امید رکھنی چاہیے۔ حد سے زیادہ شجاعت دیوانگی۔ محنت کمزوری۔ اور کفایت شعاری حرص و طمع بن جاتی ہے۔ یہ ضرب المثل ہے کہ جو چیز ایک آدمی کے لیے غذا ہے دوسرے کے حق مین زہر ہوتی ہے۔ اس بات کا دعویٰ کرنے کی کوئی جرأت نہین کر سکتا کہ نظام قدرت مین تغیر و تبدل ہونے سے کوئی فائدہ حاصل ہو گا۔ ایک شخص گر پڑتا ہے اور اسکا پاؤن ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر اُس سے کشش زمین کے مسئلہ مین جو تغیر ہوتا ہے اُسے کوئی کسی قسم کی ترقی نہین کہہ سکتا۔

اہل فارس مسرت کو ہرمزد یعنی خدا کی روح کی طرف منسوب کرتے تھے اور رنج و تکلیف کو **اہرمن**[۵۲] کیطرف جسے وہ بدی کا شیطان خیال کرتے تھے۔ مگر حقیقت مین دیکھو تو زندگی کی مصیبتون اور تکلیفون کو اپنے اوپر اپنی لغزشون اور غلطیون سے ہم خود ہی لاتے ہین۔ دونون طرح کی لغزشون سے۔ پہلی اُن افعال کا ارتکاب جن کو ہم ہر وقت بُرا جانتے ہین۔ اور دوسری جن مین غالباً لوگ زیادہ مبتلا ہین یہ کہ بُرے افعال کو نادانی سے بُرا نہ سمجھا۔ جہان تک پہلی قسم کی غلطیون سے تعلق ہے اُن سے بچنے کے لیے ہم نے اپنے سینون مین ایک ایسا رہبر قائم کر لیا ہے جو کبھی خطا ہی نہین کرتا۔ اگر اس پر بھی خطا کرین تو گویا ہم آنکھین کھلی رہنے پر بھی ضلالت کے گڑھے مین گرتے ہین۔ کیونکہ اگر ہم نے جان بوجھ کے آنکھون کو نہین بند کیا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸) کسی چیز کی امید کرنے ہی سے سارے صدمات پیدا ہوتے ہین جب ہمارے دل مین ہوتی ہے کہ یہ بات ہو سکتی ہے تو سمجھتے ہین کہ یہ ہو بھی جائے گی۔ پھر اسکے بعد جب وہ نہین ہوتی تو دل کو صدمہ ہوتا ہے لہذا اگر ہم کسی چیز کی امید ہی نہ کیا کرین اور یہ خیال ہی نہ کرین کہ ہو گی تو ہمین کبھی کسی بات کا بھی صدمہ نہ ہو۔ مترجم

۵۲ پارسی لوگ جنھین آتش پرست کا لقب دیا گیا ہے نیکی اور نور کا خالق یزدان کو اور بُرائی و گناہ اور ظلمت کا خالق اہرمن کو سمجھتے تھے۔ یہ مذہب اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ قدیم الایام سے چلا آتا تھا مگر زرتشت نے بالکل نئی اور دلچسپ ترتیب سے اُسے باضابطہ بنایا۔ اور اسی وجہ سے وہ اس مذہب کا بانی خیال کیا جاتا ہے۔

اور وہ یونہین بند ہین تو سمجھنا چاہیے کہ ہم بے عقلی سے کام کرتے ہین۔ لیکن اسے گناہ نہین کہا جا سکتا۔

رہین دوسری قسم کی غلطیان اُن سے بچنے کے لیے ہمین عقل اور دلیل سے مدد لینی چاہیے۔ ماں باپ۔ بزرگون۔ اور دوستون کی نصیحت پہ عمل کرنا چاہیے۔ اپنی تعلیم اور خود اپنی ذات کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ تعلیم دراصل ہماری ہی ذات کا ایک حصہ ہی۔ ہم سب کے پاس ایک شاگرد ہے۔ اور وہ چاہیے جس درجہ اور جس لیاقت کا ہو مگر ہمین ضرور ہے کہ اسے سکھائین اور تعلیم دین۔

بمقابل اُن چیزون کے جو ہم نے اورون سے سیکھی ہین وہ باتین ہماری زندگی سے زیادہ وابستہ ہو جاتی ہین جنھین ہم نے خود اپنی ذات سے سیکھا ہے۔ جب ہم اسکول کو چھوڑتے ہین اسوقت تعلیم ختم نہین ہو جاتی۔ ختم ہونا کیسا یہ بھی مشکل سے کہا جا سکتا ہی کہ اسوقت سے تعلیم شروع ہوئی۔ پھر اس کے بعد زندگی بھر اُس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

سنیکا حکیم نے کہا ہی "جس طرح لوگ ورزش کر کے بدن کو بنایا کرتے ہین اگر اسی طرح ریاضت کر کے دماغون کو ٹھیک کیا کرتے۔ اور جتنی دشواریان مسرت حاصل کرنے کے لیے برداشت کرتے ہین اتنی ہی تکلیفین نیکی کے شوق مین برداشت کرتے تو کیا خوب ہوتا"۔

بعض تو مین تقدیر کی قائل ہین۔ اُن کی نظر مین ہر چیز پہلے ہی سے مقرر ہو چکی ہی۔ اور جو ہونا ہی ضرور ہو گا۔ عام اس سے کہ وہ چاہین یا نہ چاہین۔ انسان اُن کے خیال مین کسی دوسرے محرک کے حرکت دینے سے کام کرتا ہے یا یون کہیے کہ اُس اعلیٰ قوت متحرکہ کے ہاتھ کا کھلونا ہے۔ اس کا فیصلہ کرنے کے لیے پہلے اس پہ غور کرنا چاہیے کہ دنیا مین زندگی اور جاندار ہونا کوئی چیز ہے۔ یا نہین۔ ہم اپنے جہاز کو زمانے کے سمندر کے پار لے جا سکتے ہین۔ یا اس بات کے پابند ہین کہ جدھر ہوا بہا لے جائے بہ جائین؟

جواب صاف ہی۔ جو **جین پول رشتیر**[۱] نے دیا ہی کہ "انسان انسان ہی اور اپنی قسمت کا مالک ہے"۔ اور اگر ایسا نہین تو سمجھنا چاہیے کہ گناہ اور لغزش ہر وقت اُس کے دروازے پہ کھڑی ہی۔ جو کچھ کہ تم ہونا چاہتے ہو وہی ہو۔ کیونکہ ہماری مرضی اُس ذات

---

[۱] جین پول رشتیر ایک جرمن فلسفی اور مصنف ہے۔ جو ۱۷۶۳ء مین پیدا ہوا اور ۱۸۲۵ء مین وفات پائی۔

واجب الوجود سے ل کے اس قدر قوی ہوگئی ہے کہ متانت کے ساتھ اور سچے ارادے سے ہم جو ہونا چاہین وہی ہو جائین گے"

اس صورت سے اگر یہ قدرت ہم اپنے انجام پر رکھتے ہون تو ہمین اپنے دل سے یہ نہایت ہی اہم سوال کرنا چاہیے کہ ہم کیا ہونا چاہتے ہین؟ اور کیونکر ہم اپنی زندگی کو بہت زیادہ سرسبز بنا سکتے ہین۔ بعض اشخاص زندگی مین کوئی غرض رکھتے ہین اور بعض کی کچھ غرض نہین ہے۔ ہماری پہلی غرض یہ ہونی چاہیے کہ اپنے آپ کو عمدہ اور حسن کام کے قابل ہو سکتے ہون اُس کے قابل بنائین **ہمبولٹ**[1] کہتا ہے "ہر شخص کا مقصود یہ ہے کہ اپنے قوی کو نہایت ہی اعلیٰ اور مناسب ترتیب سے ترقی دے کے مکمل اور مستقل بنائے۔ **جین پول رشتیر** کا مقولہ ہے کہ انسان کو حتی الوسع اپنے تئین بہتر بنانا چاہئے ہم کو اپنے بہتر بنانے مین کسی قسم کی خودغرضی کا قصد نہ کرنا چاہیے۔ اور نہ ہمین پیشتر ہی سے یہ خیال کر لینا چاہیے کہ ہماری قسمت مین ناکامی ہی لکھی ہوئی ہے۔ **بیکن**[2] کہتا ہے انسان کی اس زیست کی یہ عمدہ غرض نہین ہے کہ وہ صرف اپنے ہی واسطے دولت جمع کرے بہتر اور زیادہ اولوالعزم لوگ جیسے **افلاطون۔ ارسطو۔ بدھا۔ اور پولوس مقدس**۔ اس بات پر کبھی قانع نہین ہوے کہ اپنی ذات کو صرف اپنے ہی واسطے تکمیل کو پہونچائین۔

اب مین اس بات کو مان لون گا کہ ہمین اپنی ذات کو اوروں کے لیے درست اور بہتر بنانا چاہیے۔ اور مجھے اب تبلانے دو کہ یہ ایک کیسا دلچسپ کام ہمین دیا گیا ہے۔ ایک یونانی مسلم الثبوت مقولہ بتاتا ہے کہ خود اپنے آپ کو پہچاننا کس قدر دشوار ہے فرانسیسی مصنف **مونتانیہ**[3] کہتا ہے کہ "مین نے خود اپنے نفس سے بڑھ کے نہ ساری دنیا مین

---

[1] ہمبولٹ ایک نہایت ہی باوقعت اور مستند جرمنی فلسفی اور حکیم تھا جس کی سیاحت بھی مشہور ہے۔ وہ ۱۷۶۹ء مین پیدا ہوا۔ اور ۱۸۵۹ء مین اُس نے وفات پائی۔

[2] لارڈ بیکن مشہور اور گرانمایہ حکیم انگلستان جو موجودہ جدید فلسفہ کا بانی مبانی ہے ۱۵۶۱ء مین پیدا ہوا اور ۱۶۲۶ء مین مرا اسکے سوانحعمری اردو مین ایک رسالے کی حیثیت سے دفتر دلگداز سے شائع ہوے ہین۔

[3] مونتانیہ ایک مشہور فرانسیسی مصنف تھا جو لائق مضمون نگار تسلیم کیا گیا ہے ۱۵۳۳ء مین پیدا ہوا۔ اور ۱۵۹۲ء مین مرا۔

کوئی طلسم دیکھا اور نہ اس سے بڑا کوئی سحر پایا۔" **سرٹی برون**[۵۱] جس کی زندگی بہت ہی کم پُر ماجرا یا پُر جوش تھی ہم کو یقین دلاتا ہے کہ "اپنی زندگی اُسے ایک تیس برس کا معجزہ نظر آئی جس کو اگر وہ بیان کرتا تو تاریخ نہ سمجھی جاتی۔ بلکہ اس پر ایک شاعرانہ خیال یا افسانے کا اطلاق ہوتا۔"

نصیحت کرنا **رحبعام** (حضرت سلیمان کے بیٹے) کے زمانے سے لارڈ **چسٹرفیلد**[۵۲] کے زمانے تک ایک محض بیگار سمجھا گیا۔ اور مجھ کو **نیوزیلینڈ** کے اُس نئے ایمان لانے والے کا حال بھی بھولا نہیں ہے جس کی بابت وہاں کے سردار نے ایک پادری سے بیان کیا کہ اُس نے ہمیں اس قدر زیادہ نصیحت کی کہ ہم نے عاجز آکر اُسے قتل کر ڈالا۔ تاہم للّی کا قول ہے کہ جو شخص نصیحت کو ابتدا میں سستے داموں نہیں قبول کرے گا وہ آخر میں پچتا کے اور اپنے اوپر ملامت کر کے قبول کرے گا۔ لہذا میری غرض یہ ہے کہ میں اُن لوگوں کے واسطے جو کچھ کرنا چاہتے ہیں اور اپنی زندگی کو حتی الوسع عمدہ بنانا چاہتے ہیں چند باتیں بیان کر دوں۔

یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ لوگ موقعوں کو ہاتھ سے نکل جانے دیتے ہیں۔ جو برکتیں بے پروائی اور بیہودگی سے ضائع کر دی گئیں اُن سے کتنے آدمی مسرت حاصل کر سکتے ہیں؟"

خیال رکھو کہ تمھاری مسرتیں محض خیالی نہیں بلکہ حقیقی ہیں۔ ہم بہت سی کام کرتے ہیں اور اس لیے کہ اُنھیں مسرت سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ ایسے ہیں کہ اگر انھیں کسی اور نام سے یاد کیا جاتا تو ہم نفرت کرنے لگتے۔ بہت سے لوگ خیال کرتے ہیں کہ اُنھیں مسرت حاصل ہے۔ اور محض اس بنا پر کہ وہ کوئی مفید کام نہیں کرتے بعض اور لوگ ہیں جن کو معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک مسرت کو صرف حواس ظاہری ہی سے تعلق ہے۔ حالانکہ بخلاف اس کے دلی مسرتیں نہایت ہی تشفی بخش بھی ہیں۔ اور زیادہ پائدار بھی ہیں۔

---

[۵۱] برون جس کا اصلی نام ٹامس برون تھا انگلستان کا ایک زبردست اور مشہور فلسفی تھا ۱۶۰۵ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۶۸۲ء میں مرا۔

[۵۲] چسٹرفیلڈ انگلستان کا ایک معزز صاحب علم درباندار امیر تھا جو ۱۶۹۴ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۷۷۳ء میں مرا۔

ہم اپنے صرف ایک جسم کو جس کی صحت پر دل کی صحت منحصر ہے غفلت و بے پروائی سے ضرر ہو نچا لیتے ہین۔ اور رہنر مندی کے ذریعہ سے جتنی مسرتین حاصل ہو سکتی ہین اُن کی نصف بھی ہمین نہین نصیب ہوتین۔ مین یہ خیال کر کے متحیر ہو جاتا ہون کہ جن لوگون نے **نیشنل گیلری**[۱] سے فائدہ اُٹھایا وہ لندن کی پوری آبادی کے مقابلے مین کتنے ہین؟ ہم اپنے آپ کو اس قابل ہی نہین بناتے کہ علم طبعی کی ایجادون کی قدر کر سکین۔ **برٹش موزیم**[۲] کی کتنے لوگ سیر کر چکے ہین؟ اور ان مین کتنے ہین جنھون نے اپنے نفس کو ایسا درست کر لیا ہو کہ اس کی قدر کر سکین؟ جس زمین پر ہم رہتے ہین جو آسمان ہمارے سرون پر ہے اُن کی خوبیون اور اُن کی خوبصورتیون سے ہم لطف نہین اُٹھاتے۔ موسیقی شاید ہمارے برتاو سے مین زیادہ داخل ہے مگر وہ بھی اس قدر نہین جتنی کہ ہو سکتی ہے۔ ہم فخر کرتے ہین کہ حیوانات مین ادراک اور سمجھ نہین ہے۔ اور انسان عقل و تمیز رکھتا ہے۔ مگر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اُس عقل نے جس پر ہمین فخر ہے انسانی مسرت مین کس قدر کم اضافہ کیا ہے۔ سینک[۳] خیال والے فلسفیون کے سوال کے مطابق ابھی تک اس مین شبہہ کیا جا سکتا ہے کہ آیا نفس پر قابو حاصل کرنا من حیث المجموع مصیبت و تکلیف کا باعث ہے یا مسرت و عیش کا؟ حیوانات اپنے آپ کو تکلیف نہین دیتے مگر ہم اپنے نفس کو تکلیف دیتے ہین۔ انسان بیکار امور مین فکر کرتا ہے۔ اور بے ضرورت

---

[۱] نیشنل گیلری لندن کی ایک عمارت کا نام ہے جس مین وہان کی حرفت و صنعت کے نمونے دکھائے گئے ہین۔ اور جس مین جا کے انسان کو معلوم ہو سکتا ہے کہ انگلش قوم نے صنعت اور دستکاری مین کس قدر ترقی کی ہے۔

[۲] یہ لندن کا سب سے بڑا عجائب خانہ ہے جس مین دنیا کے عجائبات کا سب سے بڑا خزانہ فراہم کیا گیا ہے اسکے متعلق جو کتب خانہ ہے وہ بھی عجیب چیز ہے۔ فرانس کے کتب خانے کے بعد ساری دنیا کے کتب خانون سے یہ بڑا ہے۔ اور اس مین ہر علم ہر فن اور ہر زبان کی پرانی اور نئی کتابین جمع ہین۔

[۳] یونانی فلسفیون مین سے ایک خاص خیال کے حکما سینک کہلاتے تھے اُن کا خیال تھا کہ انسان بالطبع عشرت پرستی اور شہوت پرستی کی طرف مائل ہے۔ اور اسی خیال کی وجہ سے وہ لوگ دنیا کی تمام رسمون اور یہان کی ہر چیز کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے اور قابل نفرت جانتے تھے۔

بکتا ہی۔ شکون۔ خطرون۔ فکرون۔ اور تردودون سے ہم خود ہی اپنا فشار کیے ڈالتے ہین نامعلوم رموز ہین ہر طرف سے گھیرے ہوے ہین۔ مگر ہمین ان کی وجہ سے بے صبر نہ ہونا چاہیے۔

لیکن باوجودیکہ ہمین متردد نہ ہونا چاہیے پھر بھی ضرور ہے کہ اپنی حفاظت کے لیے ہم فکر کرین جن لغزشون مین مبتلا ہونی کا ہمین ادنے وہم ہو ان سے بچنے کے لیے جتنی عقل تمیز کی ضرورت ہو اس سے زیادہ عقل و تمیز بھلائیون اور نیکیون کا امتیاز کرنیکے لیے درکار ہی۔ برائی کی صورت باوجود اس کی تمام خرابیون کے ایسی بدل دی گئی ہے کہ پہلی نظر سے دیکھتے ہی ہم فریفتہ ہو جاتے ہین۔ اور پہلی نظر سے دیکھتے وقت اگر اُس کے منھ پہ کسی خوبی کا چہرہ نہ لگا ہوا نظر آتا تو وہ بہت مشکل سے ہمین بدکار بنا سکتی۔" ایسے لوگون سے ہم سب ملے ہین جنھون نے عمدہ خیالات ہی کی بنا پر اپنے آپ کو کنجوسی اور سنگدلی کا ملزم بنا لیا ہے۔ **لارڈ پامرسٹن**[۱] نے ایک مرتبہ خود اپنے اوپر اس پہلو سے نکتہ چینی کی کہ "سب لڑکے پیدائش کے وقت نیک ہی ہوتے ہین[۲]۔ مگر خود ہی زحمت اُٹھا اُٹھا کے اپنی استعداد کے مطابق شریر بن جاتے ہین۔ **سر آئی برون** نے کیا خوب کہا ہی"اتنا ہی رحم غنیمت ہی کہ دنیا کے بدکاری کے راستون مین چل کے ہم یکا یک شریر نہین ہو جاتے۔ بلکہ ہمارے بگڑنے مین تھوڑا وقت بھی صرف ہوتا ہے۔ اور کسی قدر زحمتین بھی برداشت کرنی پڑتی ہین۔ جس طرح آسمان سے تارہ ٹوٹ کے گرتا ہی اس طرح ہم ایک ہی دن مین نیکی کے دامن سے نہین گر پڑتے۔"

لیکن اگر ہم اُس شخصی حالت سے تجاوز کر کے قومی حالت کی طرف توجہ کرین تو یہ دیکھ کے کہ کیسے کیسے موقع ہاتھ آنے کے بعد ہم نے کھو دیے ہین کیا ہمارے لیے زیادہ چونکا دینے والا نہ ہوگا؟ نوع انسانی **نیوٹن**[۳] کے سامنے اب بھی اس کا اقرار

---

[۱] لارڈ پامرسٹن: انگلستان کا ایک مشہور و معروف رئیس اور تمدن کا زبردست ماہر گذرا ہی ۱۷۸۴ء مین پیدا ہوا تھا اور ۱۸۶۵ء مین مرا۔

[۲] اسلام مین اسی مضمون کی یہ حدیث موجود ہی۔ کل مولود یولد علی الفطرۃ وابواہ یُہوِّدانِہٖ وَیُنَصِّرانِہٖ وَیُمَجِّسانِہٖ۔ ہر بچے کی ولادت نیکی ہی پر ہوتی ہی مگر ان باپ اسے یہودی نصرانی اور مجوسی بناتے ہین۔

[۳] سر آئی نیوٹن انگلستان کا مشہور اور بہت ہی اعلیٰ درجہ کا فلسفی ہی۔ اس نے قدرت کی وسعت اور انسان کی ناواقفی کی یہی مثال دی ہی کہ ساری تحقیق و تفتیش اور ایجاد و اختراع کی اس سے زیادہ وقعت نہین کہ چند بچے سمندر کے کنارے سیپیان چن رہے ہین۔ وہ سنہ ۱۶۴۲ء مین پیدا ہوا تھا۔ اور ۱۷۲۷ء مین ملک عدم کو سدھارا۔

کر سکتی ہو کہ ہماری حیثیت محض اُن بچون کی سی ہو جو سمندر کے کنارے کھیل رہے ہون اور ادھر اودھر سے ڈھونڈھ کے معمول سے زیادہ خوبصورت سیپیون یا سمندر کی نازک شاخون کو جمع کر رہے ہون۔ حالانکہ حقیقت کے اصلی سمندر پر اس وقت تک بالکل لاعلمی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ دنیا مین ایک چیز بھی ایسی موجود نہین ہے جس کے کل منافع اور اس کے تمام خواص ہم نے دریافت کر لیے ہون۔ ہم صبح سے شام تک محنت کرتے ہین اور اس سے بھی زیادہ محنت کرنے کو تیار ہین اگر صرف ہمین اتنا معلوم ہو سکے کہ مادے کے تمام خواص اور قدرت کے کل تصرفات کیا ہین یقین غالب فقط ایک یا دو گھنٹے مین ہم اپنے جسم کے ضروری اور مناسب حوائج کو فراہم کر لین گے۔ اور دل کی اصلاح کے لیے کافی وقت موجود ہو گا۔ بھاپ کی قوت سے ہنوز پورا فائدہ نہین اُٹھایا جا سکا برقی قوت ہمارے بچپن مین بالکل نامعلوم تھی اور اب ہم نے اُسے سمجھنا شروع کیا ہے ندیون کے دھارے مین جو قوت ہے وہ اس وقت تک بے کار جا رہی ہو۔ اگر اِن ایسٹ تھینکس[1] ذرا اور جلدی دریافت ہو جاتی تو بہت سی زحمتین جو انسان کو اٹھانا پڑین اُن سے بچ گیا ہوتا۔ ایسی مثالین اگر لکھی جاوین تو ایک دفتر ہو جائے گا۔ کوئی شخص شبہ نہین کر سکتا کہ ابھی ہزارون ایسی باتین پڑی ہین جن کی تحقیقات نہین ہوئی۔ باوجودیکہ ہزارون تحقیقاتین ہو چکی ہین کیا یہ تعجب انگیز بات نہین ہے کہ وہ قومین جو مسیحی نام سے مشہور ہین لاکھون روپیہ صرف ضائع نہین کر دیتین بلکہ ضائع کرنے سے بھی بدتر کامون مین یعنی ایک دوسرے کے تباہ کرنے اور ملک کے واسطے درندون کی طرح لڑنے مین صرف کر دیتی ہین جبکہ حق کا بحر اعظم اُن کے سامنے نامعلوم پڑا ہوا ہے۔ گذشتہ زمانے مین ہم اس بات پر قانع تھے کہ ہماری اولاد بغیر لکھے پڑھے جوان ہو جاوے تو کچھ مضائقہ نہین اس زمانے مین بھی بہت سے لوگون کو یہ کہتے سنتے ہین کہ زیادہ تعلیم بے فائدہ ہو لیکن اگر انصاف سے دیکھا جاوے تو بہت سی حالتون مین یہ معلوم ہو گا کہ اس کہنے سے اُن کا مطلب محض اُس تعلیم سے ہے جو کہ روزمرہ کے کامون سے کوئی تعلق نہ رکھتی ہو۔ بہت سے ایسے لوگ پڑے ہین جو کہتے ہین کہ تعلیم مین روپیہ بہت صرف ہوتا ہے

[1] ایک چیز جس کے لگانے سے حس کی قوت جاتی رہتی ہے۔ اور انسان کو درد وغیرہ محسوس نہین ہوتا۔

لیکن وہ اس سے بالکل غافل ہین کہ تعلیم سے زیادہ روپیہ جاہل رکھنے کی وجہ سے تباہ ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اب ہماری کل اولاد کچھ نہ کچھ تعلیم پاتی ہے۔ تاہم ابھی اس بات پہ شبہہ کیا جاسکتا ہے کہ اب تک ہم نے مناسب طریقہ تعلیم دینے کا اختیار کیا ہے یا نہین (مین اس جگہ اس مسئلہ پہ بحث نہ کرون گا) مگر مین اس مقام مین اتنا ضرور کہون گا کہ ہم لوگون نے اسکولون مین اخلاقی تعلیم کیطرف سے نامناسب غفلت کی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ یہ عام قیاس تو قائم ہو گیا ہے کہ اگر کوئی شخص احکام الٰہی کو توڑ ڈالے تو ضرور ہے کہ وہ شخص غلط کر رہا ہے اور غالبًا دوسرون کی تکلیف کا بھی باعث ہوگا۔ لیکن وہ شخص اس جہان مین تو ضرور اپنے تئین زیادہ مسرت پہونچالے گا۔ اور آرام مین ہو جائے گا۔ نیز یہ کہ خودکامی۔ لالچ بے اعتدالی و نکاہلی و دیگر عیوب کا کرنا گو برا ہے۔ مگر کوئی شخص اپنی ذات کے واسطے دوسرون کو نقصان پہونچا کر اِن سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ اور یہ بھی ایک عام خیال پیدا ہو گیا ہے کہ اگر ایک شخص دوسرون کا خیال نہ کرے اور صرف اپنا ہی خیال رکھے تو اُسکی فطری خواہش یہ ہو گی کہ آرام اور خوشی کے ساتھ زندگی بسر ہو۔ نیک اور پارسا ہونا گو کہ نہایت عمدہ اور قابل تعریف ہے مگر اس مین ایک شخص اُن مشغلون سے بھی اپنی طبیعت کو محفوظ نہین کر سکتا جن مین نہ تو کوئی عیب ہو اور نہ کوئی گناہ۔ مختصر یہ کہ ان مین اُس کو اپنے نفس پہ جبر ضرور کرنا پڑتا ہے۔ یہ خیال بالکل غلط ہی نہین۔ بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ برائی کا راستہ اختیار کرنے مین کوئی روک ٹوک نہین ہے اور بہت آزادی ہے۔ بلکہ جناب آپ اس کے خلاف یہ پائیے گا کہ ایک بدکار آدمی بدترین مالکون کا غلام ہے یعنی اپنی شہوتون کا۔

بعض نوجوانون کا یہ خیال ہے کہ بدکاری مین ایک قسم کی مردانگی ہوا کرتی ہے۔ لیکن اگر وہ غور کرین تو اس بات کو دیکھین گے کہ ایک کمزور اور بزدل بیوقوف بھی بدکار ہو سکتا ہے۔ دراصل پارسا اور صالح ہونے کے واسطے مردانگی ضروری ہے اور اسی مین آزادی ہے۔ بدکاری حقیقۃً غلامی ہے۔ ایک خاص چال چلن کے طریقے کے نادرست ہونے کی یہ وجہ نہین ہے کہ اس مین تنزل اور بےعزتی ہے۔ بلکہ نادرست طریقہ تنزل اور ذلت کا باعث ہوتا ہے۔ اگر اخلاق مین کچھ ایسا غیرمعمولی

انقلاب واقع ہو جائے کہ اب جو باتین درست سمجھی جاتی ہین نادرست ٹھہرائی جادین تب بھی وہ طریقہ جو حقیقت مین نادرست ہو دلی آرام اور مسرتون کے واسطے مضر ہی ہو گا۔ مین اس بات کی تائید مین کسی علم الٰہی جاننے والے کے مقولہ کو نہین پیش کرون گا جو کہتے ہین کہ گناہ رنج کا باعث ہوتے ہین۔ اور اُن کا جدا ہونا غیر ممکن ہے۔ بلکہ مین اس بات کی تائید ایک دنیا دار آدمی کے کلام سے کرون گا **لارڈ چسٹر فیلڈ** نے ایک خط اپنے لڑکے کو تحریر کیا تھا جس مین بہت سی دانشمندانہ نصیحتین کی ہین۔ اُس خط کا آخری جملہ یہ ہے "پارسا اور صالح ہونے کے انعام ہمیشہ ایسے ہی ہوتے ہین اور اگر تم بڑے اور نیک آدمی ہونا چاہتے ہو تو ایسے ہی لوگون کے چال چلن کی تم کو نقل کرنی چاہیے۔ اور بس یہی ایک طریقہ خوشی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا ہے" **دی کارٹ**[1] نے اپنے قواعد کو زندگی کے عمل کے طریقے کے واسطے چار نصیحتون مین یون بیان کیا **اول** اُس ملک کے قانون سے اور اُس مذہب سے جس مین تربیت پائی ہو سرتابی نہ کرنا۔ **دوم** اُن موقعون پر جن مین کام کی ضرورت ہو فوراً اور اپنی سمجھ کی حد تک کام کرنا۔ اور جو کچھ نتیجہ ہو اس پر بغیر ناگواری ظاہر کیے راضی ہو جانا۔ **سوم** اپنی خواہشون کے محدود کرنے مین مسرت تلاش کرنا۔ نہ کہ اُن خواہشون کے پورے ہونے کی کوشش مین **چہارم** زندگی کا کام حق کی تلاش ہونا چاہیے۔

للی اپنی ایک مشہور کتاب مین یون صلاح دیتا ہے "چراغ مین بتی پڑتے ہی سو رہو اور جس وقت لارک[2] جاگتی ہے اُٹھ بیٹھو۔ خوش و خرم رہو۔ لیکن انکساری کے ساتھ سنجیدہ ہو مگر ترش رو نہ ہو۔ دلیر ہو مگر بالکل بے دھڑک اور بیباک نہ ہو جاؤ۔ سادہ پوشاک پہنو۔ صحت بخش غذا کھاؤ۔ لیکن بہت نہ کھاؤ۔ دل بہلاؤ۔ مگر دل کے بہلانے مین وہ باتین کرو جن مین کوئی ہرج اور ضرر نہ ہو۔ بے وجہ کسی کو بے اعتبار نہ سمجھو اور نہ ہر اک بات پر بلا ثبوت یقین کر لو۔ بغیر سمجھے بوجھے جلدی سے ہر ایک کی راے کا تتبع نہ کرو۔ اور نہ اپنی ہی راے پر ہٹ کرو۔ خدا کی اطاعت کرو۔ خدا سے ڈرو

---

[1] دی کارٹ۔ فرانس کا ایک نامی گرامی فلسفی گذرا ہے جو ۱۵۹۶ء مین پیدا ہوا تھا اور ۱۶۵۰ء مین دنیا سے رخصت ہوا۔

[2] لارک انگلستان کی ایک نغمہ سنج چڑیا ہے جو تڑکے سے اپنا ارغنون بجانا شروع کرتی ہے اور اُسے ارض مغرب مین قریب قریب ایشیائی بلبل کی وقعت حاصل ہے۔ اس کے ساتھ اُٹھنے کا مطلب یہ کہ تڑکے اٹھو۔

اور محبت کرو۔ اللہ تعالی اپنی برکتین تم پر نازل کرے گا جیسا کہ تمھارے دل اور تمھارے دوستون کی خواہش ہے"

نہ صرف خودغرض شریر اور بے خبر ہی اپنے فائدے کے واسطے اپنے تئین اور دوسرون کو مصیبت مین ڈال دیتے ہین بلکہ بہت سے قابل عزت لوگ اور بہت سی عمدہ کتابین جو کہ اچھے ارادے کے ساتھ لکھی گئی ہین۔ ان مین بھی اسی قسم کی غلطی پائی جاتی ہے۔ ان کا یہ خیال ہے کہ زمانہ جو گناہ مین گزرتا ہو زیادہ خوشی کے ساتھ کٹتا ہے اور نیکی کو جفاکشی اور مذہب کو نفس کشی تصور کیا ہو۔ اور اب بھی ہم کو روزمرہ ایسے قابل لوگ ملتے ہین جن کا یہ خیال ہو کہ مسرت بخش باتین نادرست ہین اور اصلی منشا مذہب کا ترشش تلخ اور پر غم ہو۔ اور یہ قدرتی بہار اور رونق جو کہ ہم لوگون کے گرد پائی جاتی ہے رحمت نہین ہو۔ بلکہ اس کو شیطان نے ہمارے بہکانے کے واسطے جمع کر رکھا ہے۔ اور یہ ہرگز اللہ تعالی نے جو کہ بھلائیون کا پیدا کرنیوالا ہے ہم لوگون کے آرام و آسائش کے واسطے نہین پیدا کی ہین کوپر[1] کے دو دلچسپ مصرعون کا یہ مضمون ہے "غم کا راستہ صرف یہی ایک ایسا راستہ ہے جو ایسی سرزمین کو گیا ہے جہان کہ کوئی شخص رنج و غم کے نام سے بھی واقف نہین ہے"

یہ سچ ہو کہ زندگی مین رنج و غم ضرور ہوتا ہے۔ اور نور بغیر سایے کے نہین ہوتا۔ قطع نظر ان رنجون کے جو ہمین اس تھوڑے سے زمانے زندگی مین اپنے پیارے عزیزون یا دوستون کے مرنے پر ہوتے ہین خود ہماری ہستی کی حالت کچھ ایسی پیچیدہ ہے۔ اور دنیا کا ابھی اس قدر بچپن ہے۔ اور ہم کو آج تک اچھی طرح یہ بھی نہین معلوم کہ ہماری ہستی کی ضروریات کیا ہین۔ مادے کے خواص اور اسکی ماہیت کیا ہے۔ اور قوت کی اصلیت کس طرح پر ہے۔ پس ایسی حالت مین کوئی تعجب نہین۔ اگر ہم کو رنج و تکلیف اٹھانا پڑے کوپر کہتا ہے کہ غم کا راستہ۔ اور صرف وہی راستہ ہے جو سیدھا بہشت کو چلا گیا ہو۔ جس سے یہ لازم آتا ہو کہ یہان

[1] کوپر ایک مشہور و مقبول شاعر گزرا ہو جو ۱۷۳۱ء مین پیدا ہوا تھا۔ اور ۱۸۰۰ء مین مرا۔

عیش و آرام کرنا آخرت مین مصیبت کا باعث ہوگا۔ اس غلط خیال نے بہت سے اندیشہ مند
لوگون کو تردد اور فکر مین ڈال دیا ہے۔ بہت سے تیز فہم نوجوانون نے خود ہی ملامتی
کی کوفت اُٹھائی اور اپنے آپ کو اذیت دی اور صرف اس وجہ سے کہ اُن کو مسرت کی
دولت حاصل تھی۔ اُن کو چاہیے تھا کہ ایسی نعمت کا شکر کرتے اور اس بات کو سمجھتے کہ اس
بے بہا موقع سے وہ اُن لوگون کے راستے کو منور کر سکتے تھے جن کے دلون مین خوشی
مسرت کا چشمہ بوجہ غم یا بیماری کے خشک ہوگیا ہے۔ **گو ممبر** در حقیقت **پیورٹین**[1] نہ تھا
تاہم کیا اُسکی نصیحتون مین اُن لوگون کے منشا کا رنگ نہین پایا جاتا ہے جن کی
بابت **مکالے**[2] نے یہ کہا ہے کہ وہ ریچھ کو اذیت پہونچانے پر اس وجہ سے اعتراض نہین
کرتے کہ ریچھ کو تکلیف ہوتی ہے بلکہ اس وجہ سے کہ تماشائیون کو اس سے خوشی حاصل
ہوتی ہے"

بہت لوگ ہستی کا راز دریافت کرنے کے لیے اپنے نفس کو بہت رنج اور تکلیف
دیتے ہین **سوڈی**[3] کا مقولہ ہے کہ "ایک نیک اور عقلمند آدمی کبھی دنیا پر غصہ کرتا ہے اور نہ
کبھی اُسکے واسطے رنج کرتا ہے۔ لیکن یہ یقین جانو کہ جو شخص اپنا فرض اس دنیا مین ادا
کرتا ہے وہ کبھی دنیا سے ناخوش نہین ہوتا" **ویٹر** کا قول ہے کہ "دنیا کا معمہ صرف اُسی
کی سمجھ مین آیا ہے جو خدا کو نیک جانتا ہے" **سنیکا** کہتا ہے "کوئی فرض ایسا ہی نہین
جس کے ادا کرنے مین ہم کو خوشی نہ حاصل ہو۔ اور کوئی رغبت ایسی نہین جس کا علاج
موجود نہ ہو" **ملٹن**[4] کہتا ہے "نیچر (قدرت) کو الزام نہ دو وہ اپنے حصہ کا کام کر چکی
ہے۔ اب تم اپنے حصہ کا کام انجام دو۔ اگر خالق کا منشا یہ نہ ہوتا کہ ہم نیچر سے لطف اُٹھاوین

---

[1] پیورٹین عیسائیون کا ایک فرقہ ہے۔ ان لوگون کا مذاق تصوف کا ہے۔ اور نفس کشی کے حامی ہین ملکہ الزبتھ
سے پیشتر انگلستان مین ان لوگون کا بڑا زور تھا۔ [2] مکالے جو لارڈ مکالے کے نام سے مشہور ہے انگلستان کا
بڑا زبردست جادو نگار مورخ اور انشا پرداز تھا ۱۸۳۴ء مین ہندوستان کی سپریم کونسل کا ممبر تھا۔
ہندوستانیون کو تعلیم دلانے پر گورنمنٹ کو اسی نے مجبور کیا۔ اور یہ موجودہ تعلیم اسی کی برکت ہے ۱۸۰۰ء
مین پیدا ہوا۔ اور ۱۸۵۹ء مین وفات پائی۔ [3] سوڈی انگلستان کا ایک نامی گرامی شاعر اور جادو نگار
ادیب تھا جو ۱۷۷۴ء مین پیدا ہوا۔ اور ۱۸۴۳ء مین مرا۔ [4] ملٹن انگلستان کے ابتدائی اٹھان کے
زمانے کا زبردست شاعر تھا ۱۶۰۸ء مین پیدا ہوا۔ اور ۱۶۷۴ء مین مرا۔

تو یہ یقین جانو کہ وہ نیچر کو کبھی ایسا نہ بنا تا کہ اس کی صورتین آنکھون کو خوشنما اور اُس کی آوازین کانون کو نغمہ معلوم ہوتین۔ اس کا اندازہ کرنا قریب قریب غیرممکن ہے کہ اپنی ذات کو درست اور آراستہ رکھنے سے انسان اپنے واسطے کس قدر خوشی اور دوسرون کے واسطے کس قدر چین مہیا کر سکتا ہے۔

اگر یہ زمانہ واقعی نہایت تعجب انگیز دلچسپ اور تربیت یافتہ ہے تو اصل مین یہ ہماری خوش قسمتی ہے نہ کہ ہمارے افعال کا نتیجہ۔ اور یہ ایسی بات ہے جس پہ شکر کرنا چاہیے نہ کہ ہم فخر کرین۔

جبکہ ہم شکرگزاری کرتے ہین اور زندگی کی برکتون سے لطف اُٹھاتے ہین ایسی حالت مین ہم کو یہ امید نہ کرنی چاہیے کہ ہم کو رنج وافکار نہ ہون گے **والپول**[151] نے زندگی کو یون بیان کیا ہے کہ "وہ ان لوگون کے واسطے مسرت آگین ہے جو فکر و غور کرتے ہین۔ اور اُن لوگون کے لیے باعث درد و غم ہے جن مین دلی جذبات بھرے ہوے ہین" درحقیقت زندگی اکثر دردناک ہوتی ہے اور بہت کم مسرت آگین۔ لیکن قاعدہ یہ ہے کہ ہم اسے جیسا بنانا چاہین ویسا ہی بنا سکتے ہین۔ **سقراط** کا قول ہے کہ "ایک نیک آدمی پہ نہ تو جیتے جی کوئی مصیبت آسکتی ہے اور نہ بعد مرگ" حقیقۃً جن لوگون نے کہ امیدین دلائین اکثر اُن کا ندا زیادہ سچا تھا بہ نسبت اُن لوگون کے جنھون نے مصیبتون کی پیشین گوئیان کین۔ اصل بات یون ہے کہ ہم لوگ خوشی کے برسون کو بے خبری سے گزار دیتے ہین۔ اور درد والم کے ہر ہر لمحہ کا شمار کیا کرتے ہین۔

ہم ہمیشہ یہ امید نہین کر سکتے کہ ہمین کامیابی ہی ہو گی کیونکہ نیچر کو بھی بعض اوقات ناکامیابی ہو جاتی ہے۔ بادشاہ **الفرڈ**[152] نے **بوئیتھس** کے ترجمے مین یون لکھا ہے کہ "اپنی دولت اور اقبال مندی پہ غرور کی راہ سے سر بلند نہ کرو۔ اور نہ مصیبت کے زمانے مین بھلائی سے مایوس ہو جاؤ"

---

[151] والپول ہوریس ایک معزز اور نامی اور انگلش مصنف تھا ۱۷۱۷ء مین پیدا ہوا۔ اور ۱۷۹۷ء مین مرا۔

[152] الفرڈ انگلستان کا ایک حکمران تھا جس نے روم مین جا کے علم حاصل کیا۔ اور بہت سی لاطینی کتابین ترجمہ کین ۸۴۹ء مین پیدا ہوا۔ اور ۹۰۱ء مین مرا۔

انجیل کے ایک مشہور فقرے کا ترجمہ یون ہے "وہ پھاٹک کشادہ اور وہ راستہ چوڑا ہے جو ہلاکت کی طرف لیے جاتا ہے۔ اور وہ لوگ کثرت سے ہین جو اس پھاٹک کی طرف جاتے ہین۔ کیونکہ وہ پھاٹک دشوار اور وہ راستہ تنگ ہے جو زندگی کی طرف گیا ہے۔ اور بہت کم ایسے لوگ ہین جو اس کو پاتے ہین۔"

مین خیال کرتا ہون کہ لوگ اس کے معنی غلط سمجھے۔ اس کے معنی یہ نہین کہ راستہ صاف نہین ہے اور اس مین زیادہ تکالیف ہین۔ بلکہ اسکے معنی صرف یہ ہین کہ وہ راستہ تنگ ہے اور جلدی نہین مل جاتا۔ اس مین کوئی شک نہین کہ سیدھا راستہ صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ گو کہ اس راستہ کے ساتھ ہی ساتھ ہر جانب پگڈنڈیان پھیلی ہوئی ہون جہاز کا راستہ سمندر مین صرف ایک ہی ہوتا ہے۔ اور قطب نما مین جو اور بھی بہت سے نقطے بنے ہوتے ہین۔ اُن پر عمل کرنے سے جہاز کبھی کنارۂ مقصود کو نہ پہونچے گا۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہین نکلتا ہے کہ اس راستے مین سختیان اور طوفان دوسرے راستون سے زائد ہین۔

دراصل کوئی اس بات سے انکار نہین کرسکتا کہ وہ باتین جو نادرست ہین اکثر خوشی اور بعض اوقات ایک لمحہ بھر کے لیے مسرت بھی دیدیتی ہین۔ اس سے انکار کرنا فضول ہے۔ کیونکہ اس بات کے انکار سے رغبتون کی ہستی پر اعتراض لازم آتا ہے۔ جو بات مین ظاہر کرنا چاہتا ہون وہ یہ ہے کہ ان رغبتون کی اطاعت سے ہم کو ایک لمحہ کی خوشی کے واسطے آیندہ غم اٹھانا پڑتا ہے۔ اور قلیل نفع کے بدلے مین نقصان کثیر برداشت کرنا ہوتا۔ واقعی یہ کہنا بے موقع نہ ہوگا (اور مین صرف اس دنیا کی زندگی کی بابت کہتا ہون) کہ اگر ہم خوشی کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہین تو ہم کو نیک ہونے کی کوشش کرنی چاہیے خودکامی سے زیادہ خود فراموشی مین مسرت حاصل ہوتی ہے۔

اقبالمندی اور فلاح کے ساتھ مسرت ہمیشہ نہین پائی جاتی ہے اور بہت سے لوگ جن کے پاس بہ ظاہر ہر طرح کا سامان مسرت موجود ہے مصیبت اور تکلیف مین مبتلا ہین۔ **بوائل**[1] کا قول ہے کہ "قسمت بہت کچھ دے سکتی ہے۔ لیکن یہ انسان کے دل ہی کا کام ہے کہ اُس کو بہت کافی سمجھے" **ڈائر**[2] کے ایک

[1] بوائل آئرلینڈ کا ایک نشاپرداز اور فلسفی تھا ۱۶۲۶ء مین پیدا ہوا۔ اور ۱۶۹۱ء مین لندن مین مرا۔
[2] ڈائر نام کے تین مشہور شخص ہوے ہین مگر یہان جارج ڈائر سے مراد ہے جو بڑا شاعر محقق اور آثار قدیمہ کا مجسس تھا ۱۷۵۵ء مین پیدا ہوا۔ اور ۱۸۴۱ء مین دنیا سے رخصت ہوا۔

شعر کا مضمون ہے کہ "مین اپنے دل مین ایسی عمدہ مسرتین پاتا ہون کہ وہ میرے لیے ایک سلطنت ہے"

واڈنیارگز [۵۱] کہتا ہے "یہ بات ہر ایک کے اختیار مین نہین ہے کہ دولت۔ عہدہ اور عزت حاصل کرے لیکن نیک فیاض اور عقلمند ہر شخص ہو سکتا ہے" "جو چیزین ہمارے قبضہ مین ہین وہ اصلی دولت نہین ہین۔ بلکہ جو کچھ ہین ہم خود ہین۔ جس قدر فوقیت ہوتی ہے اسی قدر ذمہ داری بھی بڑھتی ہے۔

سینٹ کری سوسٹم [۵۲] کا قول ہے کہ موجودہ حالت ایک تھیئٹر ہے۔ اور انسان کا کاروبار ایک تماشا ہے۔ دولت و نکبت۔ حاکمی۔ و محکومی۔ اور ایسی ہی دیگر حالتین تماشے کی نقلین ہین۔ جبکہ دن (یعنی زمانہ) ختم ہو جاوے گا تب یہ تھیئٹر بھی بند ہو جاوے گا۔ اور ایکٹر لوگون کے منھون پر جو چہرے لگے ہوے ہین۔ اتر جاوین گے۔ اس وقت ہر ایک آدمی کی اور اُس کے اعمال کی جانچ ہوگی۔ اسوقت اُسکی دولت۔ عہدہ۔ عزت۔ اور حکومت نہ پوچھی جائیگی بلکہ ہر شخص کی ذات اور اسکے اعمال پوچھے جاوین گے۔ لہذا ہم کو یہ امید کرنی چاہیے کہ ہمارے اعمال پورے اترین"

وہ جانچ کیا ہوگی؟ یہ نہ دیکھا جائے گا کہ ہم نے کس قدر کام کیا ہے۔ بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ ہم اپنی کوششون سے کامیابی کے مستحق تھے یا نہین **دوٹن** [۵۳] کہتا ہے کہ "کیا ہی خوش قسمت وہ شخص پیدا ہوا ہے اور کیسی اچھی اُس شخص نے تربیت پائی ہے جو دوسرون کی مرضی کا غلام نہین ہے جس کا زرہ بکتر اس کا ایماندارانہ خیال ہے۔ اور محض سچائی جس کا علم و ہنر ہے"

حقیقۃً عقلمندانہ اور ایماندارانہ زندگی مسرت آگین زندگی ہے۔ اور گناہ اصل مین جفاکشی ہے۔ حضرت سلیمان کی یہ نصیحت ہے کہ "اے میرے بیٹے تو میرے قانون کو فراموش نہ کر میرے حکمون کو اپنے دل مین جگہ دے۔ کیونکہ اُن سے تجھ کو درازی ایام۔ بڑی زندگی اور اطمینان خاطر بھی حاصل ہوگا۔"

---

[۵۱] واڈنیارگز افسوس کہ اس مشہور حکیم کے حالات سے ہم مطلع نہین ہو سکے۔ (ترجمہ)

[۵۲] سینٹ کری سوسٹم بہت قدیم زمانے کا ایک مسیحی مقتدائے دین اور جادو بیان تھا۔ جو قسطنطنیہ کا اسقف مقرر ہو گیا تھا سنہ ۳۴۴ء اور سنہ ۳۵۴ء کے درمیان الطالیہ مین پیدا ہوا تھا۔ اور سنہ ۴۰۷ء مین ایشیا کی خاک مین دفن ہوا۔

[۵۳] دوٹن انگلستان کا ایک مصنف اور مدبر سلطنت تھا جو سنہ ۱۵۶۸ء مین پیدا ہوا۔ اور سنہ ۱۶۳۹ء مین مرا۔

قاضی ابو یوسفؒ

از مولانا شررؔ مرحوم

قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم - یہ ایک ایسا نام ہے کہ اسلام نے اس نام کے مثل شاید دو ہی چار اور ناموں کی عزت کی ہوگی۔ دین پیغمبر عرب صلواۃ اللہ علیہ و علی آلہ کو اس پایہ کے بہت کم لوگ ملے۔ امام ممدوح کے عہد سے آج تک دنیائے اسلام اُن کے نام کو واجب التعظیم مان رہی ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ کے شاگرد رشید اور اپنے عہد کے مرجع انام تھے۔ امام ابو حنیفہ کو جیسے شاگرد امام ابو یوسفؒ ملے ہیں ویسا نامور اور استاد کے نام کو روشن کر دینے والا شاگرد شاید دُنیا میں کسی استاد کو نہ نصیب ہوا ہوگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امام ابو حنیفہ کے معاصر محدثین اور فقہائے اسلام نے اُنھیں اہل الرائے کا لقب دیکے مقبولیت کے درجے سے گرانا چاہا تھا۔ اور بے شک گرا دیا ہوتا اگر امام اعظم ممدوح کو امام ابو یوسف کا ایسا گران پایہ شاگرد نہ مل جاتا۔ امام ابو یوسف ہی کی ذہانت و ذکاوت قوت اجتہادی اور زمانہ شناسی کا نتیجہ تھا کہ جمہور فقہائے اسلام جو امام اعظم کے حریف مقابل تھے اُنھوں نے سب کی قوت توڑ کے مقبولیت عامہ کا تاج زبردستی چھینا اور اپنے مقدس استاد کے مبارک سر پر رکھ دیا۔

اس نام نے دنیائے اسلام کے بہت بڑے اور سب سے غالب فریق کے ہر سینہ میں اپنی پاک محبت پیدا کر لی ہے۔ اور کون ہے جو اس واجب التعظیم نام کو نہیں جانتا۔ مگر اس کے جاننے والے بہت کم ہیں کہ وہ مقتدائے اسلام جس نے امام اعظم کے دامن تربیت

مین نشو و نما پا کے "انا و لا غیری" کا جھنڈا بلند کیا۔ اصل مین کون تھا۔ اور کیونکر اس مرتبۂ عالی کو پہونچ گیا۔ امام ابو یوسف کے حالات ابتدائی سُن کے زمانے بھر کو حیرت ہو گی۔ اور شاید بہت سے نرم طبیعت والون کے دل بھر آئین گے۔

۱۱۳ھ مین امام ابو یوسف پیدا ہوے۔ جن لوگون کی تقدیر کوئی نیا رنگ دکھانیوالی ہوتی ہے اکثر زمانہ اُن کے ساتھ دشمنی کرتا ہے۔ چنانچہ ہنوز بچہ ہی تھے کہ قسمت نے باپ کے دامن شفقت کو سر پر سے اُٹھا لیا۔ یہ بھی ایک ایسی برکت تھی کہ قدرتی ہی طور پر حضرت خاتم النبین صلعم کی اقتدا نصیب ہو گئی۔ غریب مان جس کو زمانے نے بیوہ بنا دیا تھا جب بالکل بے مونس و بے غمگسار ہو گئی تو اُس نے اپنی اور اپنے ہونہار بچہ کی جان پالنے کے لیے چرخہ کاتنا شروع کیا۔ مگر کب تک؟ لڑکے نے ابھی پورے طور سے ہوش سنبھالنے ہون گے کہ اُس دُکھیا نے مصائب دنیا دی سے تنگ آکر اپنے اُس بچہ کو جو دُنیا کا بہت بڑا امام ہونے والا تھا ایک دھوبی کے سپرد کیا اور کہا اُس بچہ کو مین تمھارے سپرد کرتی ہون۔ اسے کپڑے دھونا سکھا دو۔ اور اس کا خیال رکھنا کہ یہ بے باپ کا بچہ ہے"۔ اُس روز سے امام ممدوح دھوبی کے ساتھ گھاٹ پر جانے لگے گر وہان دل نہین لگتا تھا۔ آخر ایک روز کچھ ایسی اُلجھن ہوئی کہ دھوبی کو چھوڑ کے امام اعظم کے درس گاہ مین آئے۔ امام اعظم کے پند و نصائح نے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہی پہلی تاریخ امام ابو یوسف کی تعلیم کی ہو گئی۔ شام کو گھر پر آئے۔ خدا خدا کر کے صبح کی۔ اور صبح ہوتے ہی پھر وہین امام اعظم کی مجلس درس مین جا کے حاضر ہوے۔ امام اعظم نے بھی شفقت کی نگاہ سے دیکھا۔ اور ان کے شوق نے اُنھین ان کی طرف بہ حیثیت ایک شفیق استاد کے متوجہ کر دیا۔ امام ابو یوسف اپنے اُس زمانے کے حالات خود ہی تحریر فرماتے ہین۔ وہ کہتے ہین "مین گھر سے نکل کے روز بلا ناغہ امام ابو حنیفہ کی خدمت مین حاضر ہوتا تھا۔ دھوبی نے یہ غفلت دیکھ کے میری مان سے شکایت کی اُس نے مجھے بہت برا بھلا کہا۔ آخر یہ معمول ہو گیا کہ مین اودھر امام اعظم کے درس گاہ مین حاضر ہوا اُدھر میری مان وہان پہونچی اور سخت و سست کہہ کے مجھے وہان سے اُٹھا لائی۔ مین مجبور اور بے بس ہو کے امام صاحب کی صحبت چھوڑ کے دھوبی کے پاس جاتا تھا۔ ایک روز عجب اتفاق ہوا۔

مین امام ابو حنیفہ کی خدمت مین حاضر ہوا۔ وہ مجھے درس دے رہے تھے کہ میری
ماں آگئی۔ مین اُسکے خوف سے سہم کے امام صاحب کی صورت دیکھنے لگا۔ میری ماں مجھ سے
اس قدر تنگ آگئی تھی کہ خود امام صاحب کیطرف متوجہ ہو کے کہنے لگی "آپ نے میرے
لڑکے کو اس سے روک کے کہ دو پیسے کمائے پڑھنے لکھنے کا شوق دلا دیا۔ چرخا کات
کات کے مین اپنی اور اس کی جان پالتی ہون۔ اور آپ کو اس کے فکر نہین ہوتی کہ مین
کس مصیبت مین مبتلا ہون" امام اعظم نے یہ سن کے کہا "اے عورت جا اپنا کام کر تیرے
لڑکے کے اطوار سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ خوش نصیب ہو گا۔ سن ظاہر مین تو یہ میرے
سامنے بیٹھا درس لے رہا ہے۔ مگر اصل مین یہ روغن پستہ کے ساتھ فالودہ ملا ملا کے
کھا رہا ہی" یہ سن کے میری ماں کو اس قدر غصہ آیا کہ امام عالی شان کی خدمت مین
گستاخی اور دریدہ دہنی کرنے لگی۔ اُس نے جھنجھلا کے کہا "معلوم ہوتا ہی تم مین لغویت
آگئی ہے اور تمھاری عقل جاتی رہی ہی" اتنا کہا اور پیٹھ پھیر کے چلی گئی۔ مگر مین نے کچھ خیال
نہ کیا۔ اس لعنت و ملامت پر بھی مین امام اعظم کے درس گاہ مین حاضر ہوتا رہا چونکہ
اب ماں مزاحمت نہین کرتی تھی لہذا مین التزام سے شریک درس ہونے لگا۔ اور مجھے
امام صاحب کے افادات کا اس قدر شوق تھا کہ جو لفظ ان کی زبان سے نکلتا اسے
شوق سے سنتا تھا اور یاد کر لیتا تھا۔

امام ابو یوسفؒ کے مثل شاید ایام طالب علمی مین اور کسی شخص نے تکلیفین نہ
اٹھائی ہون گی۔ اکثر دو دو روز فاقہ ہی مین گزر جاتے تھے اور کوئی چیز کھانے کو نہ
نصیب ہوتی تھی۔ فرماتے ہین جزئیہ مخارج خانگی کا اجرا نہ پا نا درکنار افلاس مجھ پر
اس قدر طاری تھا کہ دو پیسہ کا کاغذ بھی نہ جڑتا تھا۔ جس پر استاد کے املا (لکچر) کو لکھ
لیتا۔ بڑی محنت اور جفاکشی سے مین نے بکریون کے شانہ کی چپٹی چپٹی ہڈیان فراہم
کی تھین جو کچھ لکھنا ہوتا تھا اُنھین ہڈیون پر لکھ لکھ کے رکھ لیا کرتا تھا۔ اسی افلاس و فلاکت
نے مجھے لڑکے سے جوان کر دیا۔ میری شادی بھی ہو چکی تھی۔ گر قسمت کی جانب سے گویا
یہ ایک اور بہت بڑی دشمنی تھی۔ اس لیے کہ اپنی ہی زندگی خدا جانے کس طرح بسر ہوتی
تھی اب جورو کا ایک اور بار سر پہ آپڑا تھا۔ مگر شوق علم سے امام اعظم علیہ الرحمۃ کا دامن کسی
طرح نہ چھوڑنے دیا۔ نتیجہ یہ تھا کہ مین بھی فاقہ کرتا تھا اور میرے ساتھ وہ پاک دامن بھی فاقہ

کرتی تھی۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ امام صاحب کی صحبت بابرکت سے مین گھر مین آیا تو شدت گرسنگی سے یہ عالم تھا کہ عقل و ہوش رخصت ہوے جاتے تھے۔ جلدی سے مین اپنے گھر مین داخل ہوا اور دوڑ کے بیوی سے کہا۔ "اس وقت مین بھوک کے مارے نہایت بیتاب ہون۔ اگر کچھ کھانے کو ہو تو لے آؤ۔" وہ نیک بخت بھی خدا جانے کب سے بھوکی بیٹھی تھی۔ میری زبان سے یہ کلمہ سنتے ہی اُسکے تن بدن مین آگ لگ گئی۔ جھلا کے کوٹھری مین دوڑی گئی اور وہ سب ہڈیان جن پر مین نے استاد کا درس لکھا تھا دسترخوان مین باندھ کے میرے سامنے لاکے رکھدین۔ اور کہا تمھارے ہاتھون گھر مین جو کچھ گرہستی جمع ہوئی وہ تو یہی ہے۔ اور تم سے کاہل اور نکھٹو کی یہی سزا ہے کہ یہ ہڈیان سامنے لاکے ڈالدی جائین۔" اُس کی اس طعن آمیز تقریر نے مجھ پر ایسا اثر کیا کہ مین نے نہایت ہی بے بسی اور مجبوری کے ساتھ علم سے ہاتھ اُٹھایا اور در پے معاش ہوا۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نے جب کئی روز تک مجھے نہ دیکھا تو شاگردون سے میرا حال دریافت کیا۔ انھون نے یہ داستان بیان کردی۔ یہ سن کے اُنھین مجھ پر ترس آگیا۔ اور مجھے بلا بھیجا۔ اور میرا کچھ وظیفہ مقرر کر دیا۔ یہ پہلی تاریخ ہے جس روز سے امام ابو یوسف کو اطمینان اور فراغت کے ساتھ علم کیطرف متوجہ ہونے کا موقع ملا۔

دمیری شافعی نے لکھا ہے کہ ابو یوسف امام ابوحنیفہ کے حلقۂ درس مین معمولاً اور بالالتزام شریک ہوا کرتے تھے۔ مگر اتفاقاً آتے آتے ایک مرتبہ ان کا آنا موقوف ہوگیا۔ امام ابوحنیفہ اور نیز طلبہ نے بہت جستجو کی مگر کچھ پتا نہ لگا کہ کہان غائب ہوگئے۔ اور کیون چلے گئے چند روز کے بعد وہ خود ہی آبھی گئے۔ امام صاحب نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ہونہار شاگرد کے دل مین کتب تواریخ متعلقہ مغازی کے پڑھنے کا شوق پیدا ہوا تھا۔ اور اسی جستجو مین کوفہ چھوڑ کے دیگر بلاد اسلامیہ مین چلے گئے تھے۔ الغرض یہ امر ہر طرح سے ثابت ہے کہ امام ابو یوسف کو ایام طالبعلمی مین علم کا ایسا شوق تھا کہ اپنی راحت و آرام کا کبھی خیال بھی نہ کیا۔ آخر مین علم حدیث کا شوق ہوا۔ اور اس عہد کے مشاہیر علما و محدثین کی خدمت مین حاضر ہوکے احادیث و آثار کے تتبع مین پوری سرگرمی دکھائی۔ ابو اسحق شیبانی سلیمان تیمی۔ یحیی بن سعید انصاری۔ اعمش۔ ہشام بن عروہ۔ عطار بن سائب۔ اور محمد بن اسحق بن بسیار یہ اُس زمانے کے مشہور ائمہ ہین اور وہ لوگ ہین جن کی شاگردی کا فخر امام

ابو یوسف نے حاصل کیا بعض مورخین کا بیان ہے کہ امام ابو یوسف ہر صحبت درس مین بالکل اسی ذوق و محویت کے ساتھ جاتے تھے جس طرح کسی کا لڑکا گم ہو گیا ہو اور وہ اُسکی جستجو مین ہر جگہ مارا مارا پھرے۔

اسی ذوق علم نے آخر اُنھین کامیاب کرا کے مسند اقتدار پر بٹھا دیا۔ امام ابو حنیفہؒ نے انتقال فرمایا۔ اور ایک صاحب فتویٰ عالم کی حیثیت سے امام ابو یوسف کوفہ اور بغداد مین زندگی بسر کرنے لگے اس زمانے مین بھی امام ابو یوسف پر ہمیشہ افلاس اور تنگدستی کا عالم رہا کرتا تھا علم کا نتیجہ اگر دنیاوی ثروت ہے تو اس سے ہنوز امام ممدوح بالکل بہرہ یاب نہین ہو سکے تھے۔ مگر قسمت نے ان کے لیے ناموری۔ شہرت۔ دولت۔ اور حکومت کے بہت کچھ سامان فراہم کر رکھے تھے۔ جن تک ابھی ان کا ہاتھ نہین پہونچا تھا۔ اس مرجعیت اور صاحب فتویٰ ہونے کے زمانے مین بھی صرف بے زری کی وجہ سے یہ حال تھا کہ اُن کے پڑوس مین ایک یہودی رہتا تھا اس نے ارادہ کیا کہ اپنے دروازے پر ایک عمارت اپنی حد سے زیادہ زمین لے کے بنوائے جس کی وجہ سے راستہ تنگ ہوا جاتا تھا۔ اور خود امام ممدوح اور نیز تمام دیگر اہل محلہ کو ضرر پہونچنے کا اندیشہ تھا۔ امام ابو یوسف اس یہودی کے پاس گئے اور کہا "آپ کی اس عمارت سے راستہ تنگ ہوا جاتا ہے اور تمام اہل محلہ حیران ہین" اس یہودی نے ان کے علم و فضل کا ذرا بھی پاس نہ کیا اور جواب مین بہت کچھ لعن و طعن کے بعد کہنے لگا "ابھی آپ رہنے دین جب لوگ آپ کو فنس مین بٹھا کے بڑی شان و شوکت سے ہٹو بچو کرتے ہوے لائین گے تو مین اس عمارت کو کھدوا ڈالون گا اور آپ کے لیے راستہ کھل جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ اس نے ان کا کچھ بھی پاس و لحاظ نہ کیا اور عمارت بنوالی۔ خدا کی قدرت! اس کے چند ہی روز بعد خدا نے اُنھین اس مرتبہ پر پہونچایا کہ بغداد کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) اور تمام دنیاے اسلام کی سپریم کورٹ کے میر مجلس مقرر ہو گئے۔

امام ابو یوسف جس ذریعہ سے رشید کے دربار مین پہونچے اس مین کسی قدر اختلاف ہے مگر غالباً صحیح یہ ہے کہ ہارون رشید زبیدہ خاتون کی کسی پر جمال اور نازآفرین لونڈی کو دیکھ کے یکایک ایسا دالہ و شیدا ملکہ از خود رفتہ ہو گیا کہ کھینچ کے اُسے گود مین بٹھا لیا۔ اور اختلاط کرنے لگا۔ مگر عین اس وفور شوق کے عالم مین خیال آیا کہ یہ لونڈی تو زبیدہ کی ہے۔ مجھ پر کیونکر جائز ہو سکتی ہے۔ دل مین اس بات کا آنا تھا کہ رشید نے اُس لونڈی کو چھوڑ دیا پر فتنہ فتنہ

یہ خبر خود زبیدہ کے کان تک پہونچی۔ اسکو رشید کی یہ حرکت نہایت ناگوار گزری۔ خود خلیفہ کے پاس آئی اور غصہ مین خدا جانے کیا کچھ کہہ ڈالا۔ منجملہ اور کلمات کے زبیدہ کی زبان سے ایک یہ کلمہ بھی نکلا تھا: "اے دوزخی میرے سامنے سے چلا جا۔ مارے غصہ کے میرے تن بدن مین آگ لگی جاتی ہی" اس پر ہارون نے طیش کھا کے کہا "جب مین دوزخی ہون اور تمھارا چہرہ بہشتی ہی تو مجھ سے تم سے کیا تعلق۔ جاؤ تم پر طلاق ہے" کہنے کو تو جوش کے عالم مین دونون کہہ گئے۔ بعد جب غصہ فرو ہوا تو دونون پریشان ہوے کہ اب کیا کیا جاے۔ یہ طلاق کی تو بہت بُری ہوئی۔ رشید نے تمام علماے بغداد کو جمع کرکے اس مسئلہ کو پوچھا۔ سبھون نے غور کیا مگر کوئی ایسی صورت نہ بتا سکا کہ باہمی تعلق قائم رہ سکے۔ آخر رشید نے اہل دربار سے پوچھا کہ "امام ابو حنیفہ کے شاگردون مین سے کوئی شخص نہین ہی؟" لوگون نے عرض کیا "ہان ابو یوسف نام ایک عالم ہین مگر اُن کی زندگی نہایت فقر و فاقہ کے ساتھ بسر ہوتی ہی" رشید نے کہا "مجھے ان کے علم و فضل سے غرض ہی امیری و غریبی سے کیا مطلب۔ فوراً اُن کو دربار مین لے آؤ" لوگ گیے اور امام ابو یوسف کو محل سلطانی مین حاضر کیا یہ پہلا روز تھا کہ اُس امام عالیشان کی شاہی دربار مین رسائی ہوئی۔ اس وقت محل مین تمام عمائد اور علما و فضلاے بغداد جمع تھے۔ جن علما نے صدر کی جگہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اُنھون نے ابو یوسف کی تعظیم و تکریم بھی نہ کی۔ اور اُن کی غربت نے یہ اثر کیا کہ کسی نے ان سے اتنا بھی نہ کہا کہ "یہان آ کے بیٹھیے"۔ بیچارے خلیفہ کو با دب سلام کرکے اُسی مقام پر بیٹھ گئے جہان جوتے اتارے جاتے تھے۔ اب رشید ان کی طرف متوجہ ہوا اور صورت مسئلہ بیان کرکے پوچھنے لگا کہ "آپ کے نزدیک اس مصیبت سے نجات پانے کی کوئی صورت نکل سکتی ہی؟" امام ابو یوسف نے کہا "ہان میرے خیال مین اس مسئلہ کا کافی اور شافی جواب ہی۔ مگر جس ذلت کے مقام پر بیٹھا ہون یہان بیٹھ کے اسکو نہ عرض کرون گا۔ اگرچہ جانتا ہون کہ یہان بیٹھنے سے میری لیاقت مین کچھ کمی نہین ہوگی۔ اور علی ہذا القیاس صدر مقام پر بیٹھنے سے کچھ لیاقت زیادہ نہ ہو جائے گی۔ اور اس کا بھی مجھے کچھ ملال نہین کہ جو لوگ جس جگہ کے مستحق نہ تھے وہ وہان بیٹھے ہین۔ مگر علم خدا کی نعمت ہی اُسکی قدر و منزلت کرنا میرا فرض ہی" یہ سُن کے ہارون رشید نے اُن کو نہایت تعظیم و تکریم سے صدر مقام مین بٹھلایا۔ اور جواب طلب کیا۔ تمام علماے دربار حیرت و استعجاب سے اس کارروا

کو دیکھ رہے تھے۔ امام ابو یوسف نے صدر مقام پر بیٹھنے کے بعد بے ادبون کی تنبیہ و تہدید کے لیے اور بھی بہت سے جملے کہے۔ اور خلیفہ سے کہا "ہان اب آپ صورت مسئلہ بیان کیجیے" رشید نے دوبارہ بیان کیا تو امام ابو یوسف نے رشید سے پوچھا "امیر المومنین۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہو کہ جب آپ نے کسی گناہ کے ارتکاب کا قصد کیا اُسوقت آپ کے دل مین خوف خدا اور ندامت تھی؟" رشید نے کہا "بیشک۔ بلکہ یہ واقعہ مختلف فیہ بھی اس امر کی شہادت دے رہا ہو۔ اگر مجھے خدا کا خوف نہ ہوتا تو مین زبیدہ کی لونڈی سے کیون دست بردار ہو جاتا؟" یہ سن کے امام ممدوح نے کہا "تو مجھے یقین آگیا کہ آپ جنتی ہین۔ لہذا طلاق بھی نہین ہوئی۔ کیونکہ طلاق آپ کے جہنمی ہونے کے ساتھ مشروط ہے" دیگر علماے حاضرین نے مخالفت کی اور کہا "واہ! یہ کہان سے ثابت ہو؟ اور آپ کو کیونکر یقین ہو گیا کہ امیر المومنین حکماً جنتی ہین؟" امام ابو یوسف نے کہا "خلیفہ کے جنتی ہونے کا ثبوت خود قرآن مجید مین موجود ہو۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى" یعنی جس نے خدا کے خوف سے اپنے نفس کو خواہش شیطانی سے باز رکھا جنت اُس کا عشرت کدہ ہو گی۔ سب لوگ حیرت مین رہ گئے۔ اور ہارون رشید کو یہ فتویٰ ایسا پسند آیا کہ اُس نے امام صاحب کو دولت سے مالا مال کر دیا۔ اور قاضی القضاۃ بغداد کے عہدے پر مامور کر کے خلعت قضا مرحمت کیا۔ خدام دربار نے واپسی کے وقت امام ابو یوسف کو لباس فاخرہ پہنایا۔ اور ایک عمدہ فنس مین بٹھا کے (جو اس عہد مین علماے مستند کی سواری تھی) رخصت کیا۔ امام ابو یوسف جب اُس یہودی کے مکان پر پہونچے۔ حسب وعدہ اُس یہودی سے اسکی عمارت کھدوائی تو فنس اُن کے دروازے پر آئی۔

علامہ ابن خلکان نے امام ابو یوسف کے شرف حضوری دربار سے ممتاز ہونے کی دوسری وجہ بیان کی ہے۔ ان کا بیان ہو کہ دار الخلافت بغداد کے کسی سردار نے ایک بار کسی امر سے باز رہنے کی قسم کھائی۔ اور اسکے بعد اُس سے اتفاقاً کوئی ایسا فعل سرزد ہوا کہ اپنی قسم کے ٹوٹ جانے کا شک ہو گیا۔ وہ مسئلہ پوچھنے کے لیے کسی فقیہ کو ڈھونڈھتا پھرتا تھا لوگ اُسے امام ابو یوسف کے پاس لے آئے۔ اُنھون نے تمام حالات اور نوعیت مسئلہ سے مطلع ہو کر فرمایا اس سے تیری قسم نہین ٹوٹی۔ اس لیے کہ شک سے احکام شرع پر کوئی اثر نہین ہوتا۔ ان کی زبان سے اپنی تمنا کے موافق یہ فتوی سُن کر وہ ایسا

خوش ہوا کہ بہت سا روپیہ اور اسباب و دولت ان کی نذر کیا۔ اور ایک عمدہ اور شاندار مکان بھی خرید کر کے امام صاحب ممدوح کے سپرد کیا۔ اب امام ابو یوسف کی زندگی ذرا اطمینان سے بسر ہونے لگی۔ چند روز بعد اتفاقاً وہ سردار فوج ہرون رشید کے پاس گیا۔ رشید اس وقت مغموم تھا۔ سردار نے سبب تفکر پوچھا تو کہنے لگا کہ ایک شرعی امر کی وجہ سے مین نہایت حیران ہون۔ کسی فقیہ اور مفتی کو لے آؤ تا کہ اُس سے دریافت کرون کہ کیا کیا جائے۔ اُس سردار نے امام ابو یوسف کو بلوا کے دربار مین پیش کیا۔ رسم مسنونہ سلام کے بعد رشید نے امام ممدوح سے نام پوچھا۔ اُنھون نے بتایا کہ میرا نام یعقوب ہے رشید نے پوچھا ”اگر امام وقت کسی شخص کو خود زنا کی حالت مین مبتلا دیکھے تو کیا صرف رویت ہی کی وجہ سے امام پر فرض ہے کہ اس پر حد شرع جاری کرے؟“ امام صاحب نے کہا ”نہین“ یہ سُن کے رشید نے سجدہ کیا۔ اور سجدہ سے سر اُٹھا کے دریافت کیا ”سبب؟ آپ نے کس اصول پر یہ فتویٰ دیا؟“ امام صاحب نے کہا ”خود حضرت رسالت پناہ صلعم کے قول سے۔ آپ نے فرمایا ہے۔ اُدرؤا الحدود بالشبہات“ یعنی شبہہ و شک سے حدود شرعیہ کو ساقط کر دو“ رشید نے کہا ”یہان کون سا شک ہے؟ امام نے خود دیکھا اس کو تو یقین ہے“ امام نے جواب دیا ”ہم نے تسلیم کیا کہ امام نے خود دیکھ لیا۔ مگر اس رویت سے اُس کو صرف ذاتی علم حاصل ہو جائے گا۔ اور حدود الٰہی امام کے ذاتی علم پر نہین منحصر ہین۔ بلکہ اُن کے لیے حسب اصول شرعی شہادت چاہیے“ یہ جواب کافی سُن کے رشید نے پھر سجدہ کیا۔ اور اس کے بعد بہت کچھ مال و اسباب دے کے اس نے امام ابو یوسف کو امیر اور دولتمند بنا دیا۔

امام ابو یوسف کو دنیا نے اتنے دنون تک اپنی نعمتون کا مشتاق رکھ کے کامیاب کیا تھا کہ وہ بہت جلد دنیا کی دلچسپیون کے فریفتہ اور گرویدہ ہو گئے۔ اور سچ پوچھیے تو اُن کی لائف پر یہی ایک دھبہ ہے جس کو اعتقاد چاہے کسی کے خیال مین نہ آنے دے۔ مگر اصل یہ ہے کہ رشید کی درباداری اور دولت عباسیہ کے انعام و اکرام نے دل مین دولت کی طمع پیدا کر کے اُن کے قدم کو لغزش دے دی تھی۔ اگر کوئی کتب تواریخ مین ڈھونڈھے تو بہت سے ایسے واقعات ملین گے جن سے صاف ثابت ہو جائے گا کہ امام ابو یوسف بحیثیت

ایک فقیہ۔ ایک عالم۔ ایک مفتی اور ایک عدالت عالیہ کے جج ہونے کے تو بہت بڑے بلکہ اول درجے کے شخص ہین۔ مگر بہ حیثیت ایک عابد زاہد متورع اور پرہیزگار یا بے نفس شخص کے انکا مرتبہ بہت نیچے ہی۔

جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفا مین لکھا ہی کہ رشید کی نظر اپنے باپ مہدی کے حرم کی لونڈیون مین سے کسی پر پڑ گئی۔ اور وہ اس قدر صاحب حسن و جمال اور پریوش و حور تمثال تھی کہ ایک ہی نظر مین رشید اس کی نگاہ ناز کا شہید ہو گیا۔ رات آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی۔ اور جوش عشق زیادہ انتظار کی کسی طرح مہلت نہین دیتا تھا۔ رشید نے اسی وقت امام ممدوح کو بلوایا امام صاحب سوتے سے اٹھائے گئے۔ اور درباری لباس سے آراستہ ہو کر حاضر دربار ہوے۔ رشید نے ان کی صورت دیکھتے ہی صورت مسئلہ بیان کی اور کہا "وہ لونڈی میرے حرم مین داخل ہونا نہین منظور کرتی اور کہتی ہی کہ مین خلیفہ مہدی (رشید کے باپ) سے ہم بستر ہو چکی ہون" امام ابو یوسف نے بمجرد اس خیال پر کہ عورت کی شہادت مستند نہین اور اس کے سوا اور کوئی شاہد نہین ہے۔ اس کو رشید پر حلال کر دیا۔ رشید بہت خوش ہوا۔ اور حکم دیا کہ ابھی آپ کو زر و جواہر اور مال و دولت سے مالا مال کر دو۔ لوگون نے تھوڑی دیر کے بعد آ کے عرض کیا کہ شہر کے اکثر محلون کے پھاٹک بند ہین اس وجہ سے اس وقت خزانہ سے روپیہ نہین نکل سکتا۔ یہ سن کے امام ابو یوسف نے فرمایا "ہان میرے بلانے کے لیے دروازے کھلے ہوے تھے اور روپیہ دینے کے وقت بند ہو گئے"۔

وہ خود فرماتے ہین ایک مرتبہ شب کو مین خواب کے کپڑے پہنے پلنگ پر لیٹا ہوا تھا کہ ناگہان کسی نے اس زور سے دروازہ دھڑ دھڑایا کہ کان کے پردے اڑے جاتے تھے۔ مین نے لپک کے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ہرثمہ بن اعین کھڑے کہ رہے ہین آپ کو امیر المومنین نے بلایا ہے۔ اور اس قدر عجلت کی تاکید کر دی ہی کہ آپ جس طرح بیٹھے ہین یونہین چلے چلیے۔ یہ سن کے میرے دل مین خوف پیدا ہوا کہ کہین ایسا تو نہین ہوا کہ امیر المومنین مجھ پر غضبناک ہون۔ ہرثمہ سے ہزار پوچھا مگر انھون نے یہی کہا "مجھے بالکل خبر نہین کہ آپ اس وقت کیون بلائے جاتے ہین"۔ مین نے کہا "تو اچھا آپ اسوقت جا کے کوئی حیلہ حوالہ کر دیجیے"۔ مگر ہرثمہ نے ایک نہ مانی آخر مجبور ہو کے مین نے ہرثمہ سے غسل اور عطر و خوشبو لگانے کی اجازت مانگی۔ اور ان کے اجازت دینے کے بعد خوب پاک و صاف ہو کے

اور عطر لگا کے مین دل مین خوف کھاتا ہوا نکلا۔ در دولت پہ پہونچا تو مسرور خلافت کے خاص چوبدار کو ایک اضطراب کے ساتھ اپنا منتظر پایا۔ مین نے اُس سے بھی پوچھا کہ اُسوقت مین کیون بلایا گیا ہون مسرور نے بھی یہی جواب دیا کہ مجھے مطلق خبر نہین،، عاجز آ کے مین نے پوچھا" اچھا یہ تو بتاؤ کہ امیر المومنین کے پاس اور کون کون ہے،، مسرور نے کہا" سوا عیسٰی بن جعفر کے اور کوئی نہین ہے" الغرض مسرور مجھے لے کے اندر گیا۔ وہان مین نے دیکھا کہ امیر المومنین کی داہنی جانب عیسٰی بن جعفر بیٹھے ہوے ہین اور امیر المومنین متفکر ہین۔ میری آہٹ پاتے ہی امیر المومنین نے پکار کے پوچھا" کون،، مین نے اپنا نام لیا" یعقوب،، امیر المومنین نے بلایا اور مین نے اندر جا کے سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ رشید نے کہا" میرا گمان ہے کہ اس وقت میرے بلانے سے آپ کے دل مین کسی قسم کا خوف پیدا ہوا ہو گا" مین نے کہا" حضور مجھ ہی پہ کیا منحصر ہے میرے تمام متعلقین اور کل اہل خانہ بد حواس ہو رہے ہین" یہ سن کے رشید کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا" آپ سمجھے بھی کہ مین نے آپ کو کیون بلایا ہے؟،، مین نے کہا" امیر المومنین مین کیا جانون" رشید نے عیسٰی کیطرف اشارہ کر کے کہا" مین نے صرف ان کے لیے آپ کو بلایا ہے۔ اُنھون نے مجھے نہایت حیران کر رکھا ہے۔ ان کے پاس ایک لونڈی ہے جس کو مین ان سے طلب کرتا ہون کہتا ہون چاہو میرے ہاتھ بیچ ڈالو۔ چاہو مجھ پہ ہبہ کر دو۔ بہرحال جس طرح ممکن ہو مجھے دیدو۔ مگر یہ کسی طرح نہین مانتے اب مین آپ کے سامنے ان سے کہتا ہون کہ اگر انھون نے میری تمنا نہ پوری کی تو پھر دوسری طرح ان کی خبر لون گا" یہ سن کے مین عیسٰی کیطرف متوجہ ہوا۔ اور کہا" کیون آپ کو کیا ہو گیا ہے جو آپ نہین دیتے۔ لونڈی کون ایسی چیز ہے کہ امیر المومنین چاہین اور اس کے دینے سے انکار کیا جائے۔ جس قدر روپیہ چاہو اس کی قیمت مین لے سکتے ہو" عیسٰی نے کہا" پہلے تو میری سن لیجیے پھر مجھے جب تک چاہیے گا سمجھاتے رہیے گا۔ مین نے لونڈی کے سامنے قسم کھائی ہے کہ اگر تجھے بیچون یا کسی پر ہبہ کرون تو میری تمام جورؤن پہ طلاق ہے۔ میری تمام لونڈیان آزاد ہین۔ اور میرا تمام مال غربا و مساکین پہ صدقہ ہے اب آپ ہی بتائیے کہ کیونکر ان مصائب سے نجات پاؤن" عیسٰی کی تقریر سن کے مجھے اپنے سمجھانے پر ایسی ندامت ہوئی کہ مین نے شرم سے سر جھکا لیا۔ امیر المومنین نے میری طرف متوجہ ہو کے کہا" جناب قاضی صاحب اس معاملہ مین اگر آپ ہماری چارہ جوئی کرین تو مین آپ کو اتنا مال و اسباب اور اتنی

دولت دون گا کہ آپ کے کل ہمعصر آپ پر حسد کرین گے" یہ سن کے مین نے کہا "تو مشکل ہی کیا ہے جناب عیسیٰ بن جعفر صاحب نصف جاریہ آپ امیرالمومنین کے ہاتھ فروخت کر ڈالیے اور نصف امیرالمومنین پر ہبہ کر دیجیے۔ قسم تو پوری بیع یا پوری ہبہ کے لیے عارض ہے۔ نصف نصف کی صورت مین کوئی عہد آپ کے ذمہ عائد نہ ہوگا" یہ سنتے ہی عیسیٰ نے کہا "اچھا۔ تو امام ابو یوسف صاحب آپ ہی کو گواہ کر کے مین کہتا ہون کہ اس لونڈی کا نصف حصہ مین نے امیرالمومنین پر ہبہ کیا اور نصف حصہ امیرالمومنین کے ہاتھ ایک لاکھ دینار کے معاوضہ مین فروخت کر ڈالا۔ رشید یہ سُن کے بہت خوش ہوا۔ اور یہ شکریہ ادا کرتے کرتے کچھ ساکت ہو کے بولا "جناب قاضی صاحب اب تو ایک اور مصیبت لاحق ہوئی۔ مجھ مین مفارقت کی طاقت نہین ہے۔ سب کچھ ہوا۔ اب یہ استبرا کا ایک مہینہ کس کے کاٹے کٹے گا۔ مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا۔ کوئی ایسی تدبیر بتائیے کہ اس آفت سے بھی نجات ملے۔ مین تو آج ہی رات کو ہم بستر ہوا چاہون" قاضی ابو یوسف فرماتے ہین مین نے کہا "ہان یہ بھی ممکن ہے۔ اب یہ لونڈی نصف بوجہ ہبہ اور نصف بوجہ شرا پوری آپ کی ہو چکی۔ آپ اس کو آزاد کر کے اسی وقت اس کے ساتھ نکاح کر لیجیے" الغرض یہی ہوا۔ اور خود مین ذی اس صحبت مین خطبۂ نکاح پڑھا۔ اور بیس ہزار دینار اس لونڈی کا مہر مقرر کیا۔ رشید نے اُسی وقت سرور کو بلوا کے بیس ہزار دینار بابتہ مہر اس لونڈی کو دیے اور حکم دیا کہ بائیس ہزار دینار اور بیس خلعت گران بہا قاضی صاحب کے مکان مین پہونچا آو۔

شبر مہ بن ولید کہتا ہے کہ صبح کو مین نے قاضی ابو یوسف سے کہا اس دولت مین سے کچھ مجھے بھی دیجیے کہ آپ کے حق مین دعائے خیر کرون۔ اُنھون نے اس کا دسوان حصہ مجھے دیا۔ مین ہنوز اُن کو دعا ہی دے رہا تھا کہ ایک بوڑھیا آئی اور قاضی صاحب سے کہنے لگی "مجھے اُس لونڈی نے بھیجا ہے اور یہ دس ہزار دینار آپ کو دیے ہین۔ اور نہایت عجز و الحاح کے ساتھ عرض کیا ہے کہ مجھے امیرالمومنین نے بابت مہر بیس ہزار دینار دیے تھے اُن مین سے نصف مین آپ کی نذر کرتی ہون اور نصف اپنی حیثیت سنبھالنے کے لیے مین نے رکھ لیے ہین" یہ پیغام سنتے ہی قاضی ابو یوسف نے بہت بگڑ کے کہا "اُس سے کہدینا کل تک تو ایک ادنیٰ اور ذلیل لونڈی تھی۔ مین نے تجھے کل اس مرتبہ کو پہونچا دیا کہ آج تو امیرالمومنین ہرون رشید کی ناز آفرین معشوقہ اور بیوی ہے۔ اُس کا صلہ یہی ہے۔ جاؤ لیجاؤ مین نہ لون گا۔ بس میرا اسی قدر حق تھا۔ وہ بڑھیا ہاتھ جوڑ کے خوشامد کرنے لگی اور مین نے بھی بہت کچھ سمجھایا تو انھون نے قبول کیا۔ اور اُس مین سے بھی نصف کو مجھ کو دیا۔

اس سے بھی زیادہ لطف کی یہ بات ہے کہ ایک مرتبہ زبیدہ خاتون نے قاضی صاحب کے پاس اپنی خواص کو بھیج کے ایک مسئلہ دریافت کیا اور کہلا بھیجا کہ مین جواب بھی اپنی مرضی کے موافق چاہتی ہون۔ قاضی صاحب نے شرعی حیلون سے کام لے کے ویسا ہی فتویٰ دیا۔ زبیدہ نے خوش ہو کے بطور نذرانہ کے امام صاحب کی خدمت مین ایک چاندی کا ڈبہ بھیجا جس مین تہ در تہ ڈبے ہی رکھے تھے۔ اور ہر ڈبے مین کوئی نہ کوئی روح افزا خوشبو تھی۔ اس کے علاوہ ایک جام روانہ کیا جس مین کنارے تو خوبصورتی سے درہم چنے ہوے تھے اور بیچ مین بہت سے دینار بھرے ہوے تھے۔ یہ تحفہ جس وقت قاضی ابو یوسف کے پاس آیا اُس وقت اُن کی صحبت مین بہت سے لوگ بیٹھے ہوے تھے۔ ایک صاحب نے مذاقاً کہا "رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے مَنْ اُهْدِيَتْ لَهُ هَدِيَّه فَجُلَسَائُهُ شُرَكَائُهُ فِيهَا۔ یعنی جو کوئی کسی صحبت مین ہو اور اس وقت اُسکے پاس کوئی ہدیہ آئے تو جو لوگ شریک صحبت ہون اُن کا بھی اُس مین حصہ ہے لہذا اس مین سے کچھ یارون کو بھی دلوائیے،، قاضی صاحب نے جواب دیا "بجا ہے۔ جناب اِس حدیث کا شان نزول وہ زمانہ تھا جب تحفہ اور ہدیہ مین چھوہارے اور دودھ آیا کرتا تھا۔ آج کل جبکہ سونا چاندی تحفون مین آیا کرتا ہے۔ اس حدیث پر عمل نہین ہو سکتا،،

اسی طرح یہ بھی مشہور ہے کہ ایک مرتبہ رشید اور زبیدہ مین اس امر پر جھگڑا ہوا کہ فالودہ اچھا ہوتا ہے یا لوزینہ۔ کسی طرح فیصلہ نہ ہو سکا تو انفصال کے لیے قاضی ابو یوسف صاحب طلب کیے گئے۔ قاضی صاحب آئے تو رشید نے واقعہ بیان کیا اور پوچھا کہ آپ کے نزدیک کس کو ترجیح ہے۔ امام ابو یوسف کے سامنے یہ نہایت نازک بات تھی۔ اس لیے کہ ان دونون مخاصمین مین سے ان کو کسی کی مخالفت گوارا نہ تھی انھون نے کہا "امیر المومنین مین یون نہین فیصلہ کر سکتا۔ وہ دونون غذائین جو باہم ترجیح کا دعویٰ کرتی ہین سامنے لا کے رکھی جائین اور مین اُن کو چکھون تو کہون کہ کس کو ترجیح ہے،، فوراً دونون چیزین سامنے لا کے رکھ دی گئین۔ اور قاضی صاحب کھانے لگے اور آخر بالکل کھا گئے۔ رشید نے کہا "جن دونون مین جھگڑا تھا وہ نابود ہو گئے مگر فیصلہ ابھی تک نہین ہوا،، قاضی صاحب نے کہا "بات یہ ہے کہ ان دونون مین کچھ ایسے لطف اور ایسی لچپیان ہین کہ جس کی صورت دیکھ لیتا ہون اُسکی مخالفت کرنے کو جی نہین چاہتا،،

آہ! یہ سب باتین مظہر تھین اُن لغزشون کی جن کے خوف سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ ابو جعفر منصور کے عہد مین عہدۂ قضا سے صاف انکار کر دیا تھا! اور بادشاہ وقت کا عتاب گوارا کر لیا تھا۔ واقعی امام ابو حنیفہؒ عجب دل اور عجیب برکت کے امام تھے۔ اِن کی احتیاط اور اُن کے زہد و ورع کو پہونچنا بہت دشوار ہے۔

اس کے ثبوت مین خود امام ابو یوسف کا یہ واقعہ کافی ہو کہ رشید کو جب قاضی صاحب سے بہت اُنس ہو گیا۔ اور یہ اُس کے دربار مین اکثر رہنے لگے تو ایک بار رشید ان سے کہنے لگا۔ قاضی صاحب آج یہین ٹھہریے۔ آپ کو ایک نئی چیز کھلائی جائے گی۔ آج ایسی چیز بنوائی گئی ہے جو میرے باورچی خانے مین بھی بوجہ زیادہ تکلفات کے اتفاقاً کبھی کبھی بن جاتی ہو۔ قاضی صاحب نے دریافت کیا کہ "امیر المومنین۔ ایسی وہ کون چیز ہے؟" رشید نے کہا "فالودہ جو روغن پستہ کے ساتھ ملا ملا کے کھایا جائے گا۔ یہ سنتے ہی قاضی ابو یوسف کو ہنسی آ گئی۔ رشید نے پوچھا تو انھون نے اپنا تمام ابتدائی حال اور خاص وہ وقت جب اُن کی والدہ نے امام عالیمقام کی خدمت مین درشت زبانی کی تھی اور انھون نے فرمایا تھا کہ "تیرا لڑکا ظاہر مین تو میرے سامنے بیٹھا درس لے رہا ہو۔ مگر اصل مین وہ فالودہ کو روغن پستہ کے ساتھ ملا ملا کے کھا رہا ہو" بیان کر دیا۔ یہ سن کے رشید کو حیرت ہو گئی۔ اور اس صحبت مین سب نے صدق دل سے اعتراف کر لیا کہ واقعی امام ابو حنیفہ کی دل کی آنکھین کھلی ہوئی تھین اسی روز اور اسی صحبت مین رشید کو امام ابو یوسف کے اصلی حالات اور اُن کی ایام طفولیت کی سرگزشت سے اطلاع ہوئی اور اُس نے نہایت تعجب سے امام ممدوح کی صورت دیکھی کہ واہ قسمت انسان کو کہان سے کہان لے جاتی ہو۔ اور علم اُسے کہان سے کہان پہونچاتا ہے۔

باوجود ان سب باتون کے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ امام ممدوح الشان نے کبھی طمع دنیاوی سے اصول اسلامیہ کے خلاف کیا۔ جو واقعات بیان کیے گئے ان مین صرف ان کا اجتہاد تھا اور یقیناً مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ اس پالسی کے لوگون مین تھے جو دنیا کو شرع کے ذاتی شکنجون مین نہین کسنا چاہتے۔ بلکہ کسی نہ کسی طرح شرعی حجت پیدا کر کے وہ لوگون پر آزادی کا دروازہ کھول دیا کرتے تھے۔ اور شاید یہ وہ پالسی تھی جس کی ضرورت اب تیرہ سو برس کے بعد لوگون کو معلوم ہوتی جاتی ہے۔ مگر باعتبار خداترسی اور حق جوئی کے اُن کا

رتبہ بیشک اعلیٰ درجہ کے لوگون مین ہی۔ چنانچہ مشہور ہی کہ ایک مرتبہ رشید نے قاضی صاحب سے شکایت کی "مین نے سنا ہی کہ آپ کہتے پھرتے ہین جو کوئی آپ کے سامنے شہادت دینے آتا ہی وہ جھوٹا اور بنا ہوا گواہ ہوتا ہی" امام صاحب نے فرمایا "بیشک مین نے کہا۔ اور اب بھی کہتا ہون۔ دنیا مین تین ہی طرح کے آدمی ہین۔ یا تو وہ لوگ جو بدکاری مین مشہور ہین۔ یا وہ لوگ جو اعلیٰ درجے کے پاکباز خدا پرست اور عابد و زاہد ہین۔ یا وہ جو باطن مین بدکار و بدمعاش اور ظاہر مین نیک اور صلاح کار ہین۔ پہلے اپنی شہرت بدکاری کی وجہ سے میرے سامنے نہ آئین گے۔ دوسری قسم کے لوگ اپنے زہد و ورع کی وجہ کے باعث ہم سے دنیادارون سے پرہیز کرین گے۔ صرف تیسری قسم کے لوگ رہگئے۔ پھر وہ ظاہر مین چاہے کتنے بڑے نیکوکار ہون باطن مین ضرور جھوٹے اور دغاباز ہون گے۔ رشید نے مسکرا کے کہا "بیشک آپ بجا فرماتے ہین۔ اور آپ کا انداز نہایت ہی ٹھیک ہے"

بلکہ اس سے بھی زیادہ ثبوت اس امام عالی مقام کی خدا ترسی کا اس روایت سے ہوتا ہی جو حسن بن سماعہ نے بیان کی ہی۔ وہ کہتا ہی کہ امام ابو یوسف نے جس روز انتقال فرمایا ہی اسی روز بار بار اُن کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے "اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَعْلَمُ اِنِّی لَمْ اَجُرْ فِیْ حُکْمٍ حَکَمْتُ فِیْهِ بَیْنَ اثْنَیْنِ مِنْ عِبَادِکَ تَعَمُّدًا وَ لَقَدْ اجْتَھَدْتُ فِی الْحُکْمِ بِمَا وَافَقَ کِتَابَکَ وَ سُنَّةَ نَبِیِّکَ وَ کُلَّمَا اَشْکَلَ عَلَیَّ جَعَلْتُ اَبَا حَنِیْفَةَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکَ وَ کَانَ عِنْدِیْ وَ اللّٰهِ مِمَّنْ یَعْرِفُ اَمْرَکَ وَ لَا یَخْرُجُ عَنِ الْحَقِّ وَ ھُوَ یَعْلَمُهٗ" اس کا مطلب یہ ہوا کہ بار الٰہا تو خوب جانتا ہی کہ تیرے دو بندون مین مین نے دیدۂ دانستہ کبھی خلاف حق اور ناجائز فیصلہ نہین کیا۔ اور مین نے جب فیصلہ کیا تو وہی جو موافق تیری کتاب مقدس اور تیرے رسول اکرم کے فرمانے کے بموجب ہوا۔ اور مجھ پر جب کوئی شکل آپڑی تو مین نے اپنے اور تیرے درمیان مین ابو حنیفہ کو قرار دیا۔ اور ابو حنیفہ قسم ہی خدا کی میرے نزدیک اُن لوگون مین تھے جو تیرے حکم کو جانتے تھے اور دیدۂ و دانستہ جادۂ حق سے قدم باہر نہین نکالتے تھے۔

امام ابو یوسف آخر عمر تک بغداد کے قاضی القضاۃ یا چیف جسٹس رہے۔ ایام قضا ہی مین قضائے الٰہی نے انھین پیام مرگ سنایا۔ اور جمعرات کے روز

ماہ ربیع الثانی ۱۸۲ھ مین سفر آخرت کیا۔ خدا مغفرت کرے وہ ایسے شخص تھے جن کی برکتون نے دنیا کو بہت اچھے اصول پر قائم کر دیا۔ اور ایسے اصول جو قیامت تک اُن کی اعلیٰ یادگار کے طور پر باقی رہین گے۔ اُن کے صاحبزادے یوسف ان کی زندگی ہی مین جانب غربی بغداد کے قاضی مقرر ہو گئے تھے۔ جنھون نے دس برس بعد ۱۹۲ھ ہجری مین انتقال فرمایا۔

امام ابو یوسف اول شخص ہین جس نے فقہ حنفیہ مین تصنیف و تالیف کا سلسلہ قائم کیا۔ اُن کی کتاب امالی و النوادر مشہور ہے۔ جس کی حنفیہ اپنا حرز جان سمجھ کے تعظیم کرتے رہا ہی۔ چند اور بھی باتین ہین جن کی ابتدا امام مرحوم ہی کے زمانے سے شروع ہوئی اسلام مین پہلے پہل قاضی القضاۃ کا لفظ بہ حیثیت خطاب انھین کے لیے ایجاد کیا گیا تھا۔ عوام اور علما کے لباس مین ایک خاص امتیاز بھی انھین کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اِن سے پہلے سب کی ایک ہی وضع تھی۔ انھون نے علما کے لیے طیلسان ایجاد کیا۔

امام ممدوح کے بعض جملے آب زر سے لکھنے کے قابل ہین۔ فرماتے ہین صُحْبَةُ مَنْ لَمْ يَخْشَى الْعَارَ عَارٌ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ جس مین شرم و حیا نہ ہو اس کی صحبت پر قیامت کے روز ہر شخص کو شرم آئے گی۔ اور فرماتے ہین "رُؤُسُ النِّعَمِ ثَلٰثَةٌ اَوَّلُهَا نِعْمَةُ الْاِسْلَامِ الَّتِي لَا تَتِمُّ نِعْمَةٌ اِلَّا بِهَا ۔ وَالثَّانِيَةُ نِعْمَةُ الْعَافِيَةِ الَّتِي لَا تَطِيبُ الْحَيٰوةُ اِلَّا بِهَا وَالثَّالِثَةُ نِعْمَةُ الْغِنٰى الَّتِي لَا تَتِمُّ الْعَيْشُ اِلَّا بِهَا" یعنی سب سے بڑی تین نعمتین ہین پہلی نعمت اسلام کہ بغیر اس کے کوئی نعمت پوری نہین ہو سکتی۔ دوسری نعمت صحت کہ بغیر اسکے زندگی کا مزہ نہین مل سکتا۔ تیسری نعمت دولت کہ بغیر اُسکے کبھی پورا عیش نہین حاصل ہو سکتا۔ اس مین کوئی شک نہین کہ امام ابو یوسف کا یہ جملہ اُن کی زندگی اور اُن کی پالسی کا سچا مظہر ہے۔ گویا اسی کو انھون نے اپنا اصول قرار دے لیا تھا۔

ابتداءً امام مرحوم کی قبر کا پتہ نہین معلوم تھا مگر نزہۃ الربیع مین لکھا ہی کہ شاہ سلیمان صفوی کے عہد ۱۱۰۱ھ مین روضۂ مطہرہ امامین کاظمین علیہما السلام کے قریب کسی ضرورت سے زمین کھودی گئی تو ایک قبر نمایان ہوئی جس پر ایک پتھر لگا تھا اور اس پتھر مین قاضی ابو یوسف کا نام و نشان کندہ تھا اس قبر پر ایک عمارت بنا دی گئی۔ اور وہی قبر اب امام ممدوح کی خیال جاتی ہے۔

اسلامی دنیا مین یون تو بہت بڑے بڑے صاحب ثروت و حکومت علما ہوے ہین مگر امام ابو یوسف مین یہ ایک ایسی بات ہی کہ اور علما مین کم نظر آئے گی یعنی باعتبار دولت وہ اپنے عصر کے تمام علما سے زیادہ صاحب ثروت تھے اور باعتبار حکومت خیال کیجیے تو ساری دنیاے اسلام ان کے قبضہ مین تھی۔ ابو یوسف کے ترکہ مین صرف چار ہزار جامے ایسے نکلے جن مین سے ہر ایک کے بند پہ ایک ایک اشرفی بندھی ہوئی تھی۔

خلاصہ یہ کہ وہ ایک ایسے عالم تھے جن کو خدا نے ہر طرح کامیاب کیا۔ اور واقعی امام اعظم علیہ الرحمۃ کے ایسے امام کے لیے ایسے ہی شاگرد کی ضرورت تھی۔

ریویو

نغمہائے صدا۔ اس نام کی ایک نفیس کتاب ہمارے پاس بغرض ریویو آئی ہی جس کے مصنف ہمارے محترم مہربان مسٹر عیسیٰ چرن صاحب صدا ریٹائرڈ ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہین جو دنیائے ادب مین اب کسی مزید تعرف کے محتاج نہین ہین اس سے پہلے بھی آپ کی متعدد مثنویان شایع ہو چکی ہین اور چونکہ وہ خالص مذہبی رنگ مین تھین لہذا عیسائی دنیا مین بیحد مقبولیت کی نظر سے دیکھی گئین اور بار بار شایع ہونے پر بھی ان کی مانگ کم نہ ہوئی۔ یہ کتاب بھی جس کا نام اوپر لکھا گیا ہی اسی قسم کی ہی اور تین بابون مین تقسیم کی گئی ہی۔ پہلے باب مین ذات و صفات خدا۔ اور مناجاتین وغیرہ نظم کی گئی ہین۔ دوسرے باب مین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد اور پیدائش اور ان کی تعلیمات وغیرہ بہت وضاحت سے سلک نظم مین پرو دی گئی ہین۔ تیسرا باب انسان کے متعلق ہی جس مین مختلف عنوانون مثلاً جنگ یورپ۔ خوشامد۔ پرہیزگاری۔ بت پرستی وغیرہ پر طبع آزمائی کی گئی ہی۔ کتاب کی تقطیع ۲۰×۲۶ / ۸ ہے اور اوسط درجے کے سفید کاغذ پر ۱۹۲ صفحون پر ختم ہوئی ہے قیمت بارہ آنہ ۱۲/ علاوہ محصول ڈاک ہے۔

یہ کتاب اور مصنف موصوف کی دیگر کتابین۔ فردوس گم شدہ۔ فردوس بازیافتہ ۸/ اور شمسون محزون وغیرہ ذیل کے پتہ سے طلب کی جا دین۔ ۸/ ۵/

مسٹر عیسیٰ چرن صاحب صدا۔
ریٹائرڈ ڈپٹی انسپکٹر مدارس۔ لاٹوش روڈ۔ لکھنو

خوش سلیقگی یا شعور

زندگی مین کامیابی کے واسطے قابلیت سے زیادہ سلیقے کی ضرورت ہی۔ جن لوگون مین یہ مادہ خلقی نہین ہی اُن کو آسانی سے حاصل نہین ہوتا۔ ہان اس بات کا خیال رکھنے مین کہ لوگ کیا چاہتے ہین کچھ نہ کچھ فائدہ ضرور ہو سکتا ہی۔

اگر تم کو خوش کرنے کا موقع ملے تو اُسے ہاتھ سے نہ دو۔ سب کے ساتھ خلق سے پیش آو۔ **لیڈی[1] مانٹگیو** کا مقولہ ہی کہ "خلق کرنے مین کچھ خرچ نہین ہوتا ہی۔ اور ہر چیز بے دام ہاتھ آجاتی ہے"۔ واقعی یہ بات بہت صحیح ہی۔ خلق سے بے دام ایسی ایسی چیزین ہاتھ آجاتی ہین جو داموں سے نصیب نہین ہو سکتین۔ پس تمھاری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ جس آدمی سے تمھاری ملاقات ہو جائے اس کو تم اپنا بنا لو۔ **برگلے**[2] نے ملکۂ الزبیتھ کو یہ نصیحت کی کہ "لوگون کے دل کو اپنا کر لو۔ پھر اُن کے دل اور اُن کا مال و متاع تمھارا ہی ہو جاوے گا"۔

سلیقے کو اکثر اُس مقام پر بھی کامیابی حاصل ہوئی ہی جہان کہ قوت کو ناکامی ہوئی ہو۔ **للی** نے سورج اور ہوا کی پرانی کہانی کو یون نقل کیا ہی کہ ایک مرتبہ سورج اور ہوا مین یہ جھگڑا ہوا کہ دیکھیے کسے فتح یابی ہوتی ہے۔ اتفاقاً ایک شخص جا رہا تھا ہوا نے یہ چاہا کہ اس شخص کی عبا اُتروا لے پس اُس نے بڑے زور و شور کے

---

[1] لیڈی مانٹگیو انگلستان کی ایک لائق اور مشہور مصنفہ تھی جس کی کتابین مشہور ہین۔ اس خاتون کا اصلی نام الزبتھ مانٹگیو تھا۔ سنہ ۱۷۲۰ء مین پیدا ہوئی۔ اور سنہ ۱۸۰۰ء مین جام فنا پیا۔

[2] برگلے جو ملکۂ الزبیتھ کے عہد کا ایک نامور عہدہ دار تھا۔ اور جس کے مشورون پر وہ مشہور ملکہ اکثر عمل کیا کرتی تھی۔ سنہ ۱۵۲۵ء کے قریب پیدا ہوا۔ اور سنہ ۱۶۱۲ء مین مرا۔

ساتھ چلنا شروع کیا۔ اور خوب خوب جھونکے مسافر کو لگے۔ لیکن جتنی ہی زور کے ساتھ ہوا چلتی تھی اتنی ہی زیادہ عبا اسکے بدن مین چمٹی جاتی تھی تب سورج نے کہا کہ اب تم مجھے کوشش کرنے دو اور سورج نے اپنی کرنین مسافر کے جسم پر ڈالین اور اُسکے جسم کو گرم کرنا شروع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُسکی گرمی سے مسافر کو پسینہ آگیا۔ اور اس نے نہ صرف اپنی عبا ہی اُتار ڈالی بلکہ اپنا کوٹ بھی اتار کے پھینک دیا۔ اس واقعہ کو دیکھ کر ہوا نے سورج کی فتح یابی کا اقرار کر لیا۔

ہمیشہ یاد رکھو کہ آدمیون کو زبردستی کسی طرف لیجانے سے رہبری کر کے لیجانا آسان ہے۔ اور ہر حالت مین رہنمائی کرنا مجبور کرنے سے بہتر ہے شیکسپیر[1] کہتا ہے کہ "تم اپنی مرضی کے موافق کام مسکراہٹ سے لے سکتے ہو۔ مگر تلوار سے نہین لے سکتے"۔ بہ شیرین زبانی و لطف و خوشی + توانی کہ پیلے بموے کشی +

ہمیشہ کوشش کرو بلکہ اپنے تئین اس قابل بناؤ کہ وہ لوگ جن کو تم سے ملنے کا اتفاق ہو تم پر بھروسہ اور اعتبار کرین بہت لوگون کا اثر دوسرون پر ان کی قابلیت کیوجہ سے نہین بلکہ ان کی چال و چلن کی وجہ سے پڑا ہے سڈنی اسمتھ[2] نے فرنیس ہارنر کی بابت جس کا بغیر کسی بڑے عہدے پر ممتاز ہونے کے ایک عجیب دباؤ قومی مجلس حکمرانی پر تھا۔ یون کہا ہے کہ "اس کی شکل مین دسون احکام الٰہی کندہ تھے (یعنی اُسکی صورت ہی سے یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ اُن دسون احکام الٰہی کا پابند ہے۔ جو حضرت موسیٰ کو ملے تھے)

جس حد تک ایمان اور عقل کے ساتھ ممکن ہو لوگون کی خواہشین پوری کرنے کی کوشش کرو۔ لیکن "نہین" کہنے سے نہ ڈرو۔

ہر ایک شخص "ہان" کہہ سکتا ہے۔ مگر ہر شخص خوشی کے ساتھ "ہان" نہین کہہ سکتا لیکن "نہین" کہنا نہایت ہی دشوار ہے۔ بہت لوگ صرف اس وجہ سے تباہ ہو گئے کہ "نہین" نہ کہہ سکے پلوٹارک[3] نے اپنی تاریخ مین لکھا ہے کہ ایشیا مائنر کے باشندے محض اس وجہ سے

[1] انگلستان کا سب سے بڑا شاعر جس کے ڈراما اور ناٹک فصاحت و بلاغت اور شاعری کے انتہائی کمال پر مانے جاتے ہین اور انگریزون کے خیال مین اُس سے بڑا شاعر دنیا مین نہین پیدا ہوا سنہ ۱۵۶۴ء مین پیدا ہوا اور سنہ ۱۶۱۶ء مین مرا۔

[2] سڈنی اسمتھ انگلستان کا ایک مشہور اور عالی مرتبت مقتدائے دین اور انشا پرداز تھا سنہ ۱۷۷۱ء مین پیدا ہوا تھا اور سنہ ۱۸۴۵ء مین مرا۔

[3] پلوٹارک یونان کا ایک نامی گرامی مورخ ہے جس نے مشاہیر کے سوانح عمری اور علم اخلاق پر کتابین تصنیف کین حضرت مسیح کے تقریباً ۴۶ برس بعد پیدا ہوا۔ اور بہت بوڑھا ہو کے مرا۔

تابعدار رعایا ہو گئے کہ ایک چو حرفی لفظ کو اپنی زبان سے نہ ادا کر سکے۔ اور وہ "نہین" کا لفظ تھا۔ اگر ہمارے روزمرہ کے کامون مین "نہین" کی بہت ضرورت ہی تو یہ بھی اُس سے کم ضروری نہین ہی کہ ہم اسے خندہ پیشانی سے کہین۔ یہ ہمیشہ ہماری کوشش ہونی چاہیے کہ ہر شخص جس سے ہمارا کچھ بھی بیوپار ہو اپنے دل مین سمجھے کہ ہمارے ساتھ کاروبار کرنے مین اُسے خوشی ہوتی ہے۔ اور اس کے دل مین یہ خواہش پیدا ہو جائے کہ وہ پھر ہمارے یہان آوے۔ جس قدر لوگ خیال کرتے ہین اُس سے بدرجہا زیادہ علاقہ کاروبار تجارت کو حالات وجذبات انسانی سے ہی۔ ہر ایک شخص چاہتا ہے کہ ہمارے ساتھ مہربانی اور خلق کا برتاؤ ہو۔ سادگی اور بشاشت کا برتاؤ اکثر اوقات معاملات کو اپنے موافق فیصل کرا لیا کرتا ہی۔ بمقابلہ اسکے کہ پچاس فی صدی کمیشن کا لالچ دیا جاوے۔

ہر شخص اگر چاہے تو اپنے تئین خندہ پیشانی بنا سکتا ہی۔ خوش کرنے کی خواہش انسان آدمیون کو قریب قریب خندہ پیشانی بنا دیتی ہی۔ جس شخص کو کسی کے خوش کرنے کی خواہش نہ ہو گی وہ کسی کو خوش نہ کرے گا۔ ایسی عمدہ نعمت کو اگر تم لڑکپن سے نہ حاصل کرو گے تو پھر یہ بات تمھارے واسطے بہت مشکل ہو جاے گی۔ بہت سے آدمیون کو اپنی زندگی مین ظاہری کامیابی محض اچھے برتاؤ اور چال چلن کے ہاتھون نصیب ہوئی۔ نہ محض قابلیت کی وجہ سے بخلاف اس کے بہت سے قابل عزت آدمیون نے جن کے دل نہایت ہی اچھے تھے اور جن کے دماغ مین مہربانی کرنے کے خیال بھرے ہوے تھے بہت سے لوگون کو کج خلقی کی بدولت اپنا دشمن بنا لیا۔ علاوہ برین خوش کرنے کی قابلیت ہونا خود ہی ایک خوشی کی بات ہے۔ اس کی کوشش کرو اور تم کبھی مایوس نہ ہو گے۔

ہوشیار رہو اور مزاج مین آہستگی رکھو۔ ٹھنڈا دماغ رکھنا ویسا ہی ضروری ہی جیسا کہ پرجوش دل تحریر مین استقلال اور دھیمے الفاظ بہت ہی بیش قیمت ہین۔ ان باتون سے تم خطرے اور مشکل کے وقت مین محفوظ رہو گے۔

اگر تم سے ایسے لوگون سے ملاقات ہو جو تمھارے برابر ہوشیار نہ ہون تو تمھین ان کو حقارت سے دیکھنے کا کوئی استحقاق نہین ہے۔ جیسے بڑی جائداد کے وارث ہونے مین کوئی فخر کا موقع نہین ہی اسی طرح زیادہ دلیاقت کے وارث ہونے مین بھی کوئی ناز کرنے کا محل نہین۔ دونون حالتون مین صرف اُن کا اچھی طرح استعمال کرنا قابل تعریف ہے۔ علاوہ برین بعض

اوقات ایک شخص جیسا ظاہر مین نظر آتا ہی اصل مین اس سے زیادہ ہوتا ہی۔ چال چلن دریافت کرنے مین آنکھ ہی بڑی رہنما ہے۔ امرسن[۱] کا قول ہی کہ "جب آنکھین ایک بات بتاتی ہون اور زبان دوسری بات کہتی ہو تو دانا آدمی آنکھ ہی کی بات پر اعتبار کرتا ہے"

ہر شخص کے نیک مزاج ہونے کا حد سے زیادہ اعتبار محض اُسکے کہنے یا اس کی باتون پر نہ کرلو۔ پہلی نظر مین نہ تو مرد مردون سے محبت کرنے لگتے ہین اور نہ عورتین عورتون سے۔ اگر کوئی اجنبی تم سے حد سے زیادہ محبت کا اقرار کرے اور بہت کچھ دکھلائے تو تم اُسکی باتون کا یقین واثق نہ کرلو۔ ممکن ہی کہ اس نے جھوٹ نہ کہا ہو تاہم شاید جتنا وہ کہتا ہی اتنا اس کا مطلب نہ ہو۔ یا شاید وہ شخص تم سے کوئی غرض رکھتا ہو۔ لہذا محض اس بنا پر کہ کوئی شخص دوستی کا اظہار کرتا ہے یہ یقین نہ کرلو کہ وہ تمھارا دوست ہی اور نہ اِس بات کو جلدی سے باور کرلو کہ فلان شخص میرا دشمن ہے۔

ہم اس بات پر ناز کرتے ہین کہ ہم فہم اور ادراک رکھتے ہین لیکن یہ فرض کرلینا کہ انسان ہمیشہ ادراک وفہم کی ہدایت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ بہت بڑی غلطی ہے۔ ہم ایک عجیب متضاد اور متلون مزاج مخلوق ہین۔ زیادہ تر ایسا ہوتا ہی کہ ہم اپنے جوش اور بدظنی کی ہدایت پر عمل کرتے ہین۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تم لوگون کو ان کے جذبات کا خیال رکھنے سے اپنا ساتھی بنا لوگے مگر ان کو قائل کر کے ایسا نہین بنا سکتے۔

مباحثہ اور استدلال کسی قدر خطرناک ضرور ہے۔ اس سے اکثر افسردگی اور کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ہو سکتا ہی کہ تم بحث مین جیت جاؤ اور کسی دوست کو ہاتھ سے کھو دو مگر یہ اچھا سودا نہین ہے۔ اگر تم کو بحث کرنا لازمی ہی تو تمھین اس بات کا اختیار حاصل ہی جو چاہو مان لو۔ لیکن ہمیشہ اس بات کے ظاہر کرنے کی کوشش کرو کہ گویا کوئی نہ کوئی لفظ تم سے سہو ہو گیا ہے۔ بہت کم آدمیون کو اس بات کا علم ہوتا ہے ہماری دلیل مین کس مقام پر زیادہ خرابی تھی۔ اور اگر اس بات کا علم ہو بھی جاتا ہے تو وہ اس کو پسند نہین کرتے۔ علاوہ برین اگر ان کو اپنے ہار جانے کا علم بھی ہو جاوے تو اس سے یہ

---

[۱] امرسن ایک مشہور اور مستند ادیب و انشاپرداز تھا جس سے امریکہ کی سرزمین کو فخر حاصل ہے۔ ۱۸۰۳ء مین شہر بوسٹن مین پیدا ہوا تھا۔ اور گذشتہ صدی کے آخر مین مرا۔

نتیجہ نہین نکلتا کہ وہ قائل بھی ہو گئے۔ اور اُن کو اطمینان بھی ہو گیا۔ شاید یہ کہنا نامناسب نہ ہو گا کہ کسی شخص کو دلیل سے قائل و معقول کرنے کی کوشش کرنا بے فائدہ ہے۔ اپنے بیان یا اپنی غرض کو جہان تک ممکن ہو صاف اور اختصار کے ساتھ ادا کرو۔ اور اگر تم نے اتنا بھی کر لیا کہ اس شخص کو اپنی راے پر جس قدر اعتقاد تھا وہ ڈگمگا گیا تو بس یہ کافی ہے۔ اور اس سے زیادہ امید تم کو نہ رکھنی چاہیے۔ اور یہی تمھاری کامیابی کا پہلا قدم ہے۔

بات چیت کرنا بجاے خود ایک فن ہے۔ اور یہ لازمی بات نہین ہے کہ جن لوگون کے پاس زیادہ مضمون ہون وہی اچھے تقریر کرنے والے بھی ہون۔ اگرچہ **لارڈ چسٹر فیلڈ** کا یہ کہنا حد سے بڑھ جاتا ہے کہ پلٹنون کے سردار دلدن مین بہت ہی کم ہین جو **ڈی کارٹ یا سر آئزک نیوٹن** سے بہتر رفیق صحبت نہ ہو سکتے ہون۔

مین یہ نہین کہتا کہ اچھا سننے والا ہونا بھی اتنا ہی مشکل ہے جتنا کہ اچھا مقرر ہونا یہ بات یعنی اچھا سننے والا ہونا کسی طرح آسان نہین ہے۔ اور قریب قریب اُسی قدر ضروری ہے جس قدر کہ اچھا مقرر ہونا۔ جو کچھ کہا جائے اس کو نکتہ چینی کی نظر سے نہ دیکھو اور نہ اس نگاہ سے دیکھو کہ گویا تم اس بات کی منصف قرار دیے گئے ہو۔ بلکہ اپنی راے کو التوی رکھو اور یہ کوشش کرو کہ جو کچھ مقرر کے خیالات و جذبات ہین اُن مین تم کو دخل ہو جائے اگر تم مہربان اور ہمدرد ہو گے تو اکثر تمھاری صلاح لی جائے گی۔ اور تم کو اس بات کی خوشی حاصل ہو گی کہ تم سے لوگون کو تکلیف اور تردد کی حالت مین مدد ملی۔ جب تک تم نوعمر ہو اس وقت تک اس بات کی بہت زیادہ امید نہ رکھو کہ لوگ تمھاری طرف زیادہ متوجہ ہون اور تمھارا خیال کرین۔ بیٹھو۔ سنو۔ اور دیکھتے رہو۔ یہ ایک مثل ہے "جو لوگ کنارے کھڑے ہوے ہوتے ہین وہ تماشے کو خوب دیکھتے ہین"۔ جو کچھ ہو رہا ہو تم اسکو بخوبی دیکھ سکتے ہو۔ چاہے لوگ تم کو نہ دیکھین اور تم سے خبر نہ ہون۔ اس کو تم ایسا ہی سمجھو کہ گویا تم الوپ انجن لگائے ہوے ہو۔ تم سب کو دیکھتے ہو اور تمھین کوئی نہین دیکھتا"۔

اپنے سوچنے کی تکلیف سے بچنے کے لیے چونکہ لوگون کو سوچنا ناگوار ہوتا ہے لوگ تمھارا اندازہ اتنا ہی کرین گے جتنا کہ تم نے خود اندازہ کیا ہے لا برویر کا مقولہ ہے کہ اِس دنیا مین کوئی شخص اپنے تئین جتنا بنانا چاہتا ہے اس سے زیادہ نہین بنا سکتا ہے

تم لوگون کو اپنا دشمن نہ بنالو۔ کیونکہ اس سے زیادہ بُری کوئی بات نہین ہے۔
ایک بیوقوف کو اس کی حماقت کے موافق جواب نہ دو۔ ایسا نہ ہو کہ تم بھی اسی کے سے ہو جاؤ۔"

یہ یاد رکھو کہ نرم جواب غصے کو دور کر دیتا ہے **مصرع** نبرّد قرنرم لاتیغ تیز
تاہم ایک غصہ کا جواب اتنی بڑی حماقت نہین جتنا کہ طنزیہ جواب دینا ہی۔ نوّے فی صدی آدمی گالی اور ضرر کا اتنا بُرا نہ مانین گے جتنا کہ اُن کو بنایا جانا اور اُن پر ہنسا جانا ناگوار ہوگا۔ وہ سوائے تضحیک کے اور ہر بات کو جلدی بھول جاوین گے۔"

لوگون کو دھوکے مین رہنا زیادہ خوش آتا ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ کسی دھوکے سے نکل جائین۔ **طراسیلوس** نام ایک **ایتھنز** کا رہنے والا اتفاقاً مجنون ہوگیا اور اُس کو یہ خیال پیدا ہوگیا کہ جتنے جہاز **پیری لیس** مین ہین وہ سب میرے ہی ہین۔ پھر جب وہ **کریٹو** کے علاج سے اچھا ہوگیا تو اس نے کریٹو سے اس بات کی بڑی شکایت کی کہ مین لٹ گیا۔ **لارڈ چسٹرفیلڈ** کا قول ہی "کہ ایک دوست کو مذاق کے واسطے کھو دینا بڑی حماقت ہے"۔ لیکن میرے نزدیک ایک اچھے لفظ کے نہ استعمال کرنے کی وجہ سے بھی کسی شخص کو اپنا دشمن بنالینا کسی طرح اس سے کم درجے کی بیوقوفی نہین ہے۔

جلدی سے اپنے دل مین اس شک کو جگہ نہ دے دو کہ تمھاری توہین کی گئی اور نہ یہ خیال کرلو کہ تم ہی ہنسے گئے۔ **اسکب** اپنی ایک کتاب مین لکھتا ہی "مجھے یقین ہے کہ اُن لوگون نے میرے ہی بابت کچھ کہا کیونکہ وہ اس قدر ہنسے کہ ہنستے ہنستے بے دم ہوگئے"۔ بخلاف اس کے اگر تم ہنسے جاؤ تو تمھاری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ تم اس ہنسنے پر غالب آجاؤ اگر تم لوگون کے ساتھ خود بھی اپنے اوپر ہنسو گے تو بالا تمھارے ہی ہاتھ رہے گا۔ اور تم بجاے نقصان کے فائدے ہی مین رہو گے۔ ہر ایک شخص ایسے آدمی کو پسند کرتا ہے جو کہ اپنے اوپر فقرہ کسے جانے

---

۵۷ اس یونانی حکیم کے حالات ہمین نہین معلوم ہو سکے اور نہ اسکب کے حالات معلوم ہو سکے جس کا نام بعد آیا ہی۔

برا نہین مانتا بلکہ ہنستا ہی اور انصاف کی بات یہی ہی کہ اس سے اس کی خوش مزاجی اور خوش فہمی معلوم ہوتی ہی۔ اگر تم اپنے اوپر خود ہنسوگے تو اور لوگ تم پر نہ ہنسین گے۔

تم کو اپنی رائے پر قائم رہنے کی ہمت رکھنی چاہیے تم کو یہ پہلے سے سمجھ لینا چاہیے کہ اکثر لوگ تم کو ہنسین گے۔ جب تم ایسے ہو جاؤگے تب تم کو کوئی ضرر نہ پہونچے گا۔ جیسے تم ہو لوگون کی نظرون مین ویسا ہی معلوم ہونا کوئی تضحیک کی بات نہین۔ ہان یہ البتہ تضحیک کے قابل بات ہی کہ جتنے تم حقیقۃً نہین ہو اپنے تئین اتنا بناتے یا دکھاتے ہو۔ بہت لوگ بعض وقت محض خیالی شکایت کے سبب سے اپنے آپ کو آزار پہونچاتے اور دوسرون سے ناراض اور افسردہ دل ہو جاتے ہین۔

لوگون سے صاف رہو۔ مگر اپنے تئین ذرا لیے رہو۔ اپنے متعلق بہت زیادہ باتین نہ کرو۔ تمھاری باتین نہ اپنی نہ اپنے لیے اور نہ اپنے خلاف ہون۔ بلکہ معمول رکھو کہ اور لوگون کو جتنا وہ اپنی بابت کہنا چاہین کہہ لینے دو۔ اگر وہ اپنے متعلق باتین کرتے ہون تو تم کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اُس کو پسند کرتے ہین۔ پس اگر تم اُن کی باتون کو خموشی سے سنوگے تو اُن لوگون کا خیال تمھاری نسبت اور بھی زیادہ اچھا ہو جائے گا۔ کیونکہ تم نے ان کی باتین سن لین تمھین یہ نہ چاہیے کہ اس بات کو ظاہر کرو کہ تم اُس شخص کو بیوقوف یا موٹی عقل کا سمجھتے ہو۔ (لیکن ہان اگر یہ ظاہر کرنا تمھارا فرض ہو تو مجبوری ہی) اگر تم نے ایسا کیا تو اُسکو بیشک شکایت کا موقع ہوگا۔

ممکن ہی کہ تمھاری رائے غلطی پر ہو۔ اور اگر ایسا ہوا تو وہ شخص تمھاری نسبت بھی وہی رائے قائم کرے گا جو تم نے اُس کی نسبت قائم کی تھی۔

برک[1] نے ایک مرتبہ کہا کہ "مین کسی پوری قوم پر کبھی جُرم نہ لگا سکا"۔ ایک فرقہ بھر پر یا کل آدمیون پر جو ایک پیشے کے ہین حملہ کرنا دانشمندی سے بہت بعید ہے۔ ایک شخص بھول جاتا ہی اور معاف بھی کر دیتا ہے لیکن ایک جماعت کے دل سے کبھی بات نہین نکلتی۔ علاوہ برین ایک شخص واحد بھی ضرر رسانی کو بہ نسبت ہتک کے جلدی معاف کر دے گا۔ بیہودہ بنائے جانے سے زیادہ کوئی اور بات دل مین نہین کھٹکتی ہی۔

---

[1] برک انگلستان کا ایک نامی ادیب اور گران پایہ مدبر مملکت تھا ۱۷۲۸ء مین پیدا ہوا اور ۱۷۹۷ء مین دنیا سے رخصت ہوا۔

لوگوں کو برہم کرنے یا بنانے سے تم کو اپنے مقصد میں کبھی کامیابی نہ ہوگی۔

گیٹے[1] نے **ایکرمین** سے گفتگو کرنے میں ہمارے ملک یعنی اہل انگلستان کی بہت تعریف کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "انگریز لوگوں کی آمد اور طرز معاشرت میں کچھ ایسا استقلال ہے اور وہ بھی خاموشی کے ساتھ ہوتا ہے کہ آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ گویا ہر جگہ کے یہی مالک ہیں اور ساری دنیا اُنھیں کی ہے"۔ ایکرمین نے جواب دیا "مگر اس میں شک نہیں ہے کہ نوجوان انگریز جرمن کے نوجوانوں سے نہ تو زیادہ ہوشیار ہیں نہ زیادہ تعلیم یافتہ اور نہ اُن کا دل اِن سے زیادہ صاف اور اچھا ہے"۔ گیٹے نے جواب دیا "جو میں کہتا ہوں وہ بات نہیں ہے بے شک اِن باتوں میں وہ لوگ بڑھے ہوئے نہیں ہیں۔ اور نہ اُن کو دولت اور نسب کا فرق ہے۔ مگر اُن کی فوقیت یہ ہے کہ اُن میں ویسے ہی ہونے کی ہمت ہے جیسا کہ فطرت نے اُنھیں بنایا ہے۔ وہ ادھورے نہیں ہیں وہ پورے آدمی ہیں میں مانتا ہوں کہ بعض وقت وہ پورے بیوقوف بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اس میں بھی ایک بات ہے اور وہ قابل قدر ہے"۔

ہر ایک کام اور ہر تحریر میں بُردباری اور تحمل سے کام لو۔ بہت سے لوگ یہ زیادہ پسند کریں گے کہ آپ اُن کی پوری داستان کو سنیے بمقابلہ اس بات کے کہ آپ اُن کی درخواست کو بغیر سنے منظور کرلیں۔

کبھی آپ سے باہر نہ ہو۔ اور اگر کبھی برہم ہو بھی جاؤ تو اپنی زبان بند رکھو۔ اور کوشش کرو کہ تمھاری برہمی ظاہر نہ ہو۔ غصے کو موقوف کرو۔ برہمی کو چھوڑ دو۔ اور بُرائی کرنے کے واسطے بیقرار نہ ہو جاؤ۔ کیونکہ ایک نرم جواب غصے کو دور کرتا ہے اور آزردہ کرنے والی باتیں غصے کو بڑھا دیتی ہیں۔

ایسی جگہ کبھی نہ گھس پڑو جہاں تمھاری ضرورت نہ ہو یا تم نہ بلائے گئے ہو۔ دنیا بھر میں تمھارے واسطے جگہ پڑی ہے۔ **کنگ جیمس** نے کسی سے کہا کہ "کیا میرے پاس تین سلطنتیں نہیں ہیں؟ اور تجھے میری ہی آنکھ میں گھسنا فرض ہے؟"

بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ یا تو غلط بات کہیں گے یا ایسی بات کہیں گے جس سے پرملال واقعات تازہ ہو جائیں۔ اور اختلاف رائے پیدا ہو۔

---

[1] گیٹے سب سے بڑا جرمنی کا ادیب تھا۔ سنہ ۱۷۴۹ء میں پیدا ہوا۔ اور سنہ ۱۸۳۲ء میں مرا۔

جو علم آدمیون کے حق مین مفید ہو اُس سے زیادہ مفید کوئی سائنس نہین ہی
یہ سب سے زیادہ ضروری ہی کہ تم عقلمندی سے نہ صرف اس بات کا فیصلہ کرنیکے قابل
ہو کہ کس آدمی پہ بھروسہ کرنا چاہیے اور کس پہ نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ اس بات کا بھی کہ کہان
تک اور کس معاملے مین تم کو اُن پہ بھروسہ کرنا چاہیے۔ یہ چیز آسان نہین ہی۔ یہ بہت ضروری
ہی کہ تم اُن لوگون کو جو تمھارے ساتھ یا تمھاری ماتحتی مین کام کرین اچھی طرح پسند کرلو اور
جو جس وضع اور جس کام کا ہو اُسے اُسی وضع اور اسی کام مین لگاؤ۔

کن فیوشیس[۵۱] کا قول ہی "جس آدمی کیطرف سے تم مشکوک ہو اُسے کبھی نہ نوکر
رکھو۔ اور اگر نوکر رکھو تو پھر اُس پہ شک نہ کرو"
شکی آدمیون کی بہ نسبت وہ لوگ جو لوگون کا اعتبار کر لیتے ہین اکثر زیادہ
درستی پہ ہوتے ہین۔

اعتماد کلی ہونا چاہیے لیکن اندھا نہ ہو جانا چاہیے۔ **مرلن**[۵۲] باوجودیکہ
عاقل تھا لیکن چونکہ اس نے کوتاہ فہمی سے **وائی وین** کی اس التجا کو منظور کر لیا
کہ "یا تو میرے اوپر پورا بھروسہ کرو یا بالکل نہ کرو" اور آخر اسی کے نتیجے مین اپنی جان
گنوادی۔

ہمیشہ عقل سے کام لو۔ اور آپ خود ہی اپنے مشیر رہو۔ کیونکہ اگر خود ایسا
نہین کرتے ہو تو یہ امید کرنا فضول ہی کہ دوسرا تمھارے واسطے کرے گا۔ ایک عقلمند آدمی
کا منھ اُسکے دل مین ہوتا ہی۔ اور بیوقوف آدمی کا دل اُسکے منھ مین ہوتا ہی۔ کیونکہ
جو کچھ وہ جانتا ہے یا خیال کرتا ہے اُسے فوراً بک ڈالتا ہے۔

اپنے دماغ سے کام لو اپنی عقل سے صلاح لو۔ یہ بات نہین ہی کہ عقل سے

---

[۵۱] کن فیوشیس چین کا بہت بڑا فلسفی محقق اور مقتدائے دین گزرا ہی جو آج تک چین ما چین اور کوریا مین مانا جاتا ہے۔ اُس نے اخلاقی اصلاح ہی نہین کی بلکہ چین کی سلطنت بھی مضبوط کر دی۔ یہ حکیم حضرت مسیح سے چھ سو برس پیشتر تھا۔

[۵۲] مرلن ایک بہت پڑانا انگریزی افسانہ پردازہے جو سنہ ۴۸۰ء مین تھا۔ وہ اپنے زمانے مین ایک جادوگر اور کاہن خیال کیا جاتا تھا۔ خلاف عقل اور جادو کی سی کہانیان اس کی طرف منسوب ہین اس کا اور وائی وین کا قصہ بھی اسی قسم کا ہے۔

غلطی ہی نہین ہوتی۔ لیکن اگر تم ایسا کروگے تو بظن غالب تم سے کم غلطی ہوگی۔
گفتگو اگر چاندی ہی تو خموشی سونا ہے۔

بہت سے لوگون کی غرض بات کرنے سے یہ نہین ہوتی کہ اُن کو کچھ کہنا ہوتا ہی بلکہ اُن کو محض باتین کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ گفتگو دماغ کی مشق کے واسطے ہونی چاہیے نہ زبان کی مشق کے لیے۔ محض باتین کرنیکے شوق مین بک بک کرنا کامیابی کیواسطے مضر ہی ڈاکٹر بٹلر[51] لکھتا ہی کہ "آدمی باتین کرتے کرتے کچھ ایسے جوش مین آجاتے ہین کہ اپنی دُھن مین وہ باتین کہنے لگتے ہین جو اُن باتون سے بالکل مختلف ہوتی ہین جن کے کہنے کا اُنھون نے شروع مین ارادہ کیا تھا اور جنھین کہ کے تھوڑی دیر کے بعد وہ پچھتاتے ہین کہ اگر ہم نے نہ کہا ہوتا تو اچھا ہوتا۔ بارہا ایسا ہوتا ہی کہ ایسی غیر مناسب باتین اُن کے منھ سے نکل جاتی ہین جن کے کہنے مین اُن کا مقصد سوا ے زبان کو کام مین لانے کے اور کچھ نہ تھا زبان کی بے لگامی اور بے سوچے سمجھے کچھ کہہ بیٹھنا بے شمار بُرائیون اور تکلیفون کا باعث ہوتا ہی۔ اس سے اُن لوگون کے دلون مین کینہ پیدا ہوجاتا ہی جن کی بابت بات چیت ہوئی ہو۔ لوگون مین جھگڑے اور فساد کا بیج بوجاتا ہی۔ اور اسکی وجہ سے وہ ذرا ذرا سے قصور اور ناگواریان مشتعل ہوجاتی ہین جو اگر ان باتون کے ذریعے سے یاد نہ دلائی جاتین تو خود بخود جاتی رہتین لابرویر کا قول ہی کہ "عمدہ تقریر کے لیے جس قدر مادّے کی ضرورت ہی اس سے محروم رہنا اور نہ اس قدر دماغ ہونا جس کی مدد سے کہ وہ بنا ہی جاسکے ایک بہت بڑی بدقسمتی کی بات ہی" **پلوٹارک** نے **ڈی میریٹس**[52] کی بابت یون لکھا ہی کہ "ایک مرتبہ وہ ایک مجلس مین بیٹھا ہوا تھا اور اپنی زبان بند کیے ہوے تھا۔ اس سے پوچھا گیا کہ کیا تو بیوقوف ہے یا تیرے پاس بولنے کے لیے الفاظ نہین ہین جو تو خاموش بیٹھا ہی؟ اُس نے جواب دیا احمق اپنی زبان کبھی نہین روک سکتا" حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا ہی "اگر تم کسی ایسے آدمی کو دیکھو جو

---

[51] ڈاکٹر بٹلر انگلستان کا ایک مشہور و مستند مورخ ہی۔ سنہ ۱۹۱۲ء مین پیدا ہوا اور سنہ ۱۸۶۱ء مین مرگیا۔
[52] ایک بڑا مشہور یونانی حکیم اور مدبر جو حضرت مسیح سے ۳۱۷ برس پیشتر تھا۔

باتین کرنے مین بہت جلد باز ہو تو یہ جان لو کہ ایک بیوقوف شخص اس سے زیادہ اپنا کام چلا سکتا ہے۔"

اپنی فوقیت یا بڑائی کے ظاہر کرنے کی کبھی کوشش نہ کرو۔ کیونکہ انسان کو کمتر سمجھے جانے کا خیال سب باتون سے زیادہ ناگوار معلوم ہوتا ہے۔

اپنے بیان پر حد سے زیادہ یقین نہ رکھو۔ باوجودیکہ تم کو اس پر یقین کامل ہو مگر ممکن ہو کہ تم غلطی پر ہو۔ حافظہ ہمین عجیب عجیب چکمے دیتا ہو۔ اور بعض اوقات آنکھ اور کان دونون دھوکا کھا جاتے ہین۔ ہمارے تعصبات اور ہماری بدگمانیان باوجودیکہ عرصے کی ہو گئی ہون مگر ممکن ہے کہ اُن کی کوئی قوی بنا نہ ہو۔ علاوہ برین اگر تم راستی پر ہو تو حد سے زیادہ تیقن نہ ظاہر کرنے سے تمھارا کچھ نقصان نہ ہو جائے گا اپنے کام پر بھی حد سے زیادہ تیقن نہ رکھو۔ اور جب کبھی کسی کام کا موقع مل جائے تو اُسے ہاتھ سے نہ جانے دو۔ نہ معلوم آیندہ کیا ہو۔ اور اونٹ کس کروٹ بیٹھے۔

شعر بیک لحظہ بیک ساعت بیک دم دگرگون میشود احوال عالم

کہا گیا ہو کہ جن لوگون کو انتظار کرنا آتا ہو۔ اور موقع کو پانے کے بعد ہاتھ سے نہین جانے دیتے ہین اُنھین ہر چیز مل جاتی ہے۔ جس شخص کو کام کرنے کا موقع حاصل ہو اور نہ کرے تو یہ یاد رکھو کہ جب وہ کرنا چاہیگا تو اس وقت اسکو موقع نہ ملے گا۔

اگر ایک مرتبہ تم موقع کو ہاتھ سے نکل جانے دوگے تو پھر دوبارہ تم کو کبھی موقع نہ ملے گا۔ ع گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہین

احتیاط رکھو مگر اس بات مین حد سے نہ گزر جاؤ۔ اس بات سے بہت زیادہ نہ ڈرو کہ ہم سے غلطی ہو جاوے گی۔ کیونکہ جو شخص کبھی غلطی نہین کرتا وہ کچھ بھی نہ کرے گا۔

ہمیشہ ستھرے لباس مین رہو۔ چونکہ پہننا ضروری ہو لہذا ہم کو اچھے کپڑے پہننا چاہیے۔ مگر حد سے زیادہ اچھے نہین۔ اور نہ ایسے فضول کپڑے جن مین وقت اور روپیہ ضائع ہو۔ مگر ہان اس کا لحاظ رہو کہ چیز اچھی ہو۔ یہ بڑی تعجب انگیز بات ہے کہ لوگ کس قدر زیادہ دوسرے لوگون کی نسبت اپنی راے محض اُن کی پوشاک پر قائم کر لیتے ہین۔ جن لوگون سے تم ملتے ہو اُن مین سے بہت ایسے ہوتے ہین جو اپنی راے ہر حالت مین محض ظاہری وضع وقطع پر قائم کیا کرتے ہین۔

اور بہت زیادہ ایسے ہین جو تمھارے اوصاف کی بابت کچھ نہین جانتے۔ اور مجبوراً اُن کو تمھاری شکل اور صورت ہی پر راے قائم کرنی پڑتی ہے۔ آنکھون اور کانون کے ذریعہ سے دل مین جگہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ننانوے فی صدی تم کو محض دیکھین گے۔ اور فی صدی ایک شخص کو تمھارے اوصاف کا علم ہوگا۔ علاوہ برین اگر تم اپنی بابت بے خبر ہو اور صاف ستھرے نہین رہتے تو یہ نتیجہ نکالنا غیر مناسب نہ ہوگا (باوجودیکہ لازمی نتیجہ نہین) کہ تم دوسرے امور مین بھی بے خبر ہوگے۔

جب تم سوسائٹی مین شریک ہو تو ہمیشہ اُن لوگون کے طرز کو دیکھو جن کا طور و طریقہ اچھا اور دل فریب ہو۔ ایک پرانی مثل ہے کہ "طرز انسان بنا دیتا ہے"۔ اور دل فریب شکل ایسی سفارشی چٹھی ہے جو ہمیشہ اور ہر وقت کام آتی ہے"۔ باوجود اس مثل مین کسی حد تک مبالغہ ضرور ہے لیکن اس مین بہت کچھ سچ بھی ہے۔ بشپ[۱] مڈلٹن کا قول ہے کہ "طرز کو ہر ایک شخص کچھ نہ کچھ ضرور مانتا ہے۔ لیکن بعض آدمیون کے نزدیک طرز ہی سب کچھ ہے۔ لیاقت اور علم دلون کو نہین چھین سکتے۔ ہان اگر دل اُن کے قبضے مین آجا وین تو بیشک پھر نہ نکل سکین گے۔ آنکھون کو اپنی وضع صورت اور حرکات و سکنات سے اپنا فریفتہ کر لو۔ اور کانون کو اپنی گفتگو کی لطافت و تازگی سے خوش کر دو۔ تب غالباً (بلکہ مین یہ کہون گا اغلب ہے کہ) دل خود ہی تمھارا ہو جائے گا"۔ آنکھین اور کان ہر شخص کے پاس ہوتے ہین۔ مگر بہت کم ایسے لوگ ہوتے ہین جن کی راے بھی سلیم ہو۔ دنیا ایک اسٹیج ہے۔ اور ہم سب لوگ ایکٹر ہین۔ اور ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ تماشے کی کامیابی اس کے اچھا کھیلے جانے ہی پر منحصر ہے۔

لارڈ چسٹر فیلڈ نے اپنے لڑکے کے بابت یون کہا ہے "لوگ مجھ سے یہ کہتے ہین کہ جہان کہین اُسکو لوگ جانتے ہین اُس سے محبت کرتے ہین۔ مجھے اس بات کی بہت خوشی ہے۔ مگر میری خواہش یہ ہے کہ لوگ اُسکو جاننے سے پہلے پسند کرین اور بعدازان محبت کرین"۔ اگر تم وضع اور طرح وغیرہ کو ضروری نہین سمجھتے تو یہ جان لو کہ تم لوگون کے طبائع سے بہت ہی کم واقف ہو۔ یہ ایسی باتین ہین کہ اُن کی طرف تم

[۱] بشپ مڈلٹن انگلستان کا ایک دینی مقتدا اور محقق مصنف تھا ۱۶۸۳ء مین پیدا ہوا اور ۱۷۵۰ء مین مر گیا۔

جتنی زیادہ توجہ کرو کم ہے۔ یہی ایسی چیزیں ہیں جو دل کو بہت مرغوب معلوم ہوتی ہیں اور دل کو گرویدہ بنا لیتی ہیں۔ جن کا سمجھنا عقل کے واسطے حیات کا حکم رکھتا ہے۔

گریسیز زندگی میں قریب قریب اسی قدر مدد دیتی ہے جس قدر کہ **میوزز**[۱] ہم سب جانتے ہیں کہ ایک شخص گھوڑا چرا لیجاتا ہے اور مضائقہ نہیں کیا جاتا۔ اور دوسرے شخص کو جھاڑی کی طرف دیکھنے کی بھی اجازت نہیں دیجاتی۔ اس کا باعث یہ کہ ایک شخص اپنا کام خوشگواری کے ساتھ کرتا ہے اور دوسرا بھونڈے پن سے **ہارس**[۲] کہتا ہے کہ "**یوکھ** اور **مرکری** جو خوش بیانی اور ہنر کے دیوتا تھے بغیر گریسیز (اسی زینت کی دیوی) کی مدد کے بے دست و پا تھے"۔

(ترجمہ)

کفایت شعاری

کفایت شعاری کی انگلستان میں جتنی قدر ہونی چاہیے نہیں ہوتی۔ ہمارے ہموطن سخت محنت کرتے ہیں۔ اور معقول آمدنی بھی رکھتے ہیں لیکن کفایت شعاری میں دوسری قومیں ہم سے بڑھی ہوئی ہیں۔ ایک بڈھے عقلمند **کویکر**[۳] نے کہا ہے۔ "اس بات کا فیصلہ کہ تو امیر ہوگا یا نہیں۔ اس پر مبنی نہیں ہے کہ تو کس قدر پیدا کرے گا بلکہ اس بات پر ہے کہ تو کیا خرچ کرے گا"۔

قطع نظر اس خیال کے کہ کفایت شعاری سے تم امیر ہو جاؤ گے۔ آیندہ کی ضرورتوں کے واسطے بھی بچا رکھنا مناسب اور ٹھیک ہے۔ ایک بھونڈی مثل ہے کہ "جب مفلسی دروازے سے داخل ہوتی ہے تو محبت کھڑکی کی راہ نکل بھاگتی ہے"۔ لیکن یہ دیکھنا کہ ہمارے جورو بچوں کو کھانا کپڑا میسر نہیں ہے ہمارے پاس

۱۔ میوزز یونانیوں کے عقیدے میں لیاقت و دانائی کا دیوتا تھا۔ اور گریسیز یونانیوں کی ایک دیوی تھی جس کی جانب زینت و آرائش کے اوصاف منسوب کیے جاتے تھے۔

۲۔ ہارس جس کا نام یونانی میں ہوراشیوس تھا ایک شیرین زبان یونانی شاعر تھا جو حضرت مسیح سے ۶۵ سال پیشتر پیدا ہوا تھا اور ۸ سال قبل مر گیا۔

۳۔ عیسائیوں کا ایک فرقہ جس کے پیرو لڑائی وغیرہ سے بہت اجتناب کرتے ہیں۔

اتنا روپیہ نہین ہو کہ بیماری کے وقت ہم اُن کا علاج کر سکین۔ یا اُن کو آرام و آسایش دے سکین۔ یا جب کہ ہم کو اس بات کا خیال آوے کہ اگر ہم نے مناسب مشقت کی ہوتی یا ہم نے اپنے ساتھ بے ضرورت فیاضیان نہ کی ہوتین تو آج اُن کو تکلیف اور فکر سے بچا لیتے۔ کس قدر پر اندوہ اور پر حسرت حالت ہو! اس مین شک نہین کہ کفایت شعاری محض روپیہ جمع کرنے کی غرض سے ذلت ہو۔ لیکن اس خیال سے کہ ہم کو دوسرون کی محتاجی نہ رہے۔ نہایت درست اور مردانگی ہے۔

ہمیشہ حساب و کتاب رکھو۔ اور بہت ہوشیاری کے ساتھ میرا یہ مطلب نہین ہے کہ ذرا ذرا سے خرچ کی بھی تشریح کرنا ضروری ہے بلکہ میرا منشاء صرف اس قدر ہو کہ تم کو یہ بات معلوم رہو کہ روپیہ کس طرح خرچ ہوتا ہو۔ اور تمھین اشیاء کی بابت کس قدر قیمت دینی پڑی ہو۔ جس کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ میری آمدنی کس قدر ہو اور مین کتنا خرچ کرتا ہون وہ ہرگز فضول خرچ نہین ہو سکتا۔ فضول خرچ لوگ اپنی آنکھین بالکل بند کر لیتے ہین تاکہ اس امر کو نہ دیکھین کہ ہم کیا کر رہے ہین اس امر کو اپنی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت کوئی نہین کر سکتا کہ وہ تباہی کے نشیب مین پھسلتا ہوا چلا جا رہا ہے۔

تم جو بات کرو اپنی آمدنی کے موافق کرو۔ ہر سال کچھ بچا دو چاہے وہ بالکل قلیل ہی ہو۔ لیکن سب باتون سے زیادہ یہ بات ضروری ہے کہ تم قرض نہ لو ڈکنس[۱] کہتا ہو" اگر ایک آدمی کی سالانہ آمدنی بیس روپیہ ہو اور اس کا سالانہ خرچ انیس روپے پونے سولہ آنے ہو تو اس کا نتیجہ خوشی ہو گا۔ اور اگر اسکی آمدنی بیس روپیہ ہو اور خرچ بیس روپیہ اور ایک پیسہ ہو تو یہ سمجھ لو کہ نتیجہ مصیبت ہو گا۔ باوجودیکہ دونون مین صرف دو ہی پیسے کا فرق ہے"

یہ کہنا زیادہ سخت نہ ہو گا کہ قرضہ غلامی ہے۔ جو شخص قرض لیتا ہو وہ غم

---

[۱] ڈکنس انگلستان کا سب سے زیادہ باوقعت مہذب باذاق اور مقبول و ہر دل عزیز ناول نویس تھا جسے انگریز بہ حیثیت ناول نویسی کے سب سے اول جگہ دیتے ہین۔ ۱۸۱۲ء مین پیدا ہوا اور ۱۸۷۰ء مین مرا

[۲] ہوریس گریلی کے حالات سے ہم افسوس کے ساتھ لکھتے ہین کہ واقف نہین ہو سکے۔

مول لیتا ہے۔ بہت چیزین زندگی مین ناگوار و ناپسند ہوتی ہین ہوریس گریلی نے جو کہ ایک بہت بڑا تجربہ کار آدمی تھا نہایت خوب اور صحیح کہا ہے کہ "بھوک۔ سردی۔ چیتھڑے سخت مشقت اہانت۔ اور بیجا ملامت یہ سب باتین ناگوار ہوتی ہین۔ لیکن قرض ان سب سے کہین زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ کبھی قرض نہ لو۔ اگر تمھارے پاس صرف چار آنے ہون۔ اور ہفتہ بھر تم کو کچھ اور ملنے کی امید نہ ہو تو چنے خرید لو اور انھین بھنا کے رکھ چھوڑو۔ ان پر بسر کرنا اس سے اچھا ہے کہ کسی سے ایک روپیہ قرض لو" کاب ڈن کہتا ہے "دنیا مین صرف دو قسم کے آدمی ہین (۱) جو بچاتے ہین (۲) جو خرچ کرتے ہین یعنی کفایت شعار اور فضول خرچ۔ یہ کفایت شعار ہی لوگ ہین جن کی بدولت مکانون۔ کپڑے بننے کی کلون۔ پلون۔ اور جہازون کی تعمیر ہوئی۔ اور انھین لوگون کے تصدق مین وہ بڑے بڑے کام انجام پائے جن کی وجہ سے انسان کو شائستگی اور خوشی حاصل ہوئی اور جن لوگون نے اپنے مال و دولت کو لٹا دیا وہ ان لوگون کے ہمیشہ غلام رہے۔ یہ قانون قدرت ہے کہ ایسا ہی ہو گا۔ اور اگر مین کسی گروہ سے یہ کہون کہ آپ لوگون کی ترقی اسی وقت ہو گی جب آپ ناعاقبت اندیشی بے خبری اور کاہلی پر کمر باندھ لین تو جان لیجیے کہ مین دغا باز آدمی ہون"

پلوٹارک کہتا ہے "آرٹمیس کے مندر واقع شہر افسوس مین جو قرضدار جا کے پناہ لیتا ہے وہ قرض خواہ سے مطمئن اور محفوظ ہو جاتا ہے۔ لیکن دانا آدمی کے واسطے کفایت شعاری کی دارالامان ہر جگہ موجود ہے۔ جس مین اُسے عزت اور خوشی ملتی ہے۔ اور آرام و آسائش کے واسطے وافی جگہ موجود ہے" سوائے کاروبار کے نہ قرض لو نہ دو۔ کیونکہ نہ تم کو روپیہ ہی واپس ملے گا۔ اور نہ قرضدار تمھارا شکریہ ادا کرین گے۔ قرضدار بھی ہمیشہ یہ خیال کرتے

---

۵۱ ہوریس گریلی کے حالات سے ہم افسوس کے ساتھ لکھتے ہین کہ واقف نہین ہو سکے۔

۵۲ کاب ڈن انگلستان کے ایک ضلع کے ایک کسان کا بیٹا تھا جو تجارت کے ذریعے سے ترقی کر کے اس درجے کو پہونچا کہ پارلیمنٹ کا ممبر ہو گیا۔ اور ایسا لائق اور جادو بیان اسپیکر ثابت ہوا کہ بہت کم لوگ اس کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ سنہ ۱۸۰۴ء مین پیدا ہوا۔ اور سنہ ۱۸۶۵ء مین راہی ملک عدم ہوا۔

۵۳ آرٹمیس قدیم بت پرستان یونان کا ایک دیوتا تھا جس کا بڑا مندر ایشیاے کوچک کے شہر افسوس مین قائم تھا۔ اور اس کو یہ حق حاصل تھا کہ جو قرضدار اُس مین جا کے پناہ لے اس سے قرض خواہ کسی قسم کی باز پرس نہ کر سکتا تھا۔

ہین کہ ہمارے ساتھ بے انصافی کی گئی اور ہم کو ضرر پہونچا۔ جتنا تم فیاضی سے دے سکتے ہو دو لیکن اسکے پھر ملنے کی امید نہ رکھو۔

اگر پہلے پہل تمھارے پاس روپیہ آہستہ آہستہ آوے تو ہمت نہ ہارو کیونکہ وہ گلی بہت لمبی ہوتی ہے جس مین کوئی موڑ نہین ہوتا۔ اور اگر ایسا واقع ہو کہ پہلے پہل تمھارے پاس روپیہ آسانی سے آجاے تو سب کا سب خرچ نہ کر ڈالو۔ بلکہ کچھ بارش کے موسم کے لیے بھی بچا رکھو۔ یہ یاد رکھو کہ سب گلیون مین خواہ وہ اچھی ہون یا بُری موڑ ضرور ہوا کرتے ہین۔ اور جو جو وقت گذرتا جائے گا تم کو خرچ کی ضرورتین بڑھتی جائین گی۔ بہت لوگ کاروبار مین اس وجہ سے تباہ ہو گئے کہ اوائل مین حد سے زیادہ خوش قسمت ثابت ہوے تھے۔

امیر ہونے کی بہت جلدی نہ کرو۔ رسکن کہتا ہے "اگر تم قیمت کو تصویر پر حکمرانی نہ کرنے دو گے تو ایک وقت ایسا آوے گا جب تصویر قیمت پر حکمرانی کرے گی" یعنی اگر تم تصویر کو اس قیمت پر نہ بیچ ڈالو گے جو تم کو پہلے پہل دیجاتی ہے تو ایک وقت آئے گا کہ اس کی تم جو قیمت مانگو گے ملے گی۔ روپئے کے واسطے متردد نہ ہو۔ باوجودیکہ چند ہی لوگ ایسے ہوتے ہین جن کو بہت مالدار ہو جانے کی امید ہوتی ہے۔ لیکن شفقت اور کفایت شعاری سے ہر شخص اپنا پیٹ پال سکتا ہے۔ ہم لوگون کو اکثر کہتے سنتے ہین کہ "فلان شخص کے پاس دولت ایمانداری سے نہین آئی ہے" لیکن یہ بات شاذ ہی سنی جاتی ہے کہ "مفلسی کسی کے پاس ایمانداری سے آئی ہو" وہ شخص مفلس نہین ہے جس کے پاس روپیہ کم ہے بلکہ اصل مین مفلس وہ ہے۔ جس کی ضروریات بہت ہین۔

سر جمیس پیجٹ[1] جو ڈاکٹری کے مستند عالم تھے ایک ایڈرس مین جو کہ اُنھون نے اپنے چند ایسے شاگردون کے متعلق دیا تھا جن کے حالات زندگی سے وہ بخوبی واقف تھے بیان کیا ہے کہ "منجملہ ایک ہزار طلبہ کے دو سو نے تو پیشہ ہی کو چھوڑ دیا۔ اور دیگر ذرائع سے دولت مند ہو گئے یا اوائل ہی مین مر گئے باقیماندہ آٹھ سو مین سے چار سو نے اچھی دولت حاصل کی اور بعضون نے اُن مین سے بہت ہی

---

[1] سر جمیس پیجٹ انگلستان کا ایک مشہور ڈاکٹر تھا۔ اسکے سنہ ولادت و وفات کا ہم پتہ نہین لگا سکے۔

ابن صائغ ابو بکر محمد بن صائغ الباجی التجیبی

اندلوسیہ عظمیٰ مین جسے فی الحال اسپین کہتے ہین ایک صوبہ ہے جس کو انگریزی نقشون مین تم "سراگوسہ" یا "ذرا گوذا" پڑھو گے۔ اس کا صدر مقام بھی شہر سراگوسہ ہے جو دریاے ہبرو کے شرقی ساحل سے ذرا ہٹ کے واقع ہے۔ اور آج کل اُس ریلوے لائن کا پہلا اسٹیشن ہے جو سراگوسہ سے شروع ہوتی ہے اور "لریدہ" ہوتی ہوئی بندرگاہ "برقلونہ" تک چلی گئی ہے۔ لفظ سراگوسہ یورپین زبانون کی خراد پر چڑھ کے اس وضع پر آگیا ہے ورنہ اصل مین یہ سرقسطہ تھا۔ ایک مشہور نام جو عربی تاریخون مین بکثرت نظر آئے گا۔ شہر یا صوبہ سرقسطہ اسپین کے مشرقی صوبجات مین ہے اور پیرینیز یا اُن پہاڑون کے گویا دامن ہی مین واقع ہے جو اسپین کو فرانس سے جدا کرتے ہین۔ اور جن کو فرانس والے کبھی مسلمانون کی وجہ سے نہایت ہی خوف اور دہشت کی نگاہون اور مرعوب دل سے دیکھا کرتے تھے۔ ان پہاڑون کو اہل عرب کی اصطلاح مین "الباب" کہتے ہین۔

یہ صوبہ اب تو نہایت ہی ویران اور تباہ پڑا ہے۔ مگر کسی زمانے مین عجیب مردم خیز زمین رکھتا تھا۔ اس کے سواد سے خدا جانے کیسے کیسے لائق نکلے اور دنیا بھر مین مشہور ہو گئے۔ چوتھی صدی ہجری کے آخر زمانے مین یہان ایک شخص پیدا ہوا ابتداءً تو فلاکت زندگی نے اُسے عام ناموری کے اسٹیج پر نہ آنے دیا۔ لیکن آخر مین جب اُس نے اپنی علمی وقعت کا سکہ ہر دل پر بٹھا دیا۔ تو ایسی نیکنامی حاصل ہوئی کہ آج تمام تاریخین اور سب تذکرے اُس کے ذکر سے

بھرے پڑے ہیں۔ یہ وہی شخص ہے ابو بکر محمد بن صائغ جس کی وقعت نے اُس کے وطن سرقسطہ ہی نہیں بلکہ پورے ملک اسپین کو اس پہ فخر و ناز کرنے کا موقع دیا۔ اور اُس کے نام کے ساتھ اندلسی کا لفظ لکھا گیا۔

ابن صائغ کسی غریب گھرانے مین پیدا ہوا تھا۔ اور ایسے گمنامی کے گھر مین خدا نے اُسکی ولادت کی کہ مورخین کو اُسکے سنہ ولادت اور خاندان کا نام بھی نہین معلوم۔ ہان اسکے ابتدائی عہد کا پتہ اسی قدر چلتا ہے کہ پہلے تو نہایت پریشان حال تھا۔ اور افلاس و فلاکت مین زندگی گذرتی تھی۔ امیر سرقسطہ ابو بکر صحراوی کی تعریف مین چند قصائد کہے۔ اور اس نے انعام و اکرام سے خبر لی۔ اور اس طریقہ سے اُس عالم متبحر کو تھوڑی بہت فارغ البالی نصیب ہوئی۔ قطع نظر اس انعام و اکرام کے امیر ابو بکر خود بھی لائق تھا۔ ابن صائغ کے اشعار دیکھ کے سمجھ گیا کہ یہ کوئی ہونہار شخص ہے۔ چند روز کے بعد ایک ایسا زمانہ آیا کہ امیر ابو بکر ابن صائغ کی ذہانت اور لیاقت کا معترف تھا اور بے اُس کے مشورہ لیے کوئی کام نہین کرتا تھا۔

امیر ابو بکر ایک بڑے اولو العزم فرمانروا کا نام ہے اُسکو فتحمندی اور حملہ آوری کا نہایت شوق تھا۔ مشرقی ممالک جو فرانس والون کے قبضہ مین تھے وہ اُس کے دلچسپ شکار گاہ تھے۔ آخر اس نے تمام مشرقی اندلس کو فتح کر لیا۔ اور ایک صاحب ثروت بادشاہ کی حیثیت پیدا کر لی۔ اُسکی نظر مین ابن صائغ سے عمدہ مشیر کون ہو سکتا تھا۔ لہذا اُس نے ابن صائغ کو وزارت کے جلیل القدر عہدے پہ مامور کیا۔ یہ زمانہ ابن صائغ کی انتہائی کامیابی اور دولت مندی کا تھا۔ اور اسی عہد مین اُسے موقع ملا کہ اُس نے اپنے شوق کے مطابق مختلف علوم کی عمدہ عمدہ تصنیفات فراہم کین اور ایک اعلیٰ درجے کا فلاسفر بنگیا۔ زمانے کو ایک عالم و فاضل کی یہ فارغ البالی نہ پسند آئی۔ چند روز بعد امیر ابو بکر صحراوی نے انتقال کیا۔ اور ع

آن قدح بشکست وآن ساقی نماند

کا مقولہ صادق آیا۔ ابن صائغ کو ایسے علم دوست اور قدردان بادشاہ کے مرجانے کا نہایت ملال ہوا۔ چنانچہ امیر مغفور کے غم مین اُس نے ایک نہایت دردناک مرثیہ لکھا جس مین ایک یہ بے مثل شعر بھی تھا۔

وَسَئَلْنَا مَتَی اللِّقَاءُ فَقِیْلَ اَلْ حَشْرُ قُلْنَا صَبْرٌ اللّٰہِ وَشُکْرًا

یعنی آہ اُس کے جانے کے وقت مین نے دریافت کیا کہ پھر کب ملاقات ہو گی لوگون نے کہا حشر کے روز بس اتنا سنتے ہی مین نے خدا کا شکر کیا اور صبر کرکے خاموش ہو رہا" اس ایک شعر ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صائغ کو اپنے ولی نعمت کے مرنے کا کتنا بڑا صدمہ ہوا تھا۔ مگر خیر جس طرح بنا ابن صائغ نے وطن سے قدم باہر نکالا وہین رہا اور اپنے علمی مشاغل مین دل بہلاتا رہا۔

۵۱۲ھ مین اُس سرزمین پہ سب سے بڑی اور بہت بڑی مصیبت نازل ہوئی وہ یہ کہ امیر ابو بکر کے جانشین سلطنت کا انتظام نہ سنبھال سکے اور اضلاع شرقی اندلس پر پھر اہل فرانس کا قبضہ ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ وہ آج کل کا زمانہ نہ تھا جب مسلمان اور عیسائی باہم ملے جلے رہتے ہین۔ اور مسلمان تو خیر اکثر بلاد نصارٰی کے حکمران بھی تھے۔ مگر عیسائیون مین اتنی صلاحیت کہان تھی کہ اُن کی حکومت مین کوئی مسلمان امن و امان سے رہ سکے تمام مسلمان متوطنین شرقی اندلوسیہ پہ آفت آگئی۔ اور وطن چھوڑ چھوڑ کے بھاگنے لگے۔ الغرض اسی مسلمان گردی کے عہد مین بیچارے ابن صائغ نے بھی اپنا وہ پیارا وطن چھوڑا جس کو کسی طرح چھوڑنا نہین پسند کرتا تھا۔ ابن صائغ کا یہ پہلا سفر ہے جب اُس نے شرقی اسپین کو چھوڑ کے غربی اسپین کی راہ لی۔ اور عیسائیون کی حکومت سے نکل کے مسلمان بادشاہون کے ظل حمایت مین پناہ پائی۔

وہان بھی اُن دنون یحییٰ بن سعید بن تاشفین ایک فیاض اور علم دوست فرمان روا تھا۔ ایسے بے مثل و بے نظیر عالم اور کار آزمودہ وزیر کا آجانا اپنی خوش قسمتی سمجھا۔ اس نے ابن صائغ کو بلا کے خلعت وزارت عطا کیا۔ ابن صائغ نے بیس سال تک یحییٰ بن سعید کی وزارت کی۔ اور ایام وزارت مین ایسا عام پسند اور ہر شخص کا مرجع و ماوی رہا کہ لوگون نے اسکی وزارت کے ایام تمام گذشتہ ایام سے غنیمت جانے۔ امیر رکن الدین کا بیان ہے کہ صرف ابن صائغ کے حسن سیرت اور اعلیٰ اخلاق کے اثر سے تمام لوگون مین صلاحیت آگئی۔ اور نیز اُن کی انصاف پسندی نے ملک کے تمام جھگڑے اور فساد فرو کر دیے۔

تمام لوگون کا اتفاق ہے کہ ابن صائغ سرزمین اسپین کی بہت بڑے عالم بہت بڑے حکیم و فلسفی

اور بہت بڑے طبیب اور اول درجے کے شاعر تھے۔ سارے ملک اسپین مین اُن کی ذہانت دقیقہ رسی۔ باریک بینی۔ عاقبت اندیشی۔ اور قوت حافظہ کی شہرت تھی۔ جس خوبی سے انھون نے فلسفہ اور حکمت طبعی کے بہت بڑے بڑے نازک و مشکل مسائل کو حل کر دیا ہے اُس سے صاف ظاہر ہے کہ اُن کو دنیا کے تمام فلسفیون پر ترجیح تھی۔ ابن صائغ کے کمالات صرف گذشتہ فنون ہی تک محدود نہ تھے۔ بلکہ علم جغرافیہ نجوم اور ادب مین بھی اہل کمال علما نے انھین اپنا پیشوا اور امام مانا ہے۔ اور لطف یہ کہ باوجود ان علمی کمالات کے وہ زاہد خشک نہ تھے موسیقی مین بھی اعلیٰ کمال حاصل تھا جو شاید موجودہ علماے اسلام کے لیے موجب حیرت ہوگا۔

امام علی بن عبدالعزیز جو مشاہیر اندلس مین ہین اور جو امام غرناطہ کے لقب سے مشہور تھے۔ اس فاضل یگانہ کی شان مین فرماتے ہین "کَانَ فِی نِقَابَۃِ الذِّھْنِ وَلُطْفِ الْغَوْصِ عَلٰی تِلْکَ الْمَعَانِی الْجَلِیْلَۃِ الشَّرِیْفَۃِ الدَّقِیْقَۃِ اُعْجُوْبَۃَ دَھْرِہٖ وَ نَادِرَۃَ الْفُلْکِ فِیْ زَمَانِہٖ وَ ثَبَتَ اَنَّہٗ لَمْ یَکُنْ بَعْدَ اَبِیْ نَصْرِ الْفَارَابِیْ مِثْلُہٗ فِی الْفُنُوْنِ الَّتِیْ تَکَلَّمَ عَلَیْھَا" یعنی ابن صائغ معانی جلیل و مسائل دقیق مین جس خوبی سے فکر کرتے تھے اور جیسے عمدہ مسائل پیدا کرتے تھے اس کی حیثیت سے اپنے زمانے کے حیرت انگیز نمونہ تھے اور ایسے تھے کہ آسمان نے ایسے لوگ کم دکھائے ہون گے۔ یہ امر ثابت ہوگیا ہے کہ جن علوم مین کہ ابن صائغ نے بحث کی ہے اُن مین بعد ابو نصر فارابی کے اس وقت تک ان کا ایسا کوئی شخص نہین پیدا ہوا۔ جن لوگون نے اسلام کی کتب فلسفہ کو دیکھا ہے وہ جانتے ہون گے کہ ابو نصر کس پایے کا شخص تھا اور حکمت مین ابن صائغ کا اس کے بعد قرار دیا جانا اُن کے لیے کتنی بڑی عزت کا مسند خالی کرتا ہے۔

حسان الدین خطیب نے اپنی کتاب احاطہ مین ابن صائغ پر ان مختصر الفاظ سے ریویو کیا ہے "اِنَّہٗ اٰخِرُ فَلَاسِفَۃِ الْاِسْلَامِ بِجَزِیْرَۃِ الْاَنْدَلُسِ" یعنی ابن صائغ جزیرہ نماے اسپین مین اسلام کے پچھلے فلسفی تھے۔ بہ نسبت اس کے علامہ قطب الدین لاہجی نے ان مرحوم پر زیادہ وضاحت کے ساتھ ریویو کیا ہے۔ وہ فرماتے ہین "کَانَ عَلَّامَۃً وَقْتِہٖ فِی الْعُلُوْمِ الْحِکْمِیَّۃِ مُتَمَیِّزًا فِی الْعَرَبِیَّۃِ وَالْاَدَبِ

حَافِظاً لِلْقُرآنِ مُتْقِناً فِی صَنَاعَۃِ الطِّبِّ وَالْمُوسِیْقِی" یعنی امام ابن صائغ علوم حکمیہ و فلسفیہ میں اپنے عہد کے علامہ زبان عرب کے ادب و انشا پردازی مین ممتاز عصر۔ حافظ قرآن مجید۔ اور فن طب کے بہت بڑے ماہر اور موسیقی کے اول درجے استاد تھے۔ خاص فن طب مین ابن صائغ کی اعلیٰ منزلت کو اور لوگ بھی زیادہ زور دے کے بیان کرتے ہین۔ چنانچہ احمد بن ابی اصیبعہ کہتے ہین کہ فن طب کے دونون حصون یعنی علم و عمل مین اُن کو کمال حاصل تھا۔ ابن ابی اصیبعہ اس امر کو زیادہ تفصیل سے بیان کرتے ہین اور کہتے ہین کہ بلاد اسپین مین ابتدائً تو فن طب کی بڑی ترقی تھی اور بہت بڑے بڑے باکمال اس فن شریف کے وہان کی خاک سے پیدا ہوے تھے لیکن ادھر دو تین صدیون سے یہ فن وہان بالکل مٹ گیا تھا۔ اور کوئی نہ تھا جس کی نسبت سچے طور پر "طبیب" کا لفظ استعمال کیا جائے۔ اس پانچوین صدی کی ابتدا مین ابن صائغ نے ظہور کیا اور اس خوبی سے مردہ فن طب کو زندہ کیا کہ گویا قدرت کی طرف سے ملک کو گذشتہ کمی کا پورا عوض مل گیا۔ اصول طب کے متعلق فلسفۂ الٰہیہ سے ایسے ایسے نازک اور لطیف مسائل استنباط کیے کہ دنیا اُن کی دقت نظر اور تبحر پہ عش عش کرنے لگی۔ علیٰ ہذا القیاس طبیعیات اور فن طب کے عملی برتاؤ مین بہت اچھی مہارت تھی۔ اور اس بارہ مین اُن کی بعض تصانیف اُن کی اعلیٰ لیاقت ظاہر کر رہی ہین ہیأت اور ہندسہ مین بھی اُن کے چند رسائل ہین جن مین سے ہر ایک باواز بلند بتا رہا ہے کہ اُن کی واقفیت اور معلومات کا درجہ کس قدر اعلیٰ تھا جس کسی نے اُن کی کتاب "اتصال الانسان بالعقل الفعال" دیکھی ہوگی وہ صاف سمجھ جائے گا کہ ابن صائغ علوم فلسفہ الٰہیہ وغیرہ مین کس کمال کے بزرگ تھے۔ یہ امر مشہور ہے کہ ارسطاطالیس کے نظام فلسفی اور نیز اس کے نکات و رموز کو سمجھنا اسلام مین صرف ابن صائغ ہی کا کام تھا رئیس المتألہین شیخ الرئیس بن سینا اور امام غزالی جنھون نے ابو نصر فارابی کے بعد فلسفہ کے میدان مین توسن طبع کی جولانیان دکھائی ہین اُن کے خیالات کو ابن صائغ کے نتائج ذہنی کے برابر رکھ کے مقابلہ کیا جائے تو فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ ابن صائغ کا پایۂ فلسفہ مین کس قدر بلند ہے قاضی محمد بن رشید اور امام غرناطہ ابوالحسن علی بن عبد العزیز کو اس اسلامی بے مثل و بے نظیر فلسفی کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔

ابن صائغ کے معاصر ایک اور مشہور بزرگ تھے جن کا نام ہے ابونصر فتح بن خاقان علامۂ مقری اپنی تاریخ اسپین نفح الطیب فی غصن الاندلس الرطیب مین لکھتے ہین کہ ان بزرگ نے اپنی ایک تصنیف مین ابن صائغ کی بڑی تعریف کی اور اُس تعریف مین ایسی فصاحت و بلاغت صرف کی کہ ابن صائغ کی تعریف کے ساتھ اُنھون نے اپنے زور قلم کو بھی پورے طور سے دکھا دیا تھا۔ اُس عبارت کا خلاصہ مطلب یہ تھا کہ "ابن صائغ جوہر علم کے نور روشن ہین۔ اور تمام زمانے چاہتے ہین کہ ابن صائغ کے زمانے کو اپنا سرتاج بنائین تمام دنیا مین ان کی نکہت پھیلی ہوئی ہے اور اگر ایک چنگاری اُن کے آتش علم کی اُڑے تو سارا خرمن جہل خاک مین مل جائے" غرض اسی طرح اور بھی بہت کچھ مدح سرائی کی ہے اس کے چند روز بعد اُنھین بزرگ ابن خاقان نے ایک اور کتاب تصنیف کی جس کا نام رکھا "قلائد العقیان" اُس مین ابن صائغ کی ایسی سخت توہین اور ایسی بیہودہ ہجو کی ہے کہ دیکھتے شرم آتی ہے۔ فرماتے ہین "ابن صائغ دین کی آنکھ کا رمد اور ہدایت یافتہ لوگون کے حق مین ایک مرض ہے" اس ہجو مین بھی ابن خاقان نے اپنی انشا پردازی کے بڑے بڑے جوہر دکھائے ہین لوگ حیرت مین ہین کہ ابن خاقان نے اپنی راے کو اس قدر کیون بدل دیا۔ سوا کسی ذاتی فساد اور رنجش کے اور کوئی سبب ایسے تغیر کا نہین ہو سکتا۔ مگر علامۂ مقری نے اس کی تصریح کر دی ہے اور ایک عجیب یا مذاق واقعہ لکھا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہین کہ ابن خاقان کا قاعدہ تھا کہ ہر مجلس اور ہر محفل مین اپنی ہی تعریف کے پل باندھ دیا کرتے تھے۔ اتفاقاً ایک دن ابن صائغ کے گھر مین آئے اور یہان بھی وہی بلند پروازیان اور خودستائیان رنگ جمانے لگین۔ بیان کرنے لگے کہ فلان امیر نے مجھے وجد مین آ کے ایسا گران بہا موتی مرحمت کیا۔ اور فلان نے اتنا بڑا لعل گران بہا میری نذر کیا۔ اور اس وزیر کے وہان سے مجھے ایسا مرصع زیور ملا۔ زکام کا عارضہ تھا یہ کہتے کہتے خود فراموشی جو طاری ہوئی تو خیال نہ رہا اور ناک سے سبز سبز رینٹھ ہونٹھ پر لٹک آیا۔ یہ دیکھتے ہی ابن صائغ بے تحاشا بول اُٹھے "ہان ہان اُنھین مین کا یہ ایک زمرد بھی ہے جو آپ کے ہونٹھ پر ہے۔ اس جملہ نے ابن خاقان کو ایسا شرمندہ کیا کہ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور اسی روز سے ابن صائغ کی دشمنی پر کمر باندھی۔ مگر صاحب تاریخ الحکما نے اسکی

دوسری وجہ بیان کی ہے۔ وہ یہ کہ ابن خاقان نے ابن صائغ سے اُن کا کچھ کلام مانگا کہ اپنی تصنیف کو ان کے اشعار آبدار سے رونق دین ابن صائغ کو کسی وجہ سے یہ ناپسند ہوا۔ اور اُنھون نے نہایت بے مروتی سے اُن کے آدمی کو پھیر دیا اور جواب خشک دیا۔ ابن خاقان بس اسی امر پہ ناراض ہو گئے۔ اور گویا باہمی عداوت کی اسی سے بنا پڑی بہرحال زمانے نے اس امر مین ابن خاقان ہی کو ملزم ٹھہرایا۔ جنھون نے ایک بار تو بہت تعریف کی اور دوبارہ مخالفت مین حد سے گذر گئے۔

ابن صائغ کے مذکورہ کمالات اگرچہ اُن کو علما و فضلا و حکما و اطبا کی محفل مین اعلی مسند پہ جگہ دے رہے ہین مگر یہ زیادہ حیرت کی بات ہے کہ اگر آپ محفل مشاعرہ مین دیکھیے گا تو میر مجلس کی کرسی وہان بھی اُنھین کے قبضہ مین نظر آئے گی۔ ان کی شاعری نے عربی انشا پردازی مین جان ڈال دی تھی اور وہ اس قسم کے شاعر نہ تھے جیسے کہ اکثر موزون طبع علما ہوتے آئے ہین۔ جن کے خشک ذوق کو طبیعت کبھی پسند نہین کر سکتی ابن صائغ کی شاعری اُس اعلی درجۂ کمال کو پہونچی ہوئی تھی جو کسی دریاے عشق مین ڈوبے ہوے شاعر کے لیے ہونا چاہیے۔ دیکھیے یہ کس قیامت کے شعر ہین جو اس علامۂ عصر شاعر کے ذہن سے نکلے تھے۔

أسُكَّانَ نُعمانِ الأراكِ تَيقَّنُوا ... بِأنَّكمُ في رَبعِ قلبِي سُكّانُ

اے وادی نعمان کے رہنے والو جہان اراک کا جنگل ہے۔ یقین جانو کہ تم میرے دل کے مکان مین رہتے ہو۔

وَدُومُوا على حِفظِ الوِدادِ فطالما ... بُلِينا بِأقوامٍ إذا استُحفِظُوا خانُوا

اور دوستی کو ہمیشہ محفوظ رکھو اس لیے کہ بہت دن ہوے مین ایسے لوگون کی محبت مین مبتلا ہو گیا ہون جنھون نے دوستی کی امانت داری مین خیانت کی۔

سَلُوا اللَّيلَ عَنِّي إذ تَناءَتْ دِيارُكُم ... هَلِ اكتَحلَتْ لِي فيهِ بالنَّومِ أجفانُ

میری حالت رات سے پوچھو کہ جب سے تمھارے شہر مین آیا ہون کبھی میری آنکھون مین نیند کا بھی سُرمہ لگا ہے؟"

وَهَلْ جُرِّدَتْ أسيافُ بَرقِ سَمائِكُم ... فَكانَتْ لَها إلّا جُفُونِي أجفانُ

یا تمھارے آسمان کی بجلی کی کشیدہ تلوارون کے لیے میری پلکون کے سوا اور بھی کوئی میان تھا؟"

ابن صائغ کے زندگی کے واقعات بتا رہے ہین کہ شاعری صرف اکتسابًا اُن کے مذاق مین نہین پیدا ہوئی تھی بلکہ جوش عشق کے بہت کچھ جذبات بھی اُن کے دل مین موجود تھے۔ لیتے ہین کہ ابن صائغ کو کسی غلام کے ساتھ عشق تھا اور اُسکی محبت نے علامہ ممدوح کے دل مین ایک بے صبری کا جوش پیدا کر دیا تھا۔ اتفاقًا وہ غلام بعض ظالمون کے ہاتھ مین گرفتار ہوگیا اور اُن لوگون نے اُسے کسی ایسے شہر مین لیجاکے رکھا کہ ابن صائغ کو اُس کے حالات کی بالکل اطلاع نہ تھی۔ اُس غم مین اُنھون نے جو اشعار کہے ہین وہ اُن کے جذبات دل کے ساتھ اُن کے کمال شاعری کو نہایت خوش اسلوبی سے ظاہر کر رہے ہین۔ چند روز کے بعد خبر آئی کہ وہ غلام مرگیا۔ اس کا ابن صائغ کو اور صدمہ ہوا۔ اور مرثیہ کے طور پہ اُنھون نے جو اشعار فرمائے ہین وہ اور بھی زیادہ ذوق عشق مین ڈوبے ہوے ہین۔

ایک اور حیرت انگیز واقعہ ہے جس کو مورخین نہایت تعجب کے ساتھ بیان کرتے ہین۔ اور واقعی وہ تعجب کی بات ہے۔ ابن صائغ ایک پریجمال معشوقہ کے عارض زیبا اور زلف چلیپا کا دیوانہ تھا۔ تقدیر نے وہی پہلا سا معاملہ پھر ظاہر کیا۔ یعنی اِس معشوقہ نے بھی دنیا سے کوچ کیا۔ ابن صائغ نے اسکی تعزیت اور عزا داری کا اپنی طبیعت داری اور علمی قوت سے یہ پہلو ایجاد کیا کہ اصول ہندسہ سے چاند گہن کا وقت ٹھیک دریافت کرلیا۔ اور ایک نہایت ہی دل خراش دُھن مین دو شعر کہے جن مین چاند کی طرف خطاب کیا تھا یہ شعر کہہ کے رکھ چھوڑے وقت معلومہ پر غرناطہ کے بہت سے امرا و اعیان کو لے کے اُسکی قبر پہ گیا۔ چاندنی رات تھی۔ ہوا سے خنک چل رہی تھی۔ اور چاند اپنی نورانی چادر اُس نازنین مہ جبین کی قبر پہ چڑھا رہا تھا۔ تمام حاضرین پر اس دلفریب سین ہی نے ایک بیخودی کی کیفیت طاری کر دی تھی کہ ناگہان ابن صائغ نے اس وقت کی مناسب دُھن مین (جو ہمارے مذاق مین شاید سوہنی ہی ہوگی) یہ اشعار لہرداز تانون اور مینڈون کے ساتھ ماہتاب کی طرف خطاب کرکے درد کے ساتھ الاپنا شروع کیے۔

شَقِیقُکَ غَیَّبَ فِی لَحدِہٖ وَتَشْرُقُ یَا بَدْرُ مِنْ بَعْدِہٖ

فَهَلَّا كُسِفْتَ فَكَانَ الْكُسُوفُ حِدَادًا لَبِسْتَ عَلَى فَقْدِهِ

یعنی اے چاند تیرا نصف نور جس کے پاس تھا وہ تو قبر مین چھپ گیا۔ اور اس کے بعد اے چاند تو چمکتا ہے؟ تجھ مین گہن نہ لگ گیا؟ اِس لیے کہ گہن اُس کے غم مین تجھے سیاہ لباس پہناتا۔ اور تجھے غمگین ثابت کرتا۔ ان شعرون کو عمدہ لحن مین گاتے دو ہی گھڑیان گذری ہون گی کہ چاند مین گہن لگ گیا۔ اور عالم تیرہ و تار ہو گیا۔ یہ واقعہ ابن صائغ کے عجیب و غریب واقعات مین لکھا گیا ہے۔ اُس وقت جو جو اہل غرناطہ موجود تھے سب کو حیرت ہو گئی۔ اور سب کی آنکھون سے ہمدردی نے آنسو جاری کر دیے۔

ابن صائغ اندلسی کی شاعری کا کمال اُنھین لوگون کو معلوم ہو سکتا ہے جو عربی ادب مین ذوق سلیم رکھتے ہین۔ اس لیے کہ اشعار عربی کے لطف اور عربی زبان کی خوبیون کو ہم ہزار بتائین مگر ممکن نہین کہ جن لوگون کو خود ذاتی بصیرت نہین اُنھین کچھ بھی مزہ آئے۔ لہذا ہم اُس فخر اندلسیہ عظمیٰ فاضل کی شاعری کو چھوڑ کے اُس کے دیگر حالات سے بحث کرتے ہین۔

ابن صائغ کے بعض کلمات نے کچھ ایسی مقبولیت کا رتبہ پایا کہ ضرب المثل کے طور پر تمام اسلامی دنیا مین رواج پا گئے۔ ان کا قول ہے کہ "الاشیاء الَّتِي يَنْتَفِعُ يَعْلَمُهَا بَعْدَ زَمَانٍ طَوِيلٍ لَا يُضَيِّعُ بِذِكْرِهَا"۔ جن چیزون کے جاننے سے ایک مدت دراز کے بعد نفع کی امید ہو انھین ذکر کر کے ضائع نہ کرنا چاہیے۔ اور فرماتے ہین "حُسْنُ عَمَلِكَ يُجِيرُ مِنَ اللهِ سُبْحَانَهُ" تیرا حسن عمل تجھے پروردگار عالم کے غضب سے پناہ مین رکھتا ہے۔

ابن صائغ کی زندگی غرب ہسپانیہ کی وزارت ہی مین گذری یہ اُسکا بہت بڑا کمال تھا کہ وزارت کے بار عظیم اور انتظام مملکت کی ذمہ داریون کے ساتھ اپنی ذاتی کوششون سے انھون نے اپنا نام اسلام کے بہت بڑے فلسفیون اور اعلی درجے کے علما و فضلا کی فہرست مین لکھوایا۔ اُن کا شمار امرا و وزراے اسلام مین نہین خیال کیا جاتا۔ وہ دنیاے علم کے بہت بڑے منتظم بلکہ حکمران مانے جاتے ہین۔

عماد الدولہ بن زہو نے ایک بار کسی ذاتی عداوت کی وجہ سے ابن صائغ

کے قتل کا ارادہ کیا۔ ابن صائغ نے اس موقع پر دو شعر موزون کیے جن کے ذریعہ سے نا اُمیدی کے ساتھ اپنے استقلال کی تصویر دکھا دی تھی۔ صرف اُن شعرون ہی کا اثر تھا کہ اُن مرحوم کو اس مصیبت سے نجات مل گئی۔

انسان چاہے کتنے ہی کمالات سے آراستہ ہوا ور چاہے کیسا ہی فیاض اور خوش وضع ہو مگر امارت و دولت اس کے لیے صدہا قسم کی مصیبتین پیدا کر دیا کرتی ہے۔ دیکھو اسی کا نتیجہ تھا کہ عماد الدولہ بن زہو نے اُن کے قتل کا ارادہ کیا۔ اسی وزارت کا یہ بھی نتیجہ ہوا کہ دربار یحییٰ کے تمام اطبا اور کل خوش نویس اس فاضل گرانمایہ کے علم و دولت پر رشک کرنے لگے۔ ابن صائغ کی اعلیٰ ناموری اور اُن سب کی تنگ نظری نے اُن کے دل مین آتش حسد بھڑکائی۔ آہ! اس حسد کا انجام اچھا نہ ہوا۔ ۵۲۳ھ ماہ مبارک رمضان مین لوگون نے بینگن کے سالن مین زہر ملا کے ابن صائغ کو کسی فریب سے کھلا دیا۔ ابن صائغ اس وقت اسپین کے شہر فاس مین تھے۔ زہر نے فوراً اثر کیا۔ آخر اسی مہینہ مین ابن صائغ اندلسی کے ایسے فاضل یگانہ اور بے مثل فلسفی سے دنیا خالی ہو گئی۔ خدا غریق رحمت کرے اُنھون نے اپنے نام کو ناموری کے اس انتہائی درجہ پر پہونچا دیا تھا کہ بیشک دنیا تو اُن سے خالی ہو گئی۔ مگر نام کسی کے مٹائے نہ مٹ سکا۔ ہان اگر ضرر ہوا تو ملک کا جو اُن کے عمدہ نظم و نسق کو یاد کر کے سالہا سال زبان حال سے رو یا ہو گا۔ یا اُس مغربی اندلوسیہ کے بادشاہ کو جسے پھر ایسا گرانمایہ وزیر نہ نصیب ہوا

بعض شعرا نے اُن کے مرثیہ مین طبع آزمائی کے جوہر دکھائے۔ اور اُن کے دوستون کے بھرے دلون مین رقت کا جوش پیدا کیا۔ صاحب تاریخ الحکما لکھتے ہین کہ قاضی ابو مروان کہتے تھے مین نے اُن مرحوم کی قبر کی زیارت کی ہے ابو بکر بن عربی کی مقبرہ کے پاس مدفون ہین۔

ابن صائغ کے تصانیف تقریباً چوبیس ہین جن مین سے ہر ایک نین کسی نہ کسی مسئلہ فلسفہ الٰہیہ یا طبیعیہ یا علم طب سے تفصیلاً بحث کی ہے۔ اکثر کتب ارسطو و جالینوس پر بطور شرح و حاشیہ کے ہین افسوس یہ وہ کتابین ہین جو اسلامی کمالات علوم کی سرمایۂ ناز تھین مگر زمانے نے خدا جانے انھین کس مخفی مقام مین چھپا کے رکھا ہے کہ اب اُن کی زیارت کو مشتاقون کی آنکھین ترس گئین شاید یورپ کے مشہور کتب خانون مین ہون تو ہون۔ مگر اسلامی دنیا مین کہین پتہ نہین۔

ابو علی فارسی

"حسن بن احمد بن عبدالغفار بن محمد سلیمان مشہور بہ" ابو علی فارسی" قدماے اسلام مین سے ہین۔ علم نحو کو اُن کی ذات سے بہت کچھ ترقی ہوئی۔ اور مبارک فن حدیث کو اُنھون نے خود اپنا سرمایۂ افتخار بنایا" شیخ ابو علی طبرسی مجمع البیان مین ایک مقام پر بہت سے نحوی نازک مسائل بیان کر کے فرماتے ہین" یہ سب باتین ابو علی فارسی کے کلام سے مستنبط کر کے لکھی گئی ہین۔ اور ابو علی ممدوح نحو کے میدان مین ایک بے مثل شہسوار تھے۔ اور ایسے بے مثل فاضل تھے کہ علم نحو کے نازک مسائل اور پوشیدہ نکات کے چہرے پر سے اُنھون نے اپنی فکر کے ہاتھون سے پوشیدگی اور دقت کا پردہ اُٹھا دیا"

خاک پاک شیراز کو تقدیر نے یہ عزت دی کہ اسے اس گرانمایہ عالم پر بھی فخر و ناز کرنے کا موقع ملا۔ قاضی ابن خلکان فرماتے ہین " ابو علی فارسی سنہ ۲۸۸ھ مین شیراز کے متعلق ایک گاؤن فسا نامی مین پیدا ہوے۔ اگرچہ ابتدائی زمانے مین علم کا مشغلہ تھوڑا بہت ضرور رہا کیا۔ مگر وہ تعلیم ایسی نہ تھی کہ اس کی بدولت اُنھین ایک گرانمایہ عالم کا رتبہ حاصل ہوتا۔ اُنیس برس کی عمر تک وطن ہی مین رہے۔ اور قصبۂ فسا کی فضا نے اُنھین اپنے دامن سے نہ نکلنے دیا۔ آخر علم کا شوق پر جوش قوت سے اُن کے دل مین پیدا ہوا۔ اور اس بیتابی و اضطرار کے ساتھ کہ وطن کی تمام کششین مغلوب ہو گئین اور علامۂ ابو علی نے فسا کیسا سواد شیراز کو بھی چھوڑا۔ اور اُس مشہور مرجع عالم کی راہ لی جدھر اُس عہد مین ہر ذوق علم رکھنے والے کا رخ قدرتی طور پر پھر جایا کرتا تھا۔ وہ جسے بغداد کہتے ہین۔ ابو علی نے بغداد مین پہونچ کے اکثر اہل کمال کے آگے زانوے شاگردی تہ کیا۔ اور وہان کے اکثر مشاہیر کے تلمذ کی عزت حاصل کی۔ ابن سراج اور زجاج اُس عصر کے مشہور نحویین تھے۔ جنھون نے لغات عرب اور اُن کی خوبی ترتیب نحوی مین اعلی کمال حاصل کیا تھا۔ ابو علی نے اُن کی شاگردی کے ذریعہ سے اپنے آپ کو اس رتبہ کا زبان دان ملک زبان عرب کا حاکم بنایا۔ کہ پرانے مشہور ائمۂ نحو و صرف کی شہرت بھی اُن کے آگے مٹ گئی

چنانچہ خود ان کے اکثر شاگردون اور دیگر فاضل معاصرین نے خوب آزادی کے ساتھ آزمایا تو علم نحو و لغت مین ان کے رتبہ کو مشہور امام نحو ابو العباس مبرد کے مقابل مین بہت زیادہ پایا۔ خود اُن کو بھی اس فن سے کچھ ذوق تھا اور اپنے دل مین جو وقعت اس فن کی سمجھتے تھے وہ اور کسی علم کی نہین سمجھتے تھے۔ ابن جنی ان کا شاگرد رشید کہتا ہے کہ مین نے ابو علی کو یہ کہتے سنا کہ علوم قیاسیہ مین سے کسی مسئلہ مین مجھ سے غلطی نہین ہوئی حالانکہ علم لغت کے صدہا مسئلہ مین غلطی کر جاتا ہون۔
ابن جنی اور علی ابن عیسیٰ یہ دونون ابو علی فارسی کے ایسے نامور شاگردون مین ہین جنھون نے خود بہت بڑی کامیابی حاصل کی اور علمی دنیا مین استادی کا جھنڈا بلند کیا۔ ابن جوزی جو مشہور محدث ہین اور جن کی شاگردی پہ ہمارے زندہ دل ناصح سعدی شیرازی نے بھی فخر کیا ہے وہ بحیثیت ایک محدث کے لکھتے ہین کہ قدیم ائمہ جوہری اور تنوخی نے بھی ابو علی فارسی سے حدیثین سنی ہین اور روایت کی ہے۔ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب طبقات النحات مین ابو علی کی نہایت تعریف کی ہے اور اُن کے ذہن رسا کو بہت اعلیٰ درجہ کا تسلیم کیا ہے۔

آخر زمانہ مین علم عروض کیطرف توجہ کی اور اپنے تئین اس فن مین بھی اعلیٰ درجہ کے کمال پہ ثابت کیا۔ ابو القاسم ابن احمد اندلسی کہتے ہین ایک مرتبہ مین ابو علی کی صحبت مین تھا۔ شعر و سخن کا ذکر ہونے لگا۔ ابو علی بولے "یہ عجب بات ہے کہ مین باوجودیکہ تمام اصول شعر اور کل مسائل عروض سے بخوبی واقف ہون مگر نظم سے طبیعت کچھ ایسی نامناسب واقع ہوئی ہے کہ اگر چاہون تو چند شعر بھی نہین موزون کر سکتا۔ اور اصل یہ ہے کہ اس بارۂ خاص مین مجھے تم سب لوگون پر رشک آتا ہے۔" حاضرین مین سے کسی نے پوچھا بھلا آپ نے کبھی کوئی شعر بھی کہا ہے؟ ابو علی نے جواب دیا مجھے تو نہین یاد کہ کبھی کوئی شعر کہہ سکا ہون۔ ہان بڑھاپے اور سفید بالون کی تعریف مین یہ تین شعر البتہ کسی زمانہ مین کہے تھے۔

خضبتُ الشیبَ لما کانَ عَیْباً — وخضبُ الشیبِ اولیٰ ان یعابا
ولم اخضب مخافۃ ھجرِ خِلٍّ — ولا عَیباً خشیتُ ولا عتابا
ولکنّ المشیبَ بدا ذمیماً — فصیّرتُ الخضابَ لہ عقابا

یعنی بالون کی سفیدی مین چونکہ عیب نمایان تھا لہذا مین نے خضاب لگا لیا حالانکہ خضاب لگانا عیب کی بات ہے۔ مین نے مفارقت یار یا کسی کے عیب لگانے یا کسی کے لعنت ملامت کرنے کے خوف سے خضاب نہین لگایا۔ بات یہ تھی کہ بالون کی سفیدی کچھ ایسے بُرے طریقے سے نمایان ہوئی کہ صرف سفیدی کو سزا دینے کے لیے مین نے اُس کے چہرے پہ کالک لگا دی"

ابو علی نے جب بغداد مین ایک بہت بڑے نامور عالم کا رتبہ حاصل کر لیا تو دیگر بلاد اسلام مین جانے کا شوق ہوا چنانچہ بغداد چھوڑ کے ارض شام کی راہ لی۔ ایک مدت تک شام کے مختلف شہرون مین پھرتے رہے ۳۴۱ھ مین پھرتے پھراتے شہر حلب مین پہونچے۔ شہر حلب ان دنون نہایت ترقی پہ تھا۔ خصوص وہان کے بادشاہ سیف الدولہ بن حمدان کی خوبیون نے حلب کو نہایت رونق دے رکھی تھی۔ یہ سیف الدولہ وہی نامور رئیس ہے جس کی تعریف مین متنبی نے بہت سے قصائد کہے ہین۔ اور متنبی کا دیوان جس کی خوبیون کی ایک دائمی یادگار رہے گا۔ اس مین کوئی شک نہین کہ سیف الدولہ جیسا بہادر تھا ویسا ہی علم دوست بھی تھا۔ جس طرح اس نے متنبی کو اپنے دامن کرم مین لے لیا تھا اسی طرح اس نے ابو علی فارسی کی بھی قدر دانی کی۔ اور گوارا نہ کیا کہ ایک ایسا فاضل یگانہ اُس کی قلمرو مین آئے اور بے نیل مرام چلا جائے۔ متنبی بھی ایک ایسا شاعر ہے جس کے کلام کو اس کے عہد ہی مین مقبولیت عامہ کا خلعت مل چکا تھا۔ اور جس کا دیوان شاید دنیا کے آخری دور تک اہل مذاق واہل علم کا نہایت دلچسپ مشغلہ رہے گا۔ ابو علی کو بھی فن لغت اور زبان عرب کی تحقیق ہی مین دعویٰ تھا۔ ایسے دو ہمچشمون کے ایک جگہ رہنے سے جو باتیجہ اور بامزہ نوک جھوک اور مخالفت پیدا ہو جاتی ہے وہی متنبی اور ابو علی مین بھی پیدا ہوئی ان دونون بے مثل مدعیان ادب کے باہمی مناظرے تفصیلاً بیان کیے گیے ہین۔ لیکن اگر ہم اُن کو لکھ کے پیش کرین تو لوگون کی بالکل دلچسپی نہ ہوگی۔ جسے شوق ہو وہ خود دیکھ لے۔

ابو علی فارسی چند روز یہان رہے تھے کہ دل کچھ ایسا اُچاٹ ہوا کہ حلب کو بھی خیرباد کہی۔ اور اس مرتبہ حلب سے کیا قدم نکالا ارض شام ہی کو چھوڑ دیا۔

شاید اتنے دنون کے بعد اُنھین وطن مالوف یاد آگیا کہ حلب سے روانہ ہوتے ہی ایران کو روانہ ہوے۔ اور ارض فارس کی راہ لی۔ ایران کا مغربی صوبہ دیلم پہلے ملا۔ وہین ٹھہر گئے۔ اور عضدالدولہ دیلمی کی صحبت سے بہرہ یاب ہوے۔ مگر عضدالدولہ کو اُن کے ساتھ کچھ ایسا حسن عقیدت ہوگیا کہ علامہ ممدوح کی تعظیم و تکریم مین اکثر وہ اپنے مرتبے کو بھول جاتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ بے تکلفی کے جوش مین اُس کی زبان سے نکل گیا "مین ابو علی کے غلامون مین سے ایک ادنی غلام ہون" لیکن باوجود اس قدردانی اور خود فراموشی کے ایک بار عجب اتفاق ہوا۔ ابو علی فارسی نے ایک کتاب علم نحو مین عضدالدولہ کے نام پر تصنیف کی۔ اُس کتاب کا نام ایضاح رکھا تھا عضدالدولہ نے وہ کتاب دیکھی تو اسکی نظر مین نہایت حقیر ثابت ہوئی۔ اور ابو علی کیطرف متوجہ ہو کے کہنے لگا۔ "جناب! اس کتاب سے تو مجھے کوئی نئی بات نہین معلوم ہوئی۔ اس مین وہی معمولی باتین ہین۔ یہ تو اس قابل ہے کہ مکتب کے بچون کو دیجاے" یہ جملہ سُن کے ابو علی کو نہایت ندامت ہوئی۔ بادشاہ کے سامنے اور کوئی جملہ نہ کہہ سکا۔ دل کے خیالات دل ہی مین فرو کیے اور دیلم چھوڑ کے آگے کی راہ لی۔ دیلم سے جانے کے بعد شیخ ابو علی نے علم صرف مین ایک اور کتاب لکھی جس کا نام تکملہ ہے۔ یہ کتاب نہایت محنت اور جانفشانی سے لکھی تھی۔ صرف چوٹ کرنے کی غرض سے وہ کتاب بعد تکمیل عضدالدولہ کے پاس بھیجی کہ وہ اپنی گذشتہ گستاخی پر نادم ہو۔ عضدالدولہ نے اس کے دو تین جملے ہی دیکھ کے اہل دربار کیطرف متوجہ ہو کے کہا "معلوم ہوتا ہے شیخ کو میرے اس جملے پر غصہ آگیا۔ اسی وجہ سے یہ ایسی کتاب لکھی ہے جس کے نکات تک میرا ذہن کسی طرح پہونچ ہی نہین سکتا۔ اور نہ امید ہے کہ اور کوئی سمجھا سکے"

ایک بار شیخ ابو علی عضدالدولہ کے ساتھ شیراز کے صحرا مین سیر کر رہے تھے۔ راستہ مین عضدالدولہ نے پوچھا "قَامَ الْقَوْمُ اِلَّا زَیْدًا" مین مستثنی کو نصب کس عامل کی وجہ سے ہے؟ شیخ نے کہا اس موقع پر استثنے فعل محذوف خیال کیا جائیگا۔ اور سمجھا جائے گا کہ زیداً اُس کا مفعول ہے" اس تقریر پر عضدالدولہ نے اعتراض کیا کہ "کیا ضرور ہے ہم فعل استثنے ہی محذوف کرین۔ مین کہتا ہون کہ امتنع فعل محذوف

لہذا زید کو اس کا فاعل ہونا چاہیے۔ ابو علی نے بہت غور کیا مگر اس وقت کچھ جواب بن نہ پڑا۔ عضدالدولہ سے کہا "مین گھر مین جا کے اس پر غور کرون گا۔ اور آپ کو جواب صائب دون گا" علامۂ ابن خلکان لکھتے ہین کہ ابو علی نے گھر مین جا کے غور کیا اور عضدالدولہ کو ایک ایسی عمدہ بحث اس مسئلہ کے متعلق لکھی کہ اُس نے نہایت پسند کی۔ مگر شیخ ابو علی نے اپنی کتاب ایضاح مین اس مسئلہ کی کچھ اور ہی صورت بیان کی ہے جس کی تصریح اس وقت ہو سکتی ہے جب استثنار کی پوری بحث ذہن نشین کر لی جائے۔ لہذا ہم اس سے درگزر کرتے ہین

جلال الدین سیوطی لکھتے ہین کہ عضدالدولہ کو اپنے عم زاد بھائی عزالدولہ بختیار بن معزالدولہ سے جو بغداد مین تھا نہایت عداوت تھی۔ اُس کے مقابلہ کی غرض سے عضدالدولہ نے بغداد کا ارادہ کیا۔ ابو علی سے ملاقات ہوئی تو عضدالدولہ نے اُن سے ہمراہ چلنے کی درخواست کی۔ ابو علی نے جواب دیا کہ "ہم لوگ تو دعا مانگنے والون مین ہین۔ لڑنے والون مین ہمارا شمار نہین۔ آپ ہی تشریف لے جائیے خدا آپ کو کامیاب کرے۔ اور بانیل مرام واپس لائے۔" یہ کہہ کے علامۂ ابو علی نے دو شعر پڑھے جن مین رخصت کا مضمون نہایت درد و جوش کے لہجہ مین ظاہر کیا تھا۔ عضدالدولہ نے اجازت دی کہ اچھا آپ یہین تشریف رکھیے مجھے آپ کی ہمراہی کے بہ نسبت آپ کی دعا پر زیادہ اعتماد ہے۔

ابو علی فارسی نے علم نحو مین خاص اجتہاد کیے ہین۔ اور اکثر مسائل مین قدما علم نحو سے مخالفت کی ہے۔ جو شخص ان مباحث کو دیکھے کچھ وہی خوب سمجھ سکتا ہے کہ علم نحو و عربیت مین ابو علی نے کیا کمال حاصل کیا تھا۔ اور زمانہ نے اُنھین کتنا بڑا مجتہد نحو بنا کے جمہور علما کے سامنے پیش کیا تھا۔ آخر مین اُن کے خیالات مذہبی مین بھی کچھ تغیر پیدا ہو گیا اور اسی وجہ سے اکثرون کا خیال ہے کہ علامۂ ابو علی اپنے عقائد کو اس فتنہ سے بچا نہ سکے جو عباسیہ کے ابتدائی دور مین پیدا ہوا تھا۔ اُن دنون اعتزال کا دور دورہ تھا۔ اور اس اثر نے شیخ ابو علی کو بھی عام نگاہون مین معتزلی ثابت کر دیا۔ اور شاید اس اعتزال ہی نے اُن کو آخر مین پھر بغداد کی ہوا کھلائی۔ لیکن اس مرتبہ کا آنا ایسا تھا کہ پھر وطن جانا نہ نصیب ہوا اور یہین زندگی تمام ہو گئی۔ نوے برس سے کچھ زیادہ عمر کو پہونچے تھے کہ قضاے الٰہی نے پیام مرگ سنایا ۳۷۷ھ مین دارالسلام بغداد مین انتقال کیا اور مقبرۂ شونیزیہ مین دفن کیے گئے۔

علامہ ابن خلکان کہتے ہیں سنہ ۶۴۸ھ (۱۲۵۰ء) میں میں شہر قاہرہ میں تھا۔ ایک دن عالم خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں قصبۂ قلیوب کی طرف جو قاہرہ کے نزدیک ہی واقع ہے چلا جاتا ہوں۔ اتفاقاً ایک ایسے عالیشان باغ اور محل پر گذر ہوا کہ اس کی رفعت شان نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ میں اندر گیا تو تین شخص ملے۔ اُن کی طرف متوجہ ہو کے میں نے پوچھا یہ کس کا مکان ہے؟ اُنھوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُن میں سے ایک شخص کہنے لگا کئی برس تک اس محل میں ابو علی فارسی رہے ہیں اور ہم سے اُن سے بہت صحبت رہی ہے ہم لوگوں کو اُن کی صحبت کی اور سب باتوں کے علاوہ چند اشعار میں ایسا لطف آیا کہ وہ کبھی نہ بھولیں گے۔ میں نے کہا ابو علی کے ایسے اشعار جو ایسی تعریف کے مستحق ہوں میں نے کبھی نہیں سُنے۔ میرے خیال میں تو اُنھیں شعر کہنے کا زیادہ ملکہ ہی نہ تھا۔ اُس شخص نے یہ سن کے تین شعر پڑھے واقعی ان اشعار میں کچھ ایسی لذت تھی کہ مجھے وہ اشعار تو نہیں یاد رہے مگر لذت آج تک باقی ہے۔ بلکہ اُن میں سے ایک شعر ابن خلکان کو یاد رہا تھا۔ جس کو اُنھوں نے اپنی تاریخ میں نقل بھی کیا ہے۔

ابو علی فارسی کی تصانیف میں مورخین نے سترہ کتابیں گنوائی ہیں جو واقعی نہایت قیمتی ہیں۔ سب کو تعلق فن لغت اور عربیت سے ہے۔ اور نحویین کے مختلف گروہوں کے اصول سے اُن تصانیف میں عمدگی کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ اور نہایت شائستگی سے زبان عرب کے اصول دکھائے گئے ہیں۔

ریویو

خلاصۃ التقویم۔ یہ ۱۸+۲۲ سائز کے بہت عمدہ چکنے کاغذ پر چھپی ہوئی سنہ ۱۳۴۷ھ کی اسلامی تقویم ہے۔ جس کی پیشانی روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگین نقشہ سے مزین ہے اس میں سنہ ہجری کی تاریخوں کے ساتھ سنین عیسوی و ہندی و فصلی الٰہی کی تاریخوں کے علاوہ طلوع و غروب کے اوقات اور ابتدائے صبح صادق و زوال آفتاب کے اوقات بھی دکھلائے گئے ہیں۔ کیفیت کے خانے میں مشہور باتیں بھی لکھی گئی ہیں۔ رمضان شریف کا نہائی وقت سحر اور افطار کا صحیح وقت اور سورج گہن کا نقشہ بھی موجود ہے۔ غرضکہ دریا کو کوزے میں بھر دیا ہے۔ ساری تقویم مختلف رنگوں سے چھپنے کی وجہ سے بھی بہت خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ قیمت کا حال معلوم نہیں شائقین حاجی الحرمین شریفین علی بھائی و شرف علی صاحب تاجران کتب دکان نمبر ۵۵ بھنڈی بازار بمبئی سے طلب فرمائیں۔

کفایت شعاری

سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو دلگداز
بابتہ ماہ اپریل ۱۹۲۵ء

درحقیقت کسی شخص کو اپنی زندگی کی ضروریات کی زیادہ فکر نہ کرنی چاہیے۔ پھر تم سے مانگتا کم ہے اور دیتا بہت ہے۔ بخلاف اس کے عیش و عشرت کے سامانون مین بہت زیادہ روپیہ کی ضرورت ہے جیسا **رسکن**[1] نے کہا ہے "کہ جتنا روپیہ ایک بُرے کام مین صرف ہوتا ہے اتنے مین دو بچون کی اچھی طرح پرورش ہو سکتی ہے"

یاد رکھو کہ بقول **ڈیوک آف ولنگٹن**[2] کے جہان روپئے پر سود زیادہ ملتا ہو وہان اصل روپیہ محفوظ نہین ہے۔

ایک ٹوکرے مین حد سے زیادہ انڈے نہ رکھو۔ تمھاری سمجھ چاہے کیسی ہی اچھی ہو۔ اور تم نے چاہے کیسی ہی اچھی طرح ایک معاملے مین غور کر لیا ہو مگر پھر بھی ممکن ہے کہ کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے کہ تمھارا حساب درہم برہم ہو جائے دانا ترین سوداگر اور مہاجن بھی غلطیان کرتے ہین۔ ایک سمجھ دار کاروباری آدمی بس اتنی ہی امید کر سکتا ہے۔ کہ مین نے جو سونچا ہے وہ عام طور سے ٹھیک اُترے گا۔ ہم اپنے بچپن مین یہ سیکھتے ہین کہ دو اور دو چار ہوتے ہین۔ لیکن دو اور دو بائیس بھی ہو جاتے ہین۔

---

[1] انگلستان کے متاخر الزمان انشاپردازون مین رسکن اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اسکی تحریر حیرت انگیز سمجھی جاتی تھی ۱۸۱۹ء مین پیدا ہوا تھا۔ اور ابھی چند روز ہوے مرا ہے

[2] ڈیوک آف ولنگٹن انگلستان کا ایک نامی اور زبردست سپہ سالار اور لائق و فائق مدبر سلطنت تھا جسے یہ فخر حاصل ہے کہ نپولین بوناپارٹ اُسی کے ہاتھ مین گرفتار ہوا ۱۷۶۹ء مین پیدا ہوا اور ۱۸۵۲ء مین مرا۔

معاملات کو خموشی کے ساتھ چلاؤ لارڈ بروہم[1] کی بابت یہ نقل مشہور رہی ہے کہ وہ اتنی دیر بھی ساکت نہیں رہ سکتا تھا کہ اس کی تصویر کھینچ لی جا سکے۔ لہذا اسکی تصویر مین ہمیشہ عیب ہو جایا کرتا تھا۔

بیج ہاٹ[2] کہا کرتا تھا کہ "بہت لوگ کاروبار مین صرف اس وجہ سے تباہ ہو گئے کہ وہ ایک کمرے یا دوکان مین خاموش نہ بیٹھ سکے۔

ایک معنی کر ہر شخص کاروباری آدمی ہر چاہے کاروباری ہونا چاہے یا نہ چاہے۔ ہم سب کو فرائض ادا کرنے ہین۔ مکان کا انتظام دیکھنا ہے۔ اور اپنے اخراجات کو ترتیب دینا ہے۔ چھوٹے چھوٹے معاملات بھی بعض اوقات بڑے بڑے معاملات کی طرح مشکل اور تکلیف دہ ہوتے ہین۔

خوش قسمتی سے کاروبار مین کامیابی لیاقت سے کہین زیادہ زود فہمی ہوشیاری اور دھیان پر منحصر ہے۔ ایک پرانے طرز کی مثل ہر کہ "تم دوکان بھری رکھو۔ دوکان تمھین بھرا ہوا رکھے گی۔" زنوفن[3] نے بھی اسی قسم کی ایک روایت لکھی ہے کہ ایک فارس کا بادشاہ اپنے ایک عمدہ گھوڑے کو بہت جلد تیار کرانا چاہتا تھا۔ لہذا اس نے اُن لوگون سے جن کو کہ اس علم مین دخل تھا پوچھا گھوڑے کو سب سے جلد کیا چیز تیار کردے گی جس کا جواب یہ ملا کہ "مالک کی نظر"

اس بات کی بہت ضرورت ہے کہ انسان اپنے تئین اُن عادتون کا عادی کرے جو کاروباری لوگون مین ہوتی ہین۔ بہت عرصہ نہین گزرا کہ میرے ایک دوست نے جو بہت مشہور و معروف آدمی تھا مجھے یقین دلایا کہ جب مین نے اس بات پر غور کیا کہ اُن لوگون کی ناکامی کی کیا وجہ ہوئی جو بہت بڑے قابل اور نہایت عمدہ چال چلن کے آدمی تھے تو مجھ کو اکثر حالتون مین یہ معلوم ہوا کہ وہ سست اور کاہل تھے۔

---

[1] لارڈ بروہم انگلستان کا ایک رئیس انشاپرداز اور مسٹر صاحب اثر مدبر سلطنت تھا ۱۷۷۸ء مین پیدا ہوا۔ اور ۱۸۶۸ء مین مرگیا۔ [2] بیج ہاٹ غالباً یہ وہی شخص ہر جس کا نام رابرٹ تھا انگلستان کا ایک ناول نویس تھا۔ اور ۱۸۰۸ء مین مرا۔ [3] یونان کے شہر ایتھنز کا ایک مشہور جنرل فلسفی اور مورخ جسے سقراط کی شاگردی کا فخر حاصل تھا۔ حضرت مسیح سے ۴۴۴ سال پیشتر پیدا ہوا۔ اور ۳۵۹ سال قبل مر گیا۔

اُن مین وقت کی پابندی نہ تھی۔ دوسرون کے ساتھ دل لگا کے کام نہ کر سکتے تھے اور ذرا ذرا سی بات مین ضد کرتے رہتے تھے۔ یعنی درحقیقت اُن مین کاروباری آدمیون کی سی عادتین نہ تھین۔

چھوٹے چھوٹے امور مین بھی بڑے بڑے امور کی طرح ترتیب اور ضابطہ کی سخت ضرورت ہے۔ ہر ایک چیز کو اس جگہ رکھنا جہان وہ موزون ہو نہایت ہی عمدہ قاعدہ ہے اور اگر تم ذرا سی تکلیف اُٹھا کے اُن چیزون کو جن کا اب تم کو کام نہین رہا ہے اُن کے معینہ مقام پر رکھ دو گے تو پھر جب کبھی تم کو اُن کی ضرورت ہو گی تو بہت آسانی سے مل جاوین گے۔

زنوفون کہتا ہے میرے نزدیک بے ترتیبی ایسی ہی ہے جیسے کہ کوئی کسان بجائے اِسکے کہ ہر قسم کے اناج کو علحدہ علحدہ رکھے اپنی کوٹھری مین گیہون جوار مٹر سب کو ایک ہی مٹکے مین بھر دے۔ اور جب اُسے گیہون جوار یا مٹر کی روٹی پکانے کی ضرورت ہو تو اُس اناج کو ایک ایک دانہ چن کے الگ کرے۔

اسی بارے مین اُس نے ایک جہاز کی مثال بھی پیش کی ہے۔ وہ کہتا ہے۔ جب سمندر مین طوفان آجاتا ہے تو اتنا وقت نہین ملتا کہ جس چیز کی ضرورت ہو اُس کو ڈھونڈھنے بیٹھین۔ یا ایسی چیز کو استعمال کرین جو مشکل سے کام مین لائی جا سکتی ہو۔ کیونکہ دیوتا غافل آدمیون کو دھمکاتے اور سزا دیتے ہین۔ اگر دیوتا صرف اُن لوگون کو غارت کرنے سے چھوڑ دین جنھون نے کوئی بُرائی نہین کی ہے تو ہم کو اس پہ قناعت کرنی چاہیے۔ اور اگر وہ ان لوگون کی جان بھی بچا دین جو ہر ایک چیز کی ٹھیک طور سے خبر رکھتے ہین تو ہم کو اُن کا شکریہ ادا کرنا چاہیے لہذا ہر ایک چیز کو اس کی مناسب جگہ مین رکھو۔

ارسطاطالیس [۱] سے لے کہ **کارلائل** [۲] تک جتنے فلاسفر گذرے ہین ان مین بہت سے ایسے ہین جنھون نے اہل حرفت و تجارت کی بہت زور سے مذمت

---

[۱] ارسطاطالیس نامی گرامی یونانی حکیم فلسفۂ مشائی کا موجد اور منطق کا پہلا استاد جسے معلم اول کا خطاب دیا گیا ہے۔ حضرت مسیح سے ۳۸۴ برس پہلے پیدا ہوا۔ اور ۳۲۳ سال پہلے مرا۔ [۲] کارلائل اسکاٹ لینڈ کا ایک زبردست اور عجیب و غریب قوت کا انشا پرداز تھا۔ ۱۷۹۵ء مین پیدا ہوا۔ اور چالیس برس کا ہو کے مرا۔

کی ہے یا یون کہنا چاہیے کہ اُنھون نے حرفت و تجارت کو بہت حقیر اور ذلیل سمجھا ہے
افلاطون نے اپنے اصول جمہوری مین سے سوداگرون کو شہری ہونے کے
حقوق سے بالکل خارج کر دیا ہے۔ اور یہ ذلیل کام صرف غیر ملک والون کے
واسطے چھوڑ دیا ہے کہ اگر وہ چاہین تو کرین۔ چونکہ بہت لوگ ایسے ہین جن کو حرفت
و تجارت مجبوری کی حالت مین کرنی پڑتی ہے۔ اگر یہ معلوم ہوتا کہ حرفت اور
تجارت کا اثر چال چلن پر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کا چال چلن بگڑ جاتا ہے اور
نیز وہ دماغی تربیت کے واسطے ناموافق ہے تو یہ بڑے افسوس کی بات تھی۔ لیکن
خوش قسمتی سے ایسا نہین ہے۔ بیشک کاروباری لوگ اپنا بچا ہوا وقت دوسرے کامون
مین بھی صرف کر سکتے ہین۔ اس بارے مین صرف سائنس اور لٹریچر سے مثالین فراہم
کرون گا **نیس**[۵۲] **مائتھ** مصور بھی تھا اور علم نجوم بھی جانتا تھا۔ **گروٹ**[۵۳] مورخ
بھی تھا اور مہاجن بھی **سر جے ایوانس** کاغذ بنانے والا بھی تھا آثار قدیمہ کی
جستجو کرنے والی سوسائٹی کا پریسیڈنٹ بھی تھا۔ اور خزانچی بھی تھا **پریسٹ** پہلے سوداگر
بعد ازان آکسفورڈ یونیورسٹی مین علم معدنیات کا پروفیسر مقرر ہوا۔ **روجرس**[۵۴]
مہاجن اور شاعر تھا **پیریڈ**[۵۵] مہاجن اور شاعر اور سر ایاب خود بینکر اور علم ریاضی کا جاننے
والا تھا اور بہت زمانے تک رائل سوسائٹی کا خزانچی اور وائس پریسیڈنٹ تھا۔ اور
بھی بہت سے لوگ ایسے ہی گذرے ہین۔

کارلائل نے بازار کے بہت ہی گر جانے کے وقت خریدنے اور بازار کے

---

[۵۱] افلاطون یونان کا سب سے نامی گرامی فلسفی الٰہیات کا ماہر۔ اور سقراط کا شاگرد رشید تھا۔ حضرت مسیح سے ۴۲۹ سال پیشتر پیدا ہوا۔ اور ۳۴۷ سال پیشتر مر گیا۔

[۵۲] نیس مائتھ ایک زبردست انجینیر اور بہت سی کلون کا موجد تھا۔ جو ۱۸۰۸ء مین پیدا ہوا تھا اور اُسی صدی کے آخر مین مرا۔

[۵۳] گروٹ نے اپنی یونان کی تاریخ سے نہایت ہی مقبولیت اور شہرت حاصل کی ۱۷۹۴ء مین پیدا ہوا۔ اور ۱۸۷۱ء مین مرا [۵۴] روجرس انگلستان کا ایک نامی گرامی شاعر گذرا ہے۔ جو ۱۷۶۳ء مین پیدا ہوا۔ اور ۱۸۵۵ء مین راہی عدم ہوا۔ [۵۵] پریڈ بھی ایک انگلش مقبول شاعر تھا۔ جو ۱۸۰۲ء مین پیدا ہوا۔ اور ۱۸۳۹ء مین راہی ملک عدم ہوا۔

بہت زیادہ چڑھے ہونے کے وقت بیچنے کے اصول پر بہت زور و شور سے اعتراض کیا
ہے۔ وہ یہ رائے دیتا ہے کہ ہم کو روٹی کی قسم سے کم قیمت مقرر کر دینی چاہیے۔ یعنی ہم سے کم جو
مقرر کر سکتے ہون مقرر کر دین پھر نہ گھٹائین نہ بڑھائین۔ اور مین خیال کرتا ہون کہ اور چیزون
کی بھی قیمت معین ہونی چاہیے۔ اور ہم کو یہ کہنا چاہیے کہ فی الحال ہم روٹی کے اور زیادہ
ارزان کرنے کی کچھ پروا نہین کرتے" اور ہم کو دوسری قومون سے سستا نہ بیچنا چاہیے۔
"بھائیو ہم دوسری قومون سے سستا نہ بیچین گے ہم اس نرخ پر بیچین گے جو
بھاؤ کہ اورون نے لگا دیا ہے۔" اس بات مین صرف اتنا ہی نہین کہ اس پر عمل درآمد
نہین ہو سکتا بلکہ بالکل غلط بھی ہے۔ اگر ہم سوتی چیزین کم بیچین گے تو یہ بھی ضروری ہے
کہ اُن کے مقابلے مین ہم کھانے کی چیزین کم خریدین گے۔ کارلائل خود اس بات کا
معترف ہے کہ کم دام پر بیچنے سے مال زیادہ بکتا ہے پھر اگر اس کے قاعدے پر عمل کیا
جاوے تو انسان کو کپڑے کی تنگی ضرورت ہو گی۔ گر وہ مقرر قیمت نہ دے سکین گے۔ ہم کارلائل
کی تبلائی ہوئی قیمت سے کم پر بیچتے تو بیچ لیتے۔ مگر وہ ہمین کم پر بیچنے سے روکتا ہے
لہٰذا یہ بات لازمی ہو گی کہ دوسرون کو کپڑا نہ ملے گا۔ اور ہم کھانے سے محروم رہین گے
تجارت کا اصل اصول یہ ہے کہ جو چیز تمھین بہت سستی مل سکتی ہو اُسے اس چیز کے بدلے
مین دو جو نہ مل سکتی ہو۔ جب نرخ گھٹا ہوا ہو اس وقت خریدنا اور جب بھاؤ چڑھا ہوا ہو
اسوقت بیچنا صرف اسی قدر نہین کہ تجارت کا ایک ضروری [illegible]
اس سے بہتر کوئی اور اصول مل ہی نہین سکتا۔ اس طریقے سے تم ان شخصون سے خریدتے
ہو جن کو کہ اپنی پیداوار بیچنے کی بہت ضرورت ہے اور اُن لوگون کے ہاتھ بیچو گے جن
کو تمھارے اشیا کے خریدنے کی بہت ضرورت ہو گی۔ اس کے سوا اور کوئی طریقہ
تجارت ایسا ہو گا کہ جیسے کوئی شخص **نیوکیسل** مین کوئلا بیچنے لے جاوے جہان اس کی
کان ہے۔ **مصرع** ؏ بشوخی چو فلفل بہندوستان۔ جتنے لوگ بہت بڑے خوش و خرم اور
نیک گذرے ہین اُن مین زیادہ حصہ انھین لوگون کا ہے جو غریب آدمی تھے۔ **ورڈس
ورتھ** اور اس کی بہن کی صرف تیس شلنگ ہفتہ وار آمدنی تھی اور مین یقین کرتا ہون
کہ یہ زمانہ اُن کی بہت خوش و خرمی کا زمانہ تھا! اگر امیر ہونا تمھاری قسمت مین نہین ہے
تو کوئی مضائقہ نہین میل جول اور انس و محبت سے تمھین کوئی سادہ سی جگہ

کوئی ٹوٹا پھوٹا جھونپڑا - اور کوئی پیاری شکل ضرور مل جائے گی جس کے ملنے سے ایسے خوش ہوگئے کہ گویا تم کو تمام دنیا مل گئی -

یہ واقعی بہت تعجب کی بات ہے کہ بڑے بڑے لوگ اکثر مفلس ہی ہوے ہین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول زیادہ مبالغہ نہین ہے کہ خدا نے جتنے پیغمبر مبعوث کیے سب چرواہون ہی مین سے منتخب کیے گئے تھے -

ایک شاعر کہتا ہے - اسے زر تو خدا نۂ ولیکن بخدا + ستار عیوب و قاضی الحاجاتی - مگر روپیہ کی قوت کو مبالغہ کے ساتھ بیان کرنا ایک عام غلطی ہے - ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ روپیہ ہمارے واسطے کیا کر سکتا ہے - اول کھانے کے معاملے مین دیکھو سر آرہلپس کا قول ہے "اگر امیر آدمی تندرست رہنا چاہتا ہے تو اُس کو لازم ہے کہ غریب آدمی کیطرح رہے - صبح کے ناشتہ کیواسطے چا - کافی - روٹی - مکھن - یا ایک انڈے - مچھلی اور شہد سے بڑھ کے کون چیز ہو سکتی ہے؟ دوپہر کے کھانے کے لیے روٹی - پنیر اور بیر کے ایک گلاس سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہے - بھوک کے وقت سادی غذا جو اچھی پکی ہوئی ہے ویسی ہی مزے دار معلوم ہوتی ہے جیسا کہ لارڈ میر[1] کی دعوت کا کھانا صحت بخش اور عمدہ غذا مین اگر بگڑ نہ گئی ہو تو کچھ بہت زیادہ نہین صرف ہوتا - لیکن ہان اگر وہ بگڑ جاتی ہے تو مزہ نہین باقی رہتا ہے - ایک انڈے مین عموماً وہی مزہ ملتا ہے جو کہ دعوت کے کھانون مین ملتا ہے بلکہ بعض حالتون مین اُس سے بھی زیادہ لذیذ معلوم ہوتا ہے -

اور کتابون کے معاملے مین؟ واقعی دراصل غریب وہی شخص ہے جس کے پاس اتنا روپیہ نہین ہے کہ جن کتابون کو پڑھنا چاہتا ہے اُنھین خرید نہ سکے عمدہ کتابین مثل انجیل - اور شکسپیر اور ملٹن وغیرہ کے تصانیف کے اب اس قدر ارزان ہین بیان سے باہر ہے -

[1] لندن مین وسط شہر کے پولیس پر ایک معزز عہدہ دار حکمران رہا کرتا ہے جس کی حیثیت کوتوال سے بڑھ کے بہت بڑے معزز عہدہ دار کی ہوتی ہے - ہر سال نیا لارڈ میر منتخب ہوا کرتا ہے - وہ منتخب ہوتے ہی عام شرفا و معززین کی ایک بڑی بھاری دعوت کیا کرتا ہے اور اُس دن شہر مین ہر جگہ جشن ہوتے ہین - اس دعوت کا کھانا اتکلفات مین مشہور ہے -

کیا روپیہ سے تندرستی۔ عقل۔ دوست۔ خوبصورتی۔ یا خاندانی فارغ البالی ہو سکتی ہے؟"

کنفیوشیس کہتا ہے "ڈیوک آف ٹیک بہت ہی امیر آدمی تھا مگر اس سے کسی شخص کو محبت نہ تھی اور **پی کی** بھو کون مر گیا مگر اب تک لوگ اُس کے واسطے رنج والم ظاہر کرتے ہین۔

علاوہ برین **ینگ**[۱] کہتا ہے کیا دولت خوشی دے سکتی ہے؟ اپنے چارون طرف دیکھو کہ کیسے کیسے امیر تباہی اور تکلیف مین مبتلا ہین اور کیسے کیسے دولتمند مصیبت مین گرفتار ہین۔ مین ان لوگون کی چمک دمک پر حسد نہین کرتا۔ اور نہ مین اُن کے اُن ملمع کیے ہوے آلام پر رشک کرتا ہون"

بیکن کہتا ہے "لوگ جب بہت زیادہ مالدار ہو جاتے ہین تو بالکل آپے سے باہر ہو جایا کرتے ہین۔ اور جب وہ کاروبار کے جھنجھٹ مین پھنس جاتے ہین تو اُنھین اتنا وقت بھی نہین ملتا کہ اپنی جسمانی یا دماغی صحت قائم کرنے کی طرف توجہ کرین۔

بیڑیان سب خراب ہی ہوتی ہین۔ چاہے وہ سونے ہی کی کیون نہ ہون۔ روپیہ ہزارون فکرون کا گھر ہے۔ جس طرح مفلسی مین افکار ہوتے ہین ویسے ہی امیری بھی فکرون سے خالی نہین ہے۔ اور بہت سے لوگ ایسے مالدار ہین جو اصل مین دیکھو تو روپیے کے مالک نہین بلکہ اُس کے بندے ہین۔ **بشپ ولسن** کا قول ہے کہ "بہت سی حالتون مین دولت جن لوگون کے پاس ہوتی اُس سے اُن کو صرف تکلیف ہی نہین پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ باعث اذیت ہوتی ہے"

اس مین شک نہین کہ بہت لوگ روپیے ہی کی وجہ سے تباہ ہو گئے اور عموماً امیر لوگ جتنے روپیے کے معاملے مین متردد ہوتے ہین اُتنے غریب لوگ نہین ہوتے۔ دولت عقلمندون کے سوا کسی کو خوشی نہین دیتی۔

جس آدمی کو امیر ہونے کا حد سے زیادہ شوق ہو وہ ہمیشہ غریب ہی رہے گا۔ **رسکن** کہتا ہے "چھوٹے مکان مین رہنا اور **وارگ** کے قصر کو تعجب کی

---

[۱] ینگ انگلش قوم کا ایک مشہور اور نامی شاعر اور انشا پرداز گزرا ہے سنہ ۱۶۸۳ء مین پیدا ہوا۔ اور سنہ ۱۷۶۵ء مین مر گیا۔

نگاہ سے دیکھنا بہ نسبت اس کے کہ دارگ کے قصر مین رہین۔ اور کوئی ایسی چیز نہ ہو جسے دیکھ کر حیرت معلوم ہو شاید زیادہ مسرت بخش ہوگا۔

اگر دولت سے لطف اُٹھانا چاہتے ہو تو یقین چاہیے کہ اُس سے اپنا دل نہ لگاؤ شیخ سعدی کا قول ہی کہ "کافی چیز تم کو لے جائے گی لیکن اگر وہ زیادہ ہو جائے گی تو یقین اُس کو لے جانا پڑے گا" نہ بر اُشتر سوارم نہ چو اشتر زیر بارم * نہ خداوند رعیت نہ غلام شہریارم * غم موجود پریشانی معدوم ندارم * نفسے میزنم آسودہ و عمرے بسر آرم۔

بیکن کا قول ہے "واقعی دل کے واسطے یہ بہت ہی تکلیف دہ حالت ہی کہ خواہش بہت کم چیزون کی ہو اور ڈر بہت باتون کا ہو" **شکسپیئر** لکھتا ہی۔ اگر تو امیر ہے تو بیشک تو غریب ہے۔ کیونکہ مثل ایک گدھے کے جس کی پیٹھ دہاتون کے بوجھ سے ٹوٹی جاتی ہو تو اپنی دولت کا بوجھ لادے ہوے سفر کرتا رہتا ہے یہان تک کہ موت اس بار کو تیری پیٹھ پر سے اتار لیتی ہے" اور سنیگر[۱] لکھتا ہی کہ ہم آیندہ کے واسطے روپیہ جمع کرنے کی فکر مین اپنی جان کیون گنواتے ہین؟ کیا یہ مال و دولت جب ہمین بیماری کی اذیت ہو گی تو اُس سے بچا لے گی؟ کیا ہمارے بیمار دل کو یہ خوش کر دے گی؟ یا ہماری دل جمعی کر دے گی؟ کیا یہ دولت ہماری زندگی کو ایک نفس کی مقدار بھی زیادہ کر دیگی؟ یا موت کی تکلیف دہ وقت مین ہم کو تسکین دے گی"

دولت سے لالچ بہت بڑھ جاتا ہی **وینڈل**[۲] مذاق مین کہتا ہے کہ مجھ کو زر و زمین کی چندان پروا نہین ہے۔ میرے پاس ایک آدھ جائداد رہن کرو۔ کچھ بنک مین جمع کیا ہوا روپیہ ہنڈی یا ایک چھوٹا سا ریلوے کا حصہ مجھ کو دیدو۔ مین صرف یہ چاہتا ہون کہ قسمت مجھ کو جتنا کہ مین خرچ کر سکون اُس سے ذرا زیادہ دیدے"

سنیکا کہتا ہی "غریب آدمی کو بہت چیزون کی حاجت ہی لیکن لالچی آدمی

---

[۱] سنیگر جو جان سنگر کے لقب سے یاد کیا جاتا ہی۔ انگریزون کا بہت اعلیٰ اور مستند شاعر اور مصنف تھا جو سنہ ۱۵۸۴ء مین پیدا ہوا اور سنہ ۱۶۴۰ء مین مرگیا۔ [۲] وینڈل امریکا کا ایک نامی گرامی شاعر اور طبیب گذرا ہے۔ جو سنہ ۱۸۰۹ء مین پیدا ہوا۔ اور آخر صدی ۱۹ مین مرگیا۔

ہر ایک چیز کا محتاج ہے۔
یہ طنز یہ کہا گیا ہے کہ "اگر دو بنس اور تیل کا معاملہ نہ ہوتا تو بہت سے اچھے **شومر ونی**[ف] پیدا ہو جاتے۔
بیکن کا قول ہے دولت کی مسلسل جستجو ہمارا بہت وقت لے لیتی ہے باوجودیکہ ہم کو اس سے زیادہ عمدہ چیزوں کو مشاہدہ کرنا ہے کیونکہ دولت صرف اس لیے اچھی ہے کہ اس سے زندگی کو فائدہ پہونچے نہ کہ زندگی سے دولت کو فائدہ حاصل ہو۔ مال از بہر آسائش عمر است نہ عمر از بہر گرد کردن مال" یہ ایک کہاوت ہے کہ "مفلسی طالب علم کی دلھن ہے" اور ایمرسن کہتا ہے کہ" وہ شخص جس کے پاس اُڑن کھٹولا ہے وہ اچھی طرح اپنے چھکڑا اور چھاپے کو بچا سکتا ہے"
ہم ہمیشہ یہ سنتے ہین کہ فلان شخص روپیہ پیدا کر رہا ہے یا بڑا مالدار ہے یا اُس کے یہان روپیہ پٹا پڑا ہے لیکن یہ کبھی نہین سنتے کہ فلان شخص روپیے سے لطف اٹھا رہا ہے اور اصل حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ روپیہ پیدا کرتے ہین وہ اپنے واسطے نہین پیدا کرتے صرف دولت کا ذخیرہ جمع کرتے ہین اور یہ نہین کہہ سکتے کہ اُسے کون صرف کرے گا۔
زنوفن کے یہان دعوت مین **ارشمیدس** نے دعوے کیا کہ مفلسی دولت سے بہتر ہے کیونکہ اس نے کہا "یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ اپنے تئین محفوظ سمجھنا خوف مین رہنے سے بہتر ہے۔ آزاد ہونا غلام ہونے سے اچھا ہے اس بات سے کہ آپ کی ملک والے آپ پہ بھروسہ نہ کرین یہ بہتر ہے کہ آپ کے ملک والے آپ پر اعتماد رکھین

ف یہ ارض مقدس کے ایک تاریخی واقعے کیطرف اشارہ ہے جو عیسائیون مین بہت مشہور ہے۔ اصلی واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی بیت المقدس سے شہر جریشو جا رہا تھا اتفاقاً راستے مین قزاق ل گئے اور اس کا مال واسباب چھین لیا۔ اور اُسے زخمی کر کے چلے گئے ایک پادری جو کہ اس مذہب کا تھا اُس نے اُسے دیکھا اور راستہ کاٹ کر چلا گیا اسی طرح ایک اور افسر ادھر سے گزرا اور اُسکی کچھ مدد نہ کی لیکن ایک شومرون کا رہنے والا جو اُسکا ہم مذہب نہ تھا اتفاقاً ادھر آنکلا اور اسے اس حالت مین دیکھ کر اپنے پاس سے شراب نکال کر اسے پلائی اُسکے زخمون پر تیل کپڑا باندھا۔ اور اپنے خچر پہ سوار کر کے سراین لے گیا بھٹیاری کو دو بنس اپنے پاس سے نکال کے دیے کہ اُسکے علاج مین صرف کرے۔ اور کہا مین واپسی کے وقت اور جو کچھ تم نے خرچ کیا ہوگا دے دون گا۔

لیکن جب کہ مین اس شہر مین ایک امیر آدمی تھا تو اولاً مجھے اس بات کا ڈر تھا کہ ایسا نہو کوئی آدمی میرے یہان نقب لگائے میرے روپیے پر قبضہ کرلے۔ یا مجھ کو جسمانی مضرت پہونچا دے مگر اب مفلسی مین مین آرام سے سو سکتا ہون۔ اب میرے پاس اتنا مال ہی نہین کہ گورنمنٹ مجھ پہ شبہ کرسکے۔ اب مین آزاد ہون۔ جب چاہون شہر کو چھوڑ دون اور جب تک چاہون رہون۔ جب مین امیر تھا مجھے لوگ اس بات پہ ملامت کرتے تھے کہ مین سقراط اور دوسرے غریب فلسفیون سے میل جول رکھتا ہون۔ اب مجھے اختیار ہی کہ اپنے لیے جیسے دوست چاہون منتخب کرلون۔ اور وجہ یہ کہ جب سے مین غریب ہوگیا ہون اُسوقت سے کوئی شخص میری طرف زیادہ توجہ ہی نہین کرتا۔ جب میرے پاس بہت کچھ تھا اُس وقت مین بدبخت تھا۔ کیونکہ مین ہمیشہ کچھ اپنا ہی گنوایا کرتا تھا۔ مگر اب جب سے مین غریب ہوگیا ہون مین کچھ نہین کھوتا کیونکہ اب میرے پاس رکھا ہی کیا ہی جسے کھودونگا۔ اور باوجود اس کے یہ بات مجھے برابر تسلی دیتی رہتی ہے اور خوش رکھتی ہے کہ مجھے کچھ نہ کچھ مل ہی جاویگا"

ارشمیدس نے جو کچھ کہا اُس مین بہت کچھ سچ تھا۔ لیکن سب کا سب صحیح نہ تھا۔ علاوہ برین جس وقت اُس نے یہ کہا تھا اُسی وقت اُس نے لذیذ غذائین کھائین تھین۔ اور راگ سُنکر بہت ہی مسرور ہوا تھا۔

روپیہ اگر عقلمندی کے ساتھ استعمال کیا جاوے تو اُس سے بہت کچھ ہوسکتا ہی سونا قوت ہی۔ ایک بذاق فرانسیسی نے کہا ہے کہ روپیہ ساورن[۵۱] کا ساورن ہی" یعنی بادشاہون کا بادشاہ ہے روپیہ ہماری خواہشون کے پورا کرنے کا ایک ذریعہ ہی۔ اگر تازی ہوا۔ عمدہ مکان۔ کتابین۔ اور گانا وغیرہ قابل اسکے ہین کہ اُن سے لطف اُٹھایا جاوے تو روپیہ سے یہ سب مل سکتے ہین۔ اگر فرصت فائدہ مند ہے تو روپیہ ہی سے ہم کو حاصل ہوسکتی ہے۔ اگر دنیا کی سیر مسرت بخش ہے تو روپیہ ہی کی بدولت ہم سفر کرسکتے ہین۔ اگر دوستون کو مدد دینا اور مصیبت زدون کو تکلیف سے بچانا کوئی عمدہ بات ہی تو زر نقد ہی ہم کو یہ بڑی برکت مرحمت کرتا ہے۔

سُوِفٹ[۵۲] کا قول ہی کہ "روپیہ کو دماغ مین رکھو اور دل مین جگہ نہ دو"

---

[۵۱] ساورن ایک سونے کے سکے کو بھی کہتے ہین اور ساوُرن بمعنی شہنشاہ۔ [۵۲] سوفٹ انگریزی قوم کا ایک زبردست مصنف اور مقتداے دین تھا جو ۱۶۶۷ء مین پیدا ہوا اور ۱۷۴۵ء مین مرگیا۔

بخیل وہ شخص ہی جس کو روپیہ کی محبت محض روپیہ ہی کے واسطے ہوتی ہی- جو کفایت شعاری مین حد سے زیادہ گذر جاتا ہی- اور جو صرف ایک لالچی کل ہے- ایک سبق جو ہم کو اس زندگی مین لینا ہی وہ یہ ہی کہ ہم کو اپنے تئین ذلیل اور حقیر نوکرون سے آزاد رکھنا چاہیے اور روپیہ کی محبت سب سے زیادہ ذلیل ہی-

دولت کا عقلمندی سے استعمال کرنا بہت بڑی بات ہی- **حضرت سلیمان**ؑ نے فرمایا ہی "جو شخص دیتا ہے اسکی دولت بڑھتی ہی- اور جو شخص درجہ مناسب سے زیادہ روپیہ کو روک رکھتا ہے وہ منجر با فلاس ہو جاتا ہے-

اڈورڈ کورٹنے جو ارل آف ڈیون شائر تھا اُسکی قبر کے پتھر پہ لکھا ہوا ہے کہ "جو ہم نے دیا وہ ہمارے پاس ہی- جو ہم نے صرف کیا وہ ہمارا تھا- اور جو ہم نے چھوڑ دیا وہ گویا ہم نے کھو دیا" اور اسی خیال کو دوسرے الفاظ مین یون ادا کیا ہی کہ "جو ہم نے جمع کیا وہ ہم نے کھو دیا- جو ہم نے خرچ کیا وہ ہمارا تھا- اور جو ہم نے لوگون کو دیا وہ ہمارے پاس موجود ہے"

فیاضی کرو لیکن لٹاؤ نہین- دنیا مین ایسے لوگ ہین جن کے پاس کچھ نہین ہی اور اس پہ بھی امیر ہین- اور ایسے بھی لوگ پڑے ہوے ہین جن کے پاس سب کچھ موجود ہی اور مفلس ہین وہ شخص جو غریبون پر رحم کرتا ہی وہ گویا خدا کو قرض دیتا ہے- اور جس شخص نے ایسا کیا اسکو اس کا اجر ملے گا-

وہ نصیحت جو حضرت عیسےٰؑ نے نوجوان امیرون کو کی وہ ہر شخص کی بابت موزون ہو سکتی ہی کہ "ہمین اپنے بچون اور غریبون کو یاد رکھنا چاہیے- تمھاری آمدنی تمھاری ہی ہی- لیکن جو کچھ تم نے اپنے مورث اعلیٰ سے پایا وہ صرف تمھارا نہین ہے- جن کے پاس دولت ہی وہ اپنے مالک (یعنی خدا) کے نوکر ہین-

ہم کو حساب دینا پڑے گا- دولت ایک امانت ہے جو ہمارے پاس رکھوائی گئی ہی- روپیہ پہ کسی کو فخر و ناز کرنے کا موقع نہین ہے-

ٹی موتھی لکھتا ہی "جو لوگ اس دنیا مین امیر ہین اُن سے کہدو کہ بہت فخر نہ کرین اور ناپائدار دولت پر بھروسہ نہ کرین- صرف خدا پہ بھروسہ رکھین جو ہر جگہ موجود ہی- اور جو اپنی رحمت سے لطف اٹھانے کے لیے ہمین طرح طرح کی نعمتین

عطا کرتا ہے" انھین نیکی کرنی چاہیے - اور صرف اس بات کو امارت خیال کرنا چاہیے کہ روپیہ اچھے کامون مین صرف کرین - خیرات کرنے کے واسطے ہمیشہ طیار رہین اور خوش مزاجی سے بات چیت کرین -

"جو وقت آنیوالا ہے اس کے واسطے روپیہ سے قوی بنا ڈالنا اچھا ہے - تاکہ ہم کو زندگی جاوید حاصل ہو"

یہ روپیہ نہین بلکہ روپئے کی محبت ہے جس کی بابت ہم کو انجیل بتاتی ہے کہ "برائیون کی جڑ ہے" اگر دولت بڑھے تو تم اپنا دل اس سے نہ لگاؤ -

اپنے واسطے زمین پر خزانہ نہ جمع کرو جہان کیڑے اور مورچے اسے خراب کر دیتے جہان چور نقب لگاتے اور چرا لے جاتے ہین - بلکہ اپنے واسطے آسمان پر خزانہ جمع کرو جہان نہ تو کیڑے اور مورچے ہی خراب کرتے ہین اور نہ جہان چور نقب لگا کر اُسے چرا سکتے ہین اس لیے کہ جس جگہ تمھارا خزانہ ہوگا وہین تمھارا دل بھی ہوگا -

---

تفریح

مثل مشہور ہے کہ "سب وقت کام کاج ہی مین لگے رہنے سے اور کھیلنے نہ پانے سے لڑکا کند ذہن اور سست ہو جاتا ہے" جس کام کو لڑکا کرے اگر وہ ایسا ہو کہ اس مین باہر کی آمد و رفت کی ضرورت نہین تو لڑکا نازک ہو جاویگا اور جوانی پر بھی کمزور رہے گا - کھیل سے کسی طرح وقت کا نقصان نہین کھیل جسم کی طیاری کے واسطے بہت مفید ہے - خاصۃً جسم کے اوپر والے حصے کے لیے مثلاً بازو اور سینہ جن کو ہمارے معمولی کاروبار بجائے پھیلانے کے سمیٹ دیتے ہین -

کھیل صرف اتنا ہی نہین کہ انسان کی تندرستی قائم رکھتے ہین بلکہ اُس مین کام کرنے کی جرأت پیدا کرتے ہین - کھیل آدمی کو دوستون کے ساتھ بسر کرنا - حقیر باتون سے درگزر کرنا - ایمان داری کا برتاؤ کرنا اور کامیابی سے فائدہ

اُٹھانے مین حد سے نہ گزر جانا سکھاتے ہین۔ اُن سے ہم کو صحت جسمانی کی طرح اخلاقی صحت بھی حاصل ہوتی ہے۔

ہمت۔ ضبط۔ اپنے اوپر اختیار اور خوش مزاجی جو ایسے اوصاف ہین کہ نہ کتابون سے حاصل ہو سکتے ہین اور نہ تعلیم سے ہمین کھیل ہی کی بدولت نصیب ہوتے ہین۔ **ڈیوک آف ویلنگٹن** نے سچ کہا ہے کہ **واٹرلو** کا معرکہ اصل مین اُس کھیل کے میدان مین جیتا گیا تھا جو ایٹن کالج مین ہے۔ پبلک اسکولون کے بہت عمدہ اور فائدہ مند سبق عموماً وہی ہوتے ہین جنھین لڑکے پلے گرونڈ (کھیل کے میدان) مین حاصل کرتے ہین۔ مگر باوجود اس کے کھیل صرف تفریح کے واسطے ہونا چاہیے اسکو کار زندگی نہ سمجھ لینا چاہیے۔

اس امر کے ثبوت مین کہ کھیل تندرستی کے لیے کس قدر ضروری ہے۔ مین دو بڑے علم موجودات کے جاننے والون کی رائین پیش کرتا ہون۔ **سر جمیس پیجیٹ** کہتا ہے "تفریح کے تمام اجزا مین کھیل قابل تعریف ہے۔ لیکن علاوہ اس کے کھیل کا بیش قیمت اخلاقی اثر کاروبار یا روزمرہ کے معاملات پر پڑتا ہے کیونکہ کھیل مین جب لڑکے اور جوان لوگ باہم مجتمع ہوتے ہین تو اس جمع ہونے سے اُن کی غرض نہ تو کوئی مالی فائدہ ہوتی ہے اور نہ اور کوئی ذلیل غرض ہوا کرتی ہے۔ کھیل سے ہم کو یہ سبق ملتا ہے کہ نیک باتون مین ہم اُن لوگون کا ساتھ دین اور اُن شخصون کے دوست ہو جاوین جو ہمارے ساتھ راستی اور نیکی سے کام کرتے ہین۔ کھیل سے ہم مین دوسرے لوگون کے ساتھ کام کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہی جو ایک ایسی قوت ہے کہ زندگی کی ہر حالت مین کامیابی کیواسطے نہایت ہی مفید ہی۔ یہ ممکن ہے کہ کھیل مین ایمان داری سکھانے کا مادہ فطرۃً نہ ہو مگر بہ حیثیت ایک دستور کے وہ ہمین ضرور ایمان داری سکھاتا ہی۔ سب کھیلنے والون مین مسلم ہے کہ کھیل مین بے ایمانی کرنا عام طور پر ذلیل ہے چاہے وہ کھیل کتنا ہی سخت مقابلے کے واسطے کیون نہ ہو تفریح مین ایمانداری کا خیال رکھنا ہم کو اس بات مین مدد دیتا ہے کہ ہم اُن چیزون کو بھی حقارت کی نگاہ سے دیکھین جو کہ بمشکل قانون کی حد کے اندر آتے ہین۔ اب مین خیال کرتا ہون کہ اگر ہم غور سے دیکھین کہ عمدہ تفریح کے کیا خواص ہین

اور کن خاصیتون پر اُن کا فائدہ منحصر ہے تو ہم کو یہ بات معلوم ہو گی کہ سب تفریحون مین ذیل کی تین چیزون مین سے ایک ضرور پائی جاے گی۔ (۱) تذبذب (۲) تعجب۔ (۳) ہنر کے استعمال کرنے کا موقع۔ ایسے کامون مین جو روزمرہ کے بندھے ہوے کامون مین سے جداگانہ ہین ہمین اِن تین چیزون کی مناسبت کی یہ وجہ معلوم ہوتی کہ یہ ہمارے واسطے خاص کر ایسی مسرت دہ تبدیلیان مہیا کر دیتے ہین جو اُن کامون سے بالکل جداگانہ ہوتی ہین جن مین بہت سے آدمی عموماً مشغول رہتے ہین۔ اور اِن چیزون کی وجہ سے ہم کو یہ موقع مل جاتا ہے کہ اپنی قوتون اور خوش مزاجی کو کام مین لاوین چونکہ یہ چیزین روزمرہ کی کاروباری زندگی مین بہت ہی کم استعمال کیجاتی ہین لہذا یہ اندیشہ رہتا ہے کہ ایسا نہ ہو وہ قوتین کمزور یا زائل ہو جائین"

پروفیسر میکیل فاسٹر جو فی الحال رائل سوسائٹی کے سکریٹری ہین اپنے حال کے اک لکچر مین یون کہتے ہین کہ "ایسے کام مین بھی جن مین محض رگون اور پٹھون سے کام لیا جاتا ہے خاص کر دماغ ہی تھکا کرتا ہے۔ اور ہم سب لوگ اس بات سے بھی بخوبی واقف ہین کہ اکثر ایسے کام ہین جن مین دماغ تھک جاتا ہے باوجودیکہ ان سے رگون اور پٹھون کو کوئی تعلق نہین ہوتا۔ ہماری مجموعی واقفیت اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ اُن کامون کی طرح جن مین رگون اور پٹھون سے کام لیا جاتا ہے دماغی کام سے بھی کیمیاوی تبدیلیان ہوا کرتی ہین یہ کیمیاوی تبدیلیان جو دماغ مین ہوا کرتی ہین ان مین وہی ترتیب ہوتی ہے جو رگون اور پٹھون کی کیمیاوی تبدیلیون مین ہوا کرتی ہے۔ ہان جزئی طور پر کچھ فرق ضرور ہو جاتا ہے۔ دیگر یہ کہ دماغ مین ذرا سی تبدیلی بھی اگر واقع ہوتی ہے تو اس کا بہت بڑا اثر ہمارے اُس مادے پر پڑتا ہے جس کی بدولت ہمین حس کرنے کی قوت حاصل ہے۔ لیکن رگون اور پٹھون کے اندر تبدیلیون سے اتنا بڑا اثر نہین پیدا ہو سکتا۔

اگر رگون اور پٹھون کی زندگی کے واسطے ایک خاص مقدار تک ایسے خون کی ضرورت ہے جو ادنے درجے کے اعضاء کے باہم کام کرنے سے صاف ہوا ہو

-تاکہ وہ سرمایہ جس سے جسم کے اندرونی کارخانے کا کام چلتا ہے جلدی جلدی
از سر نو تازہ اور نیا ہوتا رہے۔ اور مضرت رسان مادے جو اندر پیدا ہو گئے ہون
اُن کو بہا لے جائے تو ایسا خون دماغ کی زندگی کے واسطے اس سے بھی زیادہ ضروری
ہے۔ علاوہ برین **اسٹریگل فار اگزسٹنس** (زندہ رہنے کے واسطے مفید و مضر
مادون سے جو مقابلہ ہوتا رہتا ہے) نے دماغ کو ایسا بنا دیا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے مددگار
اعضا سے جو اس سے کم درجے کے ہین سبقت لے جانے کی کوشش کرتا رہتا ہے
اور سب سے بہتر اور باقاعدہ انتظام جسمانی مین کانی کام کرتے کا زمانہ جب کہ یہ پیچیدہ
اندرونی کلین کام کرنا شروع کرتی ہین اور وہ زمانہ جب سے تھکاوٹ شروع ہو جاتی
ہے بہت ہی تنگ حدود کے اندر گھرا ہوا ہے۔ جو کچھ مین نے تم سے کہا ہے اگر اس مین
کچھ بھی سچ ہے تو عمدہ طریقہ ان حدون کے بڑھانے کا یہ ہے کہ دماغ کو یون چست و
چالاک نہ بناؤ کہ اس پر زیادہ کام کا بار ڈال دو۔ بلکہ جو اعضا اس کے مددگار ہین
ان کو مدد دو تاکہ اُن کا باہمی کام کرنا تھکن کے حملے سے دماغ کو بچائے رکھے۔

عام زبان مین لفظ **اسپورٹ** شکار کھیلنے نشانہ بازی کرنے اور مچھلیان
پکڑنے کے واسطے مخصوص ہے۔ یہان تک کہ وہ لوگ بھی جو ہماری طرح شکاری
کتون۔ بندوق۔ اور ڈگن کے ذریعہ سے ورزش اور تفریح نہین کرتے ان کا
میلان بھی ان چیزون کی طرف ہوا کرتا ہے ہم نے ان چیزون کو اپنے آبا و اجداد
کے ورثے مین پایا ہے جو اس دنیا مین صرف شکار وغیرہ پر بسر ہی نہین کرتے
تھے بلکہ خیال کرتے تھے کہ آخرت مین بھی ان چیزون سے مسرت حاصل ہو گی۔
اسّی یَن[1] کہتا ہے بندیلا اُن کی قبرون پر دوڑتا ہے لیکن اُن کے آرام مین خلل نہین
ڈالتا۔ وہ یعنی اُن کی روحین اب بھی اپنے جوانی کے اسپورٹ (یعنی شکار
وغیرہ) کو چاہتی ہین اور ہوا پر خوشی خوشی اُڑتی پھرتی ہین "

باوجودیکہ اس بارے مین بہت کچھ لکھا گیا ہے کہ ہم صاف پانی کے بہت
زیادہ احسان مند ہین۔ مگر پھر بھی اس مین شک نہین کہ ہم کو تازہ ہوا سے بھی

---

[1] اسی ین اسکاٹ لینڈ کا ایک بہت ہی قدیم شخص تھا جسکی نسبت خیال کیا جاتا ہے
کہ تیسری صدی عیسوی مین تھا۔

اُسی قدر فائدہ ملتا ہے۔ یہ کس قدر تعجب انگیز بات ہے! ہوا ہمارے سارے جسم کے اندر گھس جاتی ہے۔ وہ ہماری کھال کو اس آہستگی سے غسل دیتی ہے کہ ہمین اُس کی موجودگی کا علم نہین ہوتا۔ باوجودیکہ وہ خود اس قدر طاقتدار ہے کہ پھول کی خوشبو کو اور پھلون کو اُڑا کر ہمارے کمرے مین لے آتی ہے۔ جہازون کو سمندر مین چلاتی ہے اور سمند اور پہاڑون کے لطیف انجرات کو اُٹھا کے ہمارے شہرون کے اندر برساتی ہے۔ یہی آواز سنائی دینے کا ذریعہ ہے۔ یہی ہمارے پاس اُن لوگون کی آواز کو پہونچاتی ہے جن سے ہم محبت کرتے ہین۔ اور نیچر کا شیرین راگ اسی کی بدولت ہمارے کانون مین گونجتا ہے۔ یہی مینھ کا ایک بہت بڑا خزانہ آب ہے جس سے ہماری زمین کی آب پاشی ہوتی ہے۔ یہی دن کی گرمی اور رات کی خنکی مین کمی پیدا کرتی ہے۔ یہی ہمارے سر کو ایک جلیل الشان نیلگون محراب سے ڈھانکے ہوے ہے۔ اور یہی ہے کہ جس کی وجہ سے صبح اور شام آسمان پر شفق نمایان ہوتی ہے۔

جفریز[1] کہتا ہے "دنیا مین کوئی اور سبزہ ایسی شیرین نہین ہے جیسی شیرین کہ ہوا ہے۔ ہوا ایک بڑا پھول ہے جو حسن کی خوبصورت دیوی وینس کی ایسی نازک بانہین ہمارے گلے مین ڈالے ہوے ہے۔ اور یہ گنبد نیلی گویا ایک سوسن کا پھول ہے جو ہمارے اوپر جھکا پڑتا ہے۔ اور جس کی جادو بھری خوشبو نے تمام دنیا کو معطر کر رکھا ہے۔ ہوا کا جنگلی پھول سب چیزون سے زیادہ شیرین ہے۔ ستارون کے سے روشن پھول جو اپنے حسن پہ اترا رہے ہین دریا کے کنارے کنارے ہری گھانس کو ہٹا ہٹا کر اپنا سر بلند کرتے ہین۔ سارے راستے کا حسن اُن کی وجہ سے دوبالا ہو رہا ہے۔ اور اُن کے دیکھنے سے مختلف قسم کے خیال دل مین آتے ہین۔ مین ہر صبح کو دریا کے کنارے جایا کرتا تھا اور لب جو یہ جو ان پھولون کی چمک سے منور تھا ٹھہرا رہا کرتا تھا۔

مجھے یہ بات بہت زمانے کے بعد معلوم ہوئی کہ اسی راستے سے مین کیون جاتا تھا۔ اور تبدیلی کو کیون نہ پسند کرتا تھا۔ مین فی الحقیقت کوئی تغیر نہین چاہتا۔ مین پھر وہی

---

[1] جفریز انگلستان کا ایک بڑا لائق جج تھا۔ جس نے بڑی عزت حاصل کی یہ پیدا ہوا ۱۶۴۸ء مین پیدا ہوا اور ۱۶۸۹ء مین قید مین مرا۔

ابوحیان غرناطی

"ابوحیان محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان"

یہ آٹھوین صدی ہجری کے اُن یگانہ عصر یادگار دن مین ہین جن پر زمانہ ہمیشہ فخر کرے گا۔ یہ بھی اُن لوگون مین ہین جنھین خاک یورپ نے مقدس و مبارک دین الٰہی اسلام کی خدمت کے لیے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ وہی ملک اسپین جو سات آٹھ صدیون تک اسلامی شوکت و وقعت کا مبدار و منشا، اور اہل کمال مسلمانون کا مرجع بنا رہا منجملہ اور سب علمی ترقیون کے ابوحیان کے ایسے فرید عالم نامور پر بھی فخر کر رہا ہے۔ اسپین کا وہ دلفریب اور دلربا سواد اور اُس کے وہ سر سبز اور تر و تازہ سبزہ زار جن کی تعریف پہلی صدی ہجری مین موسیٰ بن نصیر والی افریقہ نے دار الخلافت دمشق مین لکھ کے بھیجی تھی اس امر پہ ناز کر رہی ہین کہ ابوحیان نے ان کے دامن مین نشو و نما پائی۔

سنہ ۶۵۴ھ ۱۲۵۶ء مین شوال کا سراپا عشرت اور مبارک مہینہ تھا کہ اندلسیہ عظمیٰ کے سراپا جبروت دار الخلافت غرناطہ مین جسے انگریزی نقشون مین تم "گرینڈا" پاؤ گے یہ استاد فنون علمیہ پیدا ہوا۔ ماں باپ نے اپنے دامن تربیت مین اتنا ذوق علم پیدا کر دیا تھا کہ سن تمیز کو پہونچتے ہی ابوحیان کے دل مین شوق کی ایک بے چینی پیدا ہو گئی۔ ارض عرب یعنی ملک اسپین کے یگانہ آفاق علما نے عمدہ عمدہ درسگاہین کھول رکھی تھین۔ جن کے فیض تعلیم سے ایک اُس پایہ کا نامور نحوی پیدا ہو سکتا تھا جیسے کہ علامہ ابوحیان ہونے والے تھے۔ ابو الحسن ابدی۔ ابوجعفر بن زبیر۔ ابن صائغ۔ ابوجعفر لبلی۔ اس عصر کے نامور صاحبان درس اور مستند نحوی تھے۔ اور

جن کے فیض تلمذ سے علامہ ممدوح نے علم نحو مین کمال حاصل کیا۔ جب نحو سے فراغت ہوئی تو علم قرأت قرآن کی طرف توجہ کی۔ قرأت ایک خاص علم ہے جس کو علماے ہند نے خدا جانے کیون چھوڑ دیا۔ اس کے ذریعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے مختلف قبائل نے کن کن مختلف طریقون سے قرآن مجید کو پڑھا ہے قدما اس فن کے متعلق بڑی محنتین کرتے تھے۔ اور اُن کی اصطلاح مین قرأت صرف اس کا نام نہ تھا کہ حروف معمولی طور پر مخارج سے ادا کردیے جائین اُن دنون غرناطہ مین علم قرأت کے اُستاد خطیب ابو محمد عبد الحق تھے۔ جن کی دور دور شہرت تھی۔ علامۂ ابو حیان نے ان کی شاگردی کی۔ اور تمام اختلافات قرأت اور گزشتہ قاریون کے مذاہب مختلفہ کے ساتھ قرآن کے بیس دور خطیب صاحب کے سامنے تمام کیے۔ اس کے بعد مشہور خطیب غرناطہ حافظ ابو جعفر غرناطی کی جو ابن الطباع کے لقب سے مشہور تھے۔ اور جو علم قرأت مین یگانۂ عصر تسلیم کیے جاتے تھے جا کے شاگردی کی اور اپنے تئین رتبۂ کمال پر پہونچایا۔ لیکن اب بھی اطمینان نہین ہوا تھا۔ خطیب حافظ ابو علی حسین بن عبد العزیز مشہور بہ ابن ابی الاحوص کی خدمت مین حاضر ہوے اور ابتداے سورۂ فاتحہ سے آخر سورۂ حجر تک اُن کو قرآن سُنایا۔ جب یقین آیا کہ اب مجھے ساتون قرأتون پر صحیح طور پر اور تحقیق کے ساتھ عبور ہو گیا ہے۔

قرآن کے متعلق تمام باتون سے فراغت ہوئی تو علم حدیث کا شوق ہوا۔ اس علمی فن کے شوق نے ایسا از خود رفتہ بنا دیا اور بیخود کر دیا کہ بار ہا وطن مالوف چھوٹ گیا۔ جہان اور جس سر زمین پر کسی حافظ حدیث کا نام سُن لیا سامان سفر کیا اور اُس کی خدمت مین حاضر ہو کے احادیث حاصل کین۔ حتیٰ کہ مورخین کا بیان ہے کہ ابو حیان نے صرف حدیث حاصل کرنے کے لیے ساڑھے چار سو ائمۂ حدیث کی شاگردی کا فخر حاصل کیا۔ قرآن اور حدیث دونون مین تبحر ہو گیا تو علم فقہ کی طرف توجہ کی۔ چنانچہ اس فن شریف دینی مین شیخ علم الدین عراقی کے فخر استاد شاگرد ہین۔ پھر اصول فقہ۔ فن منطق اور نیز علم کلام کے کچھ مسائل استاد ابو جعفر ابن زبیر سے حاصل کیے۔ چنانچہ امام غزالی کی کتاب مستصفی اور قدیم نامور علامہ باجی کی

کتاب اشارہ۔ دونون اسی یگانۂ عصر کے حلقۂ درس مین حاصل کین۔ اس کے بعد زیادہ حصہ علم منطق کا علامۂ بدر الدین محمد بن سلطان بغدادی کے فیض افادت سے حاصل کیا۔ ان اساتذہ کی خدمت مین تعلیم پاتے وقت علامۂ آبو حیان نے ایسی سرگرمی اور محنت و جانفشانی سے کام لیا تھا کہ اپنے اساتذہ ہی کے عہد مین اعلیٰ درجہ کمال اور تبحر پر پہونچ گئے۔ اور ایک بہت بڑے مدرس مشہور ہو گئے۔ آدب۔ قرأت۔ حدیث تفسیر۔ وغیرہ علوم کے حاصل کرنے کے لیے شائقان علوم عموماً اطراف اسپین سے اور اکثر اہل افریقہ اور ایشیا اطراف عالم سے آ آکے اُن کے حلقۂ افادت مین شریک ہونے لگے۔ اُن کے شاگردون مین سے اکثر لوگ مقبولیت عامہ کے درجہ کو پہونچے۔ نے آخر ساتوین صدی کے اکثر مشاہیر اور علما اُن کے شاگرد ہین۔ بلکہ جس طرح علامۂ آبو حیان اپنے اساتذہ ہی کے عہد مین علمی ناموری حاصل کر لی تھی اُسی طرح اُن کے اتنے ایک شاگردون کو خود اُنھین کے عہد مین شہرت اور ناموری حاصل ہوئی کہ مختصراً اُن کی فہرست بھی بخوف تطویل نہین گنائی جا سکتی۔ صلاح الدین صفوی جو دنیا کے مشہور امام ہین اور جن کا نام غالباً تمام اہل علم کو معلوم ہو گا نہایت فخر مباہات کے ساتھ علامۂ آبو حیان کی شاگردی کا اعتراف کرتے ہین۔ اور اپنے استاد علامۂ آبو حیان کی تعریف مین فرماتے ہین "لم ار فی اشیاخی اکثر اشتغالاً منہ لانی لم ارہ قط الا یسمع۔ او یشتغل او یکتب۔ و لم ارہ علیٰ غیر ذلک" یعنی مین نے اپنے استادون مین آبو حیان سے زیادہ کسی کو فنون و علوم مین مشغول نہین پایا اس لیے کہ اُن بزرگوار کو مین نے سوا اس کے کہ یا وہ مسائل علمیہ کو دیگر اساتذہ سے سُن رہے ہون یا خود پڑھا رہے ہون یا تصنیف و تالیف مین مشغول ہون اور کسی کام مین مشغول کبھی دیکھا ہی نہین علامۂ آبو حیان نے اپنے درس کو چند کتابون پر محدود کر دیا تھا۔ چنانچہ سیبویہ کی الکتاب اور ابن مالک کی تسہیل اور اپنے تصنیفات کے سوا اور کوئی کتاب نہین پڑھاتے تھے۔ نحو کی مشہور کتاب مقدمہ ابن حاجب بالکل نہین پسند کرتے تھے۔ بلکہ اس کی شان مین اکثر کہا کرتے تھے "ھذا نحو الفقہا" یعنی یہ تو اہل فقہ کی نحو ہے۔

علامۂ آبو حیان کی زبان مین کسی قدر لکنت تھی۔ ہمارے پنجابی احباب

کی طرح اہل اسپین کے لہجہ مین بھی یہ نقصان تھا کہ قاف کو اُس کے مخرج سے نہین ادا
کرسکتے تھے۔ بلکہ قاف کی جگہ کاف بول جاتے تھے۔ اس اثر سے اسپین کا ایک باشندہ
گو وہ ناموری کے اعلیٰ درجہ پر پہونچ کے علامۂ ابوحیان ہوگیا ہو کیونکر بچ سکتا
تھا۔ مگر باوجود اس کے یہ کمال بھی تھا کہ یہ نقصان صرف باعتبار معمولی گفتگو کے تھا
جب قرآن کی قرأت کرتے یا احادیث وغیرہ پڑھتے اس وقت قاف اپنے اصلی
مخرج سے ادا ہوتا تھا۔ اور کوئی پہچان بھی نہین سکتا تھا کہ یہ وہی بزرگ ہین
جو بات چیت کے وقت قاف کی جگہ کاف بولتے تھے۔

ابوحیان کی لائف مین دو باتین ایسی ہین جن کے خیال سے اُن
مرحوم کی وقعت اور عالی ظرفی پر حرف آسکتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اُنھون نے درجۂ
تکمیل اور مرجعیت پر پہونچ کے خود اپنے بعض اساتذہ سے مخالفت کی صرف
مخالفت نہین بلکہ اُن پر سخت الفاظ مین حملے کیے۔ دوسرے یہ کہ اُن کے
مزاج مین بخل اعتدال سے بہت زیادہ تھا۔ بلکہ انسانی نیچر پر جو ہمیشہ غربا کے ساتھ
ہمدردی کرنے کی طرف متوجہ کرتا ہے غالب آگیا تھا۔

اول یعنی ابوحیان جس طرح اپنے اساتذہ کے ساتھ پیش آئے اس کی تفصیل
یہ ہے کہ عنفوان شباب ہی مین تمام علوم مین تبحر حاصل ہوجانے کی وجہ سے ابوحیان
کو ایک دعویٰ پیدا ہوگیا۔ اور اس دعوے نے یہان تک ترقی کی کہ خود اپنے
اساتذہ ابوجعفر بن طباع اور ابن زبیر سے بگڑ پڑے جس کی ابتدا یون ہوئی
کہ بعض صحبتون اور محفلون مین اُنھون نے دونون کی لغزشین اور غلطیان
ثابت کین۔ اس کی خبر جب ابن طباع اور ابن زبیر کو پہونچی تو اُن کو نہایت ملال
ہوا۔ بلکہ اُنھون نے ناعاقبت اندیشی یا بےصبری سے ابوحیان کو بہت کچھ بُرا
بھلا کہا۔ اُن کی بعض تصانیف پر اعتراض کیا۔ اور اُن کے بعض روایات کو غلط
ثابت کیا۔ جب اُن صبر رسیدہ لوگون سے ضبط نہ ہوسکا۔ تو ابوحیان کی جوانی
کا جوش کب مانتا تھا۔ فوراً مستعد ہوگئے۔ اور ابن زبیر کی روایات کو غلط ثابت
کرنے مین تصانیف کا سلسلہ شروع کردیا۔ ابن طباع کے رد مین بھی ایک کتاب
لکھی جس کا نام "المماع" رکھا۔ ان تصانیف نے دونون اُستادون کی آتش

غضب کو نہایت مشتعل کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابن طباع امیر محمد بن نصر مدعو بہ فقیہ کی خدمت مین دوڑے گئے۔ جو اُس عہد کے صاحب اختیار رؤسا مین تھے۔ اور آبو حیان کی شکایت کی۔ ادھر ابن زبیر نے اس سے بھی زیادہ کارگزاری کی وہ یہ کہ بادشاہ اسپین کی خدمت مین ایک عرضداشت اس مضمون کی بھیجدی کہ آبو حیان نے نالائقی سے سطرح میرے حقوق تلف کر دیے۔ اور یون میری عداوت پہ آمادہ ہو گیا۔ بادشاہ کو ابن زبیر کی بہت کچھ مراعات منظور تھی اور کیون نہ ہوتی۔ ابن زبیر ملک کے قدیم ناموردن مین تھے۔ الغرض اُس عرضداشت کے پہونچتے ہی حسب ضابطہ آبو حیان کی گرفتاری کے لیے سلطنت کی جانب سے وارنٹ جاری ہوا جب اس وارنٹ کی خبر آبو حیان نے سنی تو سوا اس کے اور کچھ نہ بن پڑا کہ وطن کو خیرباد کہی۔ وہ سبزہ زار جن کا شوق عربون کو یورپ مین لے گیا تھا۔ اور وہ عمارات جن کا حلیہ ہمیشہ تاریخون کے صفحون پہ نظر آئے گا دل پہ جبر کر کے سب کو رخصت کیا اور ملک مصر کی راہ لی۔ راستہ مین شہر فارس پڑا۔ وہان تین روز قیام کر کے مشہور مقتدائے عصر ابوالقاسم خرقانی کی صحبت سے بہرہ یاب ہوے۔ چوتھے روز جہاز پہ سوار ہو کے سواد مصر مین داخل ہوے۔

اور اُن کے بخل کا یہ حال ہے کہ مجلسون اور صحبتون مین بیٹھ کے خود ہی کفایت شعاری بلکہ بُخل کی تعریف کیا کرتے تھے۔ درہم و دینار کی تعریف مین اُن کے اکثر اشعار بھی معروف و مشہور ہین جن مین کہین تو فرماتے ہین کہ "جو پیسہ میرے کیسہ مین گرفتار ہوا اُس کی مجھ سے امید رکھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کسی بانجھ عورت سے بچہ کی امید رکھے" شیخ کمال الدین ادفوی کہتے ہین کہ خود علامہ آبو حیان کہتے تھے "مین جب مؤثر اور جذبات کو حرکت مین لانیوالے اشعار سنتا ہون تو اُنکا بہت زیادہ اثر میری طبیعت پہ پڑ جاتا ہے۔ جس شعر مین عاشقانہ جوش ہوتا ہے وہ مجھے فوراً ایک بیتاب عاشق بنا دیتا ہے۔ جرأت بہادری اور رجز کے اشعار سنتا ہون تو مین فی الفور ایک بہادر شجاع اور جانباز سپاہی بن جاتا ہون۔ مگر نہ جانے کیا بات ہے کہ فیاض لوگون کی سخاوت اور جود و کرم کے اشعار سن کے مجھ پہ کچھ اثر نہین ہوتا ممکن نہین کہ ایسے اشعار سنا کے اور ایسے پہ اثر تذکرے کر کے کوئی مجھ سے ایک پیسہ بھی لے سکے

لیکن اِن روایات کا چندان اعتبار نہین اس لیے کہ کمال الدین اوفوی اول تو کوئی مستند شخص نہین ہے۔ دوسرے اسکے خیالات بعض مذہبی وجوہ سے آبوحیان کی نسبت اچھے نہین ہین۔

اس بخل نے تو کوئی نقصان نہین پہونچایا۔ مگر اساتذہ کی مخالفت ایک ایسی چیز تھی کہ علامۂ آبوحیان کو وطن چھوڑنا پڑا۔ اور ۶۷۹ھ مین اُنھون نے ملک مصر کی راہ لی۔ علامۂ مذکور نے ملک اسپین سے بادشاہ محمد ثانی بن ابن الاحمر شاہ غرناطہ کے عہد مین کوچ کیا بلکہ اسی سال جب شاہ محمد نے شاہ کیسٹل کو بہت بڑی فاش شکست دی ہے اور عیسائیون کو قتل و قمع کیا ہے۔

مگر علامۂ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہین کہ خود آبوحیان نے اپنی کتاب نضار مین اس سفر غربت کا کچھ اور ہی سبب بیان کیا ہے۔ لکھتے ہین "مین نے جو شہر غرناطہ کو چھوڑا اسکی ایک قوی وجہ یہ تھی کہ سرزمین اسپین مین ایک بہت بڑا نامور اور مشہور فلسفی تھا۔ اس کی زندگی امور حکمت کے دریافت کرنے ہی مین گذر گئی تھی۔ جب اُس کے مرنے کا وقت قریب آیا اور اُسے یقین ہوا کہ مین بہت دنون تک زندہ نہ رہون گا تو وہ بادشاہ وقت محمد ثانی کی خدمت مین حاضر ہوا اور یہ عرض کیا کہ مین نے اپنی زندگی حکمت و فلسفہ کے رموز و نکات دریافت کرنے مین بسر کردی۔ اب میرا وقت آخر ہوا اور افسوس معلوم ہوتا ہے کہ جو رموز مین نے مدت العمر مین حاصل کیے ہین وہ میرے ہی ساتھ تمام ہو جائین گے۔ لہذا دربار شاہی کی طرف سے تمام اطراف اندلس مین اطلاع دیدیجائے کہ جو کوئی عالم ہو فوراً حاضر ہو تاکہ مین اُن لوگون کو اپنے خیالات بے بدل اور اجتہادات فلسفیہ بتادون اور اُن سب کو اپنا شاگرد بناکے دنیا سے نامور اور نیکنام جاؤن۔ بادشاہ نے یہ راے پسند کی۔ اور تمام علماے اسپین طلب کیے گئے۔ مین خاص دار الخلافت غرناطہ مین تھا سب کے پہلے میری طلبی ہوئی۔ اور سلطنت کے دباؤ سے مین نے اُس کی شاگردی قبول کی۔ سلطان نے اِس فرمان برداری کے صلہ مین میری عزت افزائی کی اور مجھے ایک نہایت ہی بیش بہا خلعت مرحمت ہوا۔ لیکن اپنے دل مین مجھے اس کی شاگردی پر نہایت ندامت معلوم ہوئی۔ اور اس ندامت نے اس قدر

مجھ پر غلبہ کیا کہ مجھے اپنی زندگی تنگ معلوم ہونے لگی۔ الغرض آزادی نے میرے دل میں جوش مارا۔ میں نے وطن کو خیرباد کہی افریقہ کا راستہ لیا۔

بہرحال جس طرح ہوا ابو حیان نے اسپین کو چھوڑ دیا اور ایک مدت تک اسکندریہ میں رہے۔ وہان شیخ عبدالنصر بن علی بن یحیٰی مریوطی موجود تھے۔ جو دنیا بھر میں علم قرأت کے امام مانے جاتے تھے اور جنھون نے اس امر خاص مین اپنے آپ کو تمام دنیاے اسلام کا مرجع بنا دیا تھا۔ ابو حیان کو یہ موقع غنیمت معلوم ہوا شیخ ممدوح کی خدمت مین حاضر ہوے اور ازسرنو پھر قرأت کو حاصل کیا۔

اس مقام سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ علامۂ ابو حیان نے اساتذہ اندلس سے اگر مخالفت کی تو وہ ناجائز نہ ہوگی۔ اس لیے کہ اگر اُن کو خودستائی کا بے سبب دعوی تھا تو اسکندریہ پہونچ کے اسی فن مین جس مین کیا کچھ کمال حاصل کر چکے تھے کیون اپنے تئین طفل مکتب بنا دیا اور شیخ عبدالنصر کے آگے زانو شاگردی تہ کیا۔ صرف شیخ عبدالنصر ہی نہین علامۂ ابو حیان مصر کے ایک دوسرے اُستاد قرأت شیخ ابو طاہر اسمٰعیل بن ہبتہ اللہ ملیحی کی خدمت مین بھی گئے اور ان کی شاگردی کو بھی فخر جان کے اختیار کیا۔

اس کے بعد علامۂ ابو حیان ایک مدت دراز تک سفر ہی مین رہے مصر۔ عراق۔ شام۔ حجاز۔ یمن اور بلاد سوڈان۔ اور بہت سے دیگر مقامات ایشیا کی سیر کی۔ یہ سفر بھی صرف شوق علم مین تھا۔ جہان کسی استاد فن محدث فقیہ قاری یا کسی اور فن کے استاد کا نام سُن لیا۔ وہان دوڑے گئے۔ اور اس کا تلمذ اختیار کیا۔ ابو عبداللہ محمد بن سعید زعینی کہتے ہین کہ خود ابو حیان کہتے تھے "جملۃ من سمعت منھم نحو من خمس مائۃ و المجیزون اکثر من الف" یعنی وہ سب لوگ جن سے مین نے درس سنا اُن کا شمار تقریبًا پانچسو ہی اور جن علما نے مجھے اجازت دی اُن کا شمار ہزار سے زیادہ ہے۔

اس سیر و سیاحت اور علمی ذوق و شوق سے ابو حیان کو اتنا بڑا فخر حاصل ہوا جس کی قدر اگر کسی محدث کے دل سے پوچھیے تو معلوم ہو۔ ابو حیان کا شمار آٹھوین صدی کے علما مین ہے۔ مگر اُن کو تین حدیثین ایسی ملین جن کی روایت اُن سے حضرت رسالت پناہ تک صرف آٹھ واسطون سے پہونچتی ہے حقیقت مین

یہ فخر اُن کے لیے بہت بڑا تھا۔ اور اس پردہ جس قدر ناز کرتے زیبا تھا۔
ہم اپنے اہل حدیث دوستون کے محظوظ کرنیکے لیے اس سند کو بھی نقل کیے دیتے
ہین۔ ابو حیان کہتے ہین مجھ سے کہا محمد بن احمد بن مؤید ہمدانی اور مؤنسہ
بنت ملک العادل ایوب بن شادی نے اُن دونون نے سنا ابوالفخر اسعد بن سعید
بن روح سے اُنھون روایت کی فاطمہ جوز جانیہ بنت عبداللہ بن احمد سے
اُنھون نے سنا ابو بکر محمد بن رندہ ضبی اصفہانی سے اُنھون نے حافظ ابوالقاسم
سلیمان بن احمد بن ایوب بن مظر لخمی طبرانی سے اُنھون نے عبداللہ بن رباح
قیسی سے سرزمین رملہ مین ۲۷۴ھ مین اُنھون نے روایت کی ابو عمر زیاد بن طارق
تابعی سے اسوقت جبکہ ان کی عمر ایک سو بیس برس کی ہو چکی تھی کہا مجھ سے بیان کیا
ابو جرول زہیر بن صرد جشمی نے جو صحابی ہین کہ غزوۂ حنین مین جب مسلمانون کو
فتح ہوئی تو لوگ مجھے گرفتار کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے گئے
مین آگے بڑھا اور نہایت رقت قلب اور التجا و عاجزی کے لہجے آنحضرت کی مدح
مین ایک قصیدہ پڑھنے لگا (جو کتب تواریخ مین مندرج ہے) انحضرت کے دل
مین انتہا سے زیادہ رحم تھا وہ قصیدہ سُن کے آپ کو مجھ پر رحم آگیا۔ دوسری
سند ابو القاسم طبرانی تک تو اسی سلسلہ سے گئی ہے مگر طبرانی کے شیخ دوسرے
ہین یعنی طبرانی کہتے ہین مجھے خبر دی جعفر بن حمید انصاری نے کہ میرے نانا
عمر بن ابان مدنی نے مجھ سے بیان کیا کہ انس بن مالک نے مجھے رسول اللہ صلعم
کے وضو کا طریقہ بتایا۔ تیسری سند بھی طبرانی تک پہونچتی ہے اور اُس کے بعد
یون ہے کہ طبرانی نے روایت کی محمد بن احمد بن زید بصری سے اُنھون نے دینار
بن عبداللہ انس بن مالک کے غلام سے اور اُنھون نے اپنے مولی انس بن مالک
سے کہ اُنھون نے کہا رسول اللہ صلعم نے فرمایا خوشخبری ہو اس شخص کو جس نے
مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اور جس نے کسی میرے دیکھنے والے کو دیکھا اور
مجھ پر ایمان لایا یا میرے دیکھنے والی کے دیکھنے والیکو دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا۔ یہ تین سلسلہ
ہین جن کے ذریعہ سے ابو حیان کو صرف آٹھ ہی ذریعون سے رسول اللہ
کی احادیث پہونچ گئین۔

اس کے علاوہ محدثین مین علامۂ ابوحیان کو ایک اور حیثیت سے بھی تخصیص ہے۔ اکثر سندون مین یون طریقہ آیا ہے کہ بعض راوی اپنے آبا سے سلسلہ وار دو تین پشت تک روایت کرجاتے ہین۔ جس کو یون لکھتے ہین کہ "عن ابیہ عن ابیہ عن ابیہ" اس قسم کا سلسلہ اور تمام سندون مین تین ہی چار پشت تک گیا ہے۔ لیکن ابوحیان کو دو سلسلون سے یون روایت پہونچی ہے کہ آبا و اجداد کا سلسلہ بہت دور تک چلا گیا ہے۔ چنانچہ اُن مین سے ایک سلسلہ جس مین ابوحیان کے استاد ابوالحسن بن نامہ ہین اور وہ چند وسائط کے بعد شیخ رزق اللہ بن عبدالوہاب تمیمی سے روایت کرتے ہین۔ سند صرف بذریعۂ آبا و اجداد ہی کے رسول اللہ صلعم تک پہونچ گئی ہے۔ یعنی رزق اللہ کہتے ہین مین نے اپنے پدر بزرگوار ابوالفرج عبدالوہاب سے سنا۔ اُنھون نے اپنے والد ماجد ابوالحسن عبدالعزیز سے اُنھون نے اپنے والد ماجد ابوبکر حرث سے اُنھون نے اپنے والد اسد سے اُنھون نے اپنے باپ لیث سے اُنھون نے اپنے باپ سلیمان سے اُنھون نے اپنے والد ابوالاسود سے اُنھون نے اپنے والد سفیان سے اُنھون نے اپنے والد یزید سے اُنھون نے اپنے باپ اکینہ سے اُنھون نے اپنے باپ ہیثم سے اُنھون نے اپنے باپ عبداللہ سے جو صحابی ہین اور فرماتے ہین کہ مین نے رسول اللہ صلعم کو سنا فرماتے تھے مسلمان لوگون مین کوئی ذکر خیر نہین چھڑتا مگر یہ کہ اُن پر ملائکہ سایہ کر لیتے ہین اور رحمت عام ہو جاتی ہے۔ اس سند مین بارہ راویون نے اپنے اپنے آبا سے روایت کی۔ اس کے علاوہ ایک اور سند ہے جس مین نو پیڑھیون نے اپنے آبا سے روایت کی ہے۔ ایسی سندین اور محدثین کو کم نصیب ہوئی ہین اور ابوحیان ان پر جس قدر فخر و ناز کرتے زیبا تھا۔

علامۂ مقری مشہور مورخ اندلس فرماتے ہین کہ استاد ابوحیان نے جس وقت سرزمین اسپین سے کوچ کیا ہے اور مصر کی راہ لی ہے اگرچہ پوشیدہ طور پر وہ سلطنت سے روپوش ہو کے گئے تھے۔ لیکن محبت وطن کے جوش نے اُنھین اس امر پر آمادہ کر دیا کہ ایک نصیحت نامہ اور دستور العمل لکھ کے اہل وطن کے سپرد کرتے گئے۔ تاکہ لوگ اس پر عمل کرین اور ہر قسم کی لغزشون سے محفوظ رہین۔ علامۂ مقری فرماتے ہین یہ وصیت نامہ ابوالطیب بن علوان تونسی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ملا جس نے استاد ابوحیان کے شاگردون کے مدرسون مین تعلیم پائی تھی۔ وہ وصیت نامہ کتب تواریخ مین

بلفظہ موجود ہر شائقین اگر چاہین تو نفح الطیب تاریخ اندلس مین دیکھ سکتے ہین۔
اس کا ہر لفظ ایک گران بہا جوہر ہے۔ اور ہر دیکھنے والا اُس کی دو چار سطرین
بھی دیکھ کے خیال کر سکتا ہے کہ استاد ابو حیان کس پایے کے شخص تھے۔ اور دیگر
علما ایسا دستور العمل تیار کرنے سے کس حد تک عاجز ہین۔ یہ عجب بات ہے کہ خود
ممدوح مورخ اندلس کی تصریح کے مطابق اُستاد ابو حیان کو "شایخ صوفیہ سے
حسن عقیدت نہ تھا۔ بلکہ بعض مشایخ پر اُنھون نے بہت کچھ رد و قدح بھی کیا۔ اور
واقعی یہ شان اکثر محدثین مین پیدا ہو گئی۔ اور عموماً پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اس
وصیت نامہ مین اُنھون نے جس اصرار اور تاکید سے لوگون کو مشایخ صوفیہ کی
طرف متوجہ کیا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو حیان سے زیادہ کرامات اولیا
کا کوئی معتقد بھی نہین ہے۔ ایک اور مقام پر ابو حیان نے ابو تمام فقیہ سے روایت
کی ہے کہ کہتے تھے ایک بار مین نے ابو الحسن بن جالوت کی تربت کی زیارت کا ارادہ
کیا۔ اہل اسلام کے قبرستان مین گیا۔ اس سے پیشتر چونکہ اور کبھی مجھے اس تربت پاک
کی زیارت کا اتفاق نہین ہوا تھا۔ اور نہین پہچانتا تھا کہ اُن کی قبر کون ہے لہذا ادھر
اُدھر دیکھنے لگا۔ سب قبرین ایک ہی طرح کی نظر آئین۔ اور کسی طرح نہ معلوم ہو سکا
کہ قطب الافاق ابن جالوت کا مزار کون ہے۔ کچھ دیر توقف کر کے مین مایوسی کے ساتھ
پلٹا۔ دو ہی چار قدم چلا ہون گا کہ ایک قبر سے آواز آئی "یا غالب اتمشی ما زرتنی"
اے غالب (ابو تمام کا نام ہے) کیا بے ہم سے ملاقات کیے چلے جاؤ گے؟ ابو تمام کہتے
ہین یہ آواز سن کے مین پھر پھرا۔ اور اُس قبر کے پہلو مین جس سے آواز آئی تھی بیٹھ کے
فاتحہ پڑھنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر مین شیخ مرحوم کے صاحبزادے آئے اور مین نے اُن
سے پوچھا شیخ ابن جالوت کی قبر کون ہے۔ اُنھون نے بتایا کہ جس کے برابر تم بیٹھے ہو۔ یہ
سُن کے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ آواز شیخ مرحوم ہی کی تھی۔

استاد ابو حیان نے جب اس قسم کی روایات حسن عقیدت کے ساتھ بیان کی
ہین تو یقین کر لینا چاہیے کہ اُن کو صوفیۂ کرام کی جانب سے کسی قسم کا سوء ظن نہ
تھا۔ اور جو کچھ اُنھون نے مخالفت کی ہے اس مین صرف وہ لوگ مخاطب ہین جو ہمارے
زمانے کے اکثر پیرزادون کی طرح فریب اور مکر کے ساتھ دعوی ولایت و تصوف

کیا کرتے ہین۔ بلکہ ایک بے مثل قطعہ ابو حیان کا صاف بتا رہا ہے کہ اُن کو اپنے ہمعصر
مکارا در فریبی مدعیان تصوف ہی سے مخالفت تھی اور جس مخالفت کی آسی اسلوع کے دو شعر جن کر
کی غرض ظاہر ہو گی ہم نقل کیے دیتے ہین تاکہ ہمارے دوستون کو استاد ابو حیان کے
خیالات بخوبی معلوم ہو جائین۔

وَمَنْ یَدَّعِیْ مِنْهُمْ صَلَاحًا فَزِنْدِیْقٌ تَغَلْغَلَ فِی الضَّلَالِ
فَنَهْبٌ مَالَهُمْ وَنُصِیْبُ مِنْهُمْ نِسَائَهُمْ بِمَقْبُوْحِ الْفِعَالِ

یعنی ان مین سے جو کوئی صلاح وتقویٰ کا مدعی ہے وہ ایک زندیق ہے کہ وادی
ضلالت مین گمراہ ہو گیا ہے۔ وہ مریدون کا مال لوٹتا ہے اور اُن کی عورتون سے بُ...
کام لیتا ہے۔

اُستاد ابو حیان کو زیادہ ناموری خاص کر علم نحو مین حاصل ہوئی اور ایسی ناموری
کہ نحو کے وہ بہت بڑے امام تسلیم کیے جاتے ہین۔ جلال الدین سیوطی نے نحو مین جو
کتاب جمع الجوامع لکھی ہے اس کی نسبت خود اعتراف کرتے ہین کہ مین نے اس مین
جو کچھ لکھا ہے علامۂ ابو حیان کی تصنیفات سے لے کے لکھا ہے اور جمع الجوامع ایک
ایسی کتاب ہے کہ اُس کے مثل نحو مین کم کوئی کتاب نظر آئے گی۔ خصوص جب یہ خیال
کیا جائے کہ علامۂ ابو حیان نے نحو مین متقدمین کی بالکل تقلید نہین کی اور اپنی تحقیقات
مین کل اساتذۂ سابق سے علحدہ ہو گئے ہین تو حیرت معلوم ہوتی ہے کہ نحو کے دائرہ
مین اس استاد یگانہ نے کیونکر اجتہاد کا جھنڈا بلند کیا۔

ابو حیان کی مدح وثنا مین مورخین نے جس زور قلم سے کام لیا ہے اور اُن
کی وقعت ثابت کرنے مین جیسی قوت تحریر دکھائی ہے اس کو دیکھ کے شاید عام لوگون کو
دھوکا ہو گا کہ وہ الفاظ صرف مبالغہ پر محمول ہین۔ صلاح الدین صفوی نے بہت بڑی
طولانی عبارت کے ضمن مین صاف لکھ دیا ہے کہ "کان امیر المومنین فی النحو" اور اس جملہ
کے بعد اس شد ومد سے تعریف کی ہے کہ تمام ائمۂ نحو کو استاد ابو حیان کے آگے ایک طفل
مکتب ثابت کر دیا ہے۔ سیبویہ۔ اخفش۔ فراء۔ یزیدی۔ کسائی۔ کسی کی کوئی اصل وحقیقت
نہین باقی رکھی۔

علامۂ صفوی جو آخر عہد مین ابو حیان کے معاصر تھے انھون نے ایک خط

کے ذریعہ سے استاد ابو حیان سے اُن کے تمام تصانیف اور تمام دیگر کتب کی روایت کرنے کی اجازت طلب کی تھی۔ یہ اگلے عہد مین دستور تھا کہ جب تک مستند شیخ جس کو سلسلہ در سلسلہ اجازت درس وروایت ملتی آئی ہو اجازت نہ دے اس وقت تک کوئی شخص نہ روایت کر سکتا تھا اور نہ درس دے سکتا تھا۔ الغرض علامۂ صفوی کے جواب مین استاد ابو حیان نے تمام مشہور مصنفون کی معرکہ آرا کتابون کی فہرست لکھی ہے اور علامۂ ممدوح کو روایت کی اجازت دی ہے۔ اس کے بعد تحریر فرماتے ہین کہ مین نے اندلس۔ افریقہ۔ مصر۔ حجاز۔ وغیرہ دیگر بلاد اسلامیہ مین اپنے اساتذہ سے جو کچھ حاصل کیا اُس سب کی تم کو اجازت دیتا ہون۔ میری روایتون۔ تصنیفون وغیرہ سنے جو کچھ ہووے سب کی روایت تمھین جائز ہے۔ سب سے زیادہ جس چیز کی سند مین تم کو دے سکتا ہون وہ قرآن کا ساتون قرأتون سے پڑھنا ہے۔ اور سب سے عمدہ میرے استاد قرأت مین فخر الدین ابو طاہر ملیحی تھے۔ علاوہ برین صحاح ستہ۔ موطا۔ مسند ابن حمید۔ مسند دارمی۔ ان سب کتابون کی مین تم کو اجازت دیتا ہون۔ اس کے بعد بتایا ہے کہ میرے اتنے استاد تھے۔ اور مین نے ان کوششون سے یہ سندین حاصل کی ہین۔ اور کہان کہان مارا مارا پھرا ہون۔

علامۂ ابو حیان کے دلچسپ واقعات مین ایک یہ واقعہ ہے کہ اُن کی ایک صاحبزادی تھین جن کا نام نضارہ تھا۔ نضارہ نے بھی اس عہد کی عورتون کی طرح علوم دینیہ اور ادبیہ مین کمال حاصل کیا تھا خصوص ایک ممتاز محدثہ خیال کی جاتی تھین۔ تاریخ اسپین بتا رہی ہے کہ وہان کے مسلمانون مین تعلیم نسوان کا نہایت تکمیل کے ساتھ رواج تھا۔ چنانچہ جس طرح ہر عہد نامور علما اور شعرا مردون مین سے ہوا کرتا تھا اسی طرح عورتین کمال حاصل کر کے ملک مین اعلیٰ کمال کا رتبہ حاصل کر لیا کرتی تھین۔ اس باعصمت خاتون نے قرأت اور حدیث کو اپنے یگانۂ عصر باپ سے حاصل کیا تھا۔ اور نحو کے اکثر متن ابن زبیر وغیرہ علماے اندلس سے اجازت لے کے زبانی یاد کر لیے تھے۔ آخر اس کی تعلیم نے نضارہ کے دل مین دین کا جوش پیدا کر دیا اور وہ ارض اندلس چھوڑ کے بغرض حج مکہ معظمہ گئین۔ مکہ ہو تیخ کے نضارہ نے اپنی سند سے اکثر احادیث روایت کین۔ اور وہان کے بعض لوگون کو

گرویدہ بنایا۔ اور اسی طور پہ نضار نے کم سنی میں ایک مشہور اُستاد کی حیثیت پیدا کرلی۔ علامۂ ابو حیان کو اپنی اس بیٹی سے نہایت ہی الفت تھی اور جہان تک ہو سکتا تھا اس کی ناز برداری مین کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھتے تھے۔ بیٹی کی محبت نے یہان تک ترقی کی کہ اپنے بیٹے حیان سے بھی اس قدر اُنس نہین رہا۔ اکثر زبان سے یہ کلمہ نکل جاتا تھا کہ کاش اس کا (نضار کا) بھائی حیان اس سے اچھا نہین تو اس کا ایسا ہوتا۔ علامۂ صفوی کہتے ہین ابو حیان نے بارہا خود مجھ سے نضار کی تعریف کی اور فرمایا "حدیث مین اس کی ایک تصنیف موجود ہے۔ زبان عرب کی ادب کے متعلق اس کی لیاقت بے مثل ہے۔ اشعار بھی خوب کہہ لیتی ہے۔ اور طبیعت بہت اچھی پائی ہے" آہ! ابو حیان کو اس بیٹی کا بہت بڑا داغ دل پہ اٹھانا پڑا۔ جمادی الآخر سنہ ۷۳۰ھ مین نضار نے ملک مصر مین انتقال کیا۔ ابو حیان اس صدمہ سے نہایت اندوہگین ہوے ملک ناصر ان دنون خدیو مصر تھا۔ اس کی خدمت مین علامۂ ابو حیان نے عرضداشت بھیجی کہ جس مین پہلے تو اپنے رنج والم اور صدمۂ جانکاہ کا حال لکھا تھا اُس کے بعد اجازت طلب کی تھی کہ گو عام طور پہ شہر قاہرہ کے اندر کسی لاش کو دفن کرنا ممنوع ہے مگر مین امیدوار ہون کہ مجھے اجازت دیجاے گی کہ اپنی بیٹی نضار کی لاش خاص شہر کے اندر دفن کرون۔ ملک ناصر کو عرضداشت دیکھ کے بڑا ترس آیا۔ دستخط مین بہت کچھ ہمدردی و دلدہی کے کلمات لکھے اور علامۂ ابو حیان کی مرضی کے موافق اجازت دی کہ نضار کی لاش خاص قاہرہ کے اندر مدفون ہو۔ اس اجازت کے بعد ابو حیان نے اپنی بیٹی کو نہلا اور کفنا کے خاص اسی مکان مین دفن کیا جس مین رہتے تھے۔ یہ مکان قاہرہ کے محلہ برقوقیہ مین واقع تھا۔ ابو حیان کو بیٹی کا اتنا بڑا غم ہوا تھا کہ دفن کرنے کے بعد پورے ایک برس تک گوشہ نشینی کے عالم مین قبر ہی پہ بیٹھے رہے۔ اور اس زمانے مین کسی شخص سے نہین ملے اور گویا خیال کر لیا تھا کہ سوا مراسم عزاداری اور سوگواری کے اُنھین اور کچھ کرنا ہی نہ تھا۔

شیخ صلاح الدین کہتے ہین مین رحبہ مین تھا کہ مجھے نضار کے مرنے کی خبر پہونچی۔ لہذا بہ طریق تعزیت مین نے چند اشعار کہے اور شیخ ابو حیان کے پاس بھیجدیے۔ اس مرثیہ مین واقعی بعض بعض اشعار نہایت زور کے ہین جن سے

معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صلاح الدین کو بھی مرحومہ کے مرنے کا نہایت ہی قلق تھا۔

علامۂ ابو حیان صرف ملّا اور ایک مدرس ہی نہ تھے۔ طبیعت موزون پائی تھی۔ اور اکثر شعر گوئی کا بھی مشغلہ رہتا تھا۔ ایک چھوٹا سا دیوان اُن کی شاعری کی یادگار مین موجود ہے۔ اگر کوئی ان اشعار کو دیکھے تو معلوم ہو کہ خیال آفرینی مین اُس فاضل یگانہ کی طبیعت کیسی لڑتی تھی۔ ہر شعر صاف الفاظ مین بتارہا ہے کہ میرا کہنے والا ایسا قادر الکلام ہے کہ جدھر رُخ کرے گا تمام ہمفنون پر سبقت لے جائے گا۔ عاشقانہ مضامین کو اس خوبی سے اور ایسے پُر جوش اور دل پر اثر ڈالنے والے الفاظ مین ظاہر کرتے ہین کہ معلوم ہی نہین ہوتا یہ کسی عالم و فاضل اور مولوی کے اشعار ہین۔ شاعری کا یہی کمال ہے کہ انسان جس خیال کیطرف توجہ کرے اپنی طبیعت کے دیگر جذبات سے بچا کے ادا کر جائے اور یہی سبب ہے کہ اہل علم کے اشعار شاعرون کی محفلون مین بہت کم وقعت پیدا کر سکتے ہین۔ علامۂ ابو حیان مین یہ دوسرا کمال تھا کہ صرف عاشقانہ جذبات ہی اُن مین نہ تھے۔ اکثر نصائح اور دنیاوی فوائد کی باتون کو بھی اُنھون نے نظم کیا ہے اور اس خوبصورتی سے نظم کیا ہے کہ شاید اُس سے زیادہ موثر طریقہ اُن نصائح کے ادا کرنے کا اور کوئی ہو ہی نہین سکتا۔ پند و نصائح کے متعلق ابو حیان کے بہت اشعار ہین۔ کہین دنیا کی مذمت مین طبیعت داری کے جوہر دکھائے ہین۔ کہین وفادار دوستون کے نہ ملنے کو عجب موثر طریقہ سے ادا کر گئے ہین۔ غزلیت جو فارسی کی ایجاد ہے اس کا مادہ بھی اُن کی طبیعت مین کمال کے ساتھ تھا۔ اُن کے اکثر نظم اسی اسلوب پر ہین مگر اصل یہ ہے کہ جو غزل کی شان ہے وہ اُن مین نہین لیکن ہان کہتے تو خوب کہتے۔ مگر ہم تو یہ کہین گے کہ خوب ہوا جو عربی مین غزل سرائی کی بنیاد نہین ڈالی۔ ورنہ فارسی اور اُردو کی طرح عربی شاعری بھی صرف خیال آفرینی پر محدود ہو جاتی۔ اور کلام کے موثر بنانے یا واقعہ کی تصویر دکھانے کی قوت بالکل سلب ہو جاتی۔

الغرض علامۂ ابو حیان جب تک زندہ رہے عربی زبان کو بمثل ترقی دلاتے رہے۔ یہان تک کہ زمانے نے اُنھین تھکا دیا۔ اور پیام اجل نے

ایسے گرانمایہ شخص کو اس کے شاگرد دن ہی نہین ساری دنیا کے آغوش محبت سے چھین لیا! استاد ابو حیان کی تاریخ وفات مین مورخین اسپین اور مورخین ایشیا مین اختلاف ہو گیا۔ اہل اسپین ۷۴۳ھ بتاتے ہین۔ اور اہل ایشیا ۷۴۵ھ لکھتے ہین۔ مگر مشہور مؤرخ اندلس علامہ مقری نے نہایت انصاف پسندی سے فیصلہ کیا ہے کہ مورخین ایشیا کا بیان زیادہ قابل قبول ہے اس لیے کہ استاد مرحوم نے اُنھین کے بڑوس مین انتقال فرمایا علامہ صلاح الدین جو شام کے مشہور ادیب تھے اور جن کو ابو حیان کے ہمعصر ہونے کی عزت حاصل تھی۔ اور اپنے عصر کے مقتداے زمانہ تھے لکھتے ہین کہ، علم نحو کے بادشاہ اور ہمارے اُستاد شیخ ابو حیان نے تقریباً اسّی برس تک علم نحو کو فائدہ پہونچایا۔ یہان تک کہ ضعیفی نے ان کو بالکل تھکا دیا۔ انھون نے شہر قاہرہ مین باب البحر کے باہر جس مکان مین رہتے تھے اُسی مین ہفتہ کے روز نماز عصر کے بعد صفر کی ۲۸ کو ۷۴۵ھ مین انتقال فرمایا۔ اور دوسرے روز مقبرۂ صوفیہ مین جو باب نصر کے باہر ہے دفن ہوے۔ دمشق کی مشہور مسجد جامع بنی امیہ مین لوگون نے ان کے جنازے کی صلوٰۃ غائب پڑھی۔ صلاح الدین جو ہر طرح سے علامہ ابو حیان کے معترف تھے اُنھون نے ابو حیان کا ایک نہایت ہی پردرد مرثیہ لکھا ہے۔ اس مرثیہ مین نحو کی تمام اصطلاحون کو شاعرانہ خوبصورتی سے کھپایا ہے۔ بلکہ بعض مورخین کا بیان ہے کہ وہ مرثیہ زبان عرب کے دیگر مرثیون پر بہت ترجیح رکھتا ہے۔

علامہ ابو حیان کی تصنیفات بہت ہین تقریباً چالیس پینتالیس کتابین ہین جو اُستاد ابو حیان کی برکتون کی یادگار ہین اُن کی تصانیف کو زیادہ تعلق نحو و صرف اور خاص اصول زبان سے ہے اور تمام وہ مصنفین جو استاد ابو حیان کے بعد ہوے اُن سب پر ابو حیان کی تصانیف کا بہت بڑا احسان ہے

الغرض استاد ابو حیان ایک ایسے شخص تھے کہ سرزمین اسپین اور غرناطہ کو ہمیشہ اُن پر فخر رہے گا گو آج وہان اُن کے معترف اور اُن کے فاتحہ خوان بلکہ اُن کے نام کو عزت سے لینے والے باقی نہین ہین لیکن زمانہ ہمیشہ یاد دلاتا رہے گا اور سرزمین اسپین کو کبھی نہ بھولے گا کہ استاد ابو حیان ایک ایسے مقتداے عصر اور یگانہ دہر کا نام ہے جس کی وجہ سے مغربی یورپ کا ایک

کر سکا اپنے علم و فضل اور اپنی تہذیب کے اعتبار سے ان دنون ایشیا مین ناموری حاصل کر سکا جبکہ اُس کے برابر کے تمام اضلاع اور کل حصص مغربی یورپ کے وحشی اور بالکل غیر مہذب تصور کیے جاتے تھے۔

خدا غریق رحمت کرے ابو حیان کو جو باوجودیکہ عرب سے پانچ چھ ہزار میل فاصلہ پر تھے مگر زبان عرب کو اس سرگرمی سے ترقی دلا رہے تھے اور شاید اسی کا اثر ہے کہ ہزار کوشش کی جائے مگر عربی الفاظ زبان اسپین سے نکالے نہین نکلتے۔

کانڈی جو مشہور مؤرخ اسپین ہے اس نے اپنی تاریخ مین صاف صاف لکھدیا ہے کہ اسپین کی موجودہ زبان جس کو چار پانچ سو برس ہوے عربی سے کوئی تعلق نہین اب تک اُس مین نصف کے قریب عربی الفاظ موجود ہین۔

اس کے بعد اس امر کا بھی خیال کرنا چاہیے کہ عیسائیون نے اپنے ملک سے عربی کا اثر مٹانے کے لیے کیسی کیسی کوششین کین کہ تمام وہ علمی کتب خانے جن کا تذکرہ اب صرف تاریخون مین ہے۔ صرف اس خیال سے کہ وہ قرآنی زبان مین تھے جہاز و کشتیون مین بھر بھر کے سمندر مین ڈبو دیے گئے

کیمیا۔ یہ ماہواری رسالہ ہمارے دوست سید عشرت حسین صاحب نقوی فرزند ارجمند جناب سید جالب صاحب ایڈیٹر ہمدم لکھنؤ کی نگرانی مین مئی سنہ ۱۹۲۶ء سے شائع کرنا شروع کیا ہے۔ اسکے اجرا کا مقصد ملک کے سامنے صنعت و حرفت اور تجارتی و کاروباری لٹریچر کا پیش کرنا ہے۔ اسوقت تک اسکے دو نمبر شائع ہو چکے ہین۔ پہلا نمبر ٹائٹیل کے علاوہ ۸۰ صفحون پر ختم ہوا ہے اور اس مین اعلیٰ درجے کے پچیس مضامین ہین۔ اس نمبر مین پہلا مضمون (کیمیا کا پہلا نسخہ) خود حضرت جالب صاحب کا ہے اور باقی مضامین دیگر مشاہیر اہل قلم کے لکھے ہوے ہین۔ دوسرا نمبر ۷۲ صفحون پر ختم ہوا ہے اور اس مین ۲۶ مضامین ہین اس نمبر مین حضرت جالب صاحب نے کیمیا کا دوسرا نسخہ بتایا ہے باقی مضامین کچھ منتخب ہین اور کچھ مشاہیر اہل قلم کے۔ اس رسالے کی تقطیع ۲۰×۳۰/۸ لکھائی چھپائی عمدہ اور قیمت صرف للعہ سالانہ ہے۔ ناظرین ذیل کے پتہ سے طلب فرمائین۔ دفتر رسالہ کیمیا ۱۲۳-۳۳ ایبٹ روڈ۔ لکھنؤ

تفریح

(۲)

سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو دلگداز
ماہ جون ۱۹۲۶ء
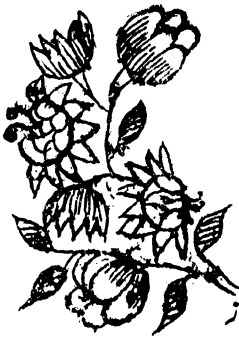
ہم اکثر یہ سنتے ہین کہ موسم خراب ہے۔ لیکن حقیقت مین کوئی موسم خراب نہین ہے سب موسم فرحت انگیز ہین۔ مگر مختلف صورتون مین بعض موسم کسانون اور فصل کے واسطے خراب ہو سکتے ہین۔ لیکن انسان کے واسطے کوئی موسم خراب نہین ہو سکتا۔ دھوپ خوشگوار مینھ۔ تازگی بخش ہوا۔ ہمین اپنے آغوش مین لیے ہوے ہین۔ اور برف فرحت بخش ہے۔ جیساکہ رسکن نے کہا ہے "حقیقۃً کوئی موسم خراب نہین صرف یہ مختلف قسم کے اچھے موسم ہین"

ستانا سستی نہین ہے۔ اور بعض اوقات گرمی کے ایام مین کسی درخت کے سایے کے نیچے گھانس کے مخملی فرش پر لیٹ جانا یا نی کے چشمے کے بہنے کی آواز سننا۔ یا ابر کو نیلگون آسمان پر ادھر اُدھر جاتے دیکھنا ہرگز وقت کا ضائع کرنا نہین ہو سکتا۔

علاوہ برین ہوا اور ورزش ساتھ ساتھ ہوتے ہین ہوتے ہین۔ لہذا اگر تم سیر کروگے تو تم کو دونون فائدے حاصل ہون گے۔

ہر شخص کو چاہیے کہ روز کم سے کم دو گھنٹے کشادہ ہوا مین جانے کو اپنا اول اور پاک فرض سمجھے۔

تازی ہوا دماغ کے واسطے اُسی قدر مفید ہے جس قدر جسم کے واسطے بادی النظر مین ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نیچر خود ہی یہ کوشش کر رہا ہے کہ ہم سے کچھ بات کرے۔ گویا اُس کو ہم سے کوئی بہت بڑا راز کہنا ہے۔ اور یہی ہی یون نہین انکے پاس بہت بڑے بڑے راز ہین جنھین بیشک ہم کو بتلانا چاہتا ہے۔

زمین و آسمان۔ صحرا و میدان۔ جھیلین اور دریا۔ پہاڑ اور سمندر بہت ہی عمدہ اسکول ماسٹر ہین اور ہم مین سے بعض لوگون کو ایسی باتین تعلیم کردیتی ہین جو کتابین ہم کو ہرگز نہین سکھا سکتین۔ ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

علاوہ اس کے اگر تم بستی کے باہر جاؤ۔ اور دریا مین کشتی کھیئو۔ صحرا مین پھول جمع کرو یا مختلف قسم کے جمادات کو تلاش کرو۔ سمندر کے کنارے سیپیان اور گھونگھیان اکٹھا کرو۔ گیند کھیلو۔ اپنے تئین تازی ہوا سے تازہ کرو۔ یا کسی اور قسم کی ورزش کرو تو تم کو یہ معلوم ہو گا کہ نہ صرف اس سے تمھاری تندرستی درست ہوئی۔ بلکہ یہ نظر آئے گا کہ گویا ہوا تمھاری فکرون۔ تکلیفون۔ اور تردداتکو بھی اُڑا لے گئی۔ یا کم سے کم اتنا ضرور معلوم ہو گا کہ وہ رنج و غم کا بار جس سے تم دبے ہوے تھے ہلکا ہو گیا۔ نیچر ہم کو تسکین خنکی اور طاقت دیتا ہے اور دماغ کو اس سے سکون اور مسرت حاصل ہوتی ہے۔

ایک زندگی جو خوشی اور تفریح کے واسطے وقف کردیجاے وہ نہ صرف خود غرضی کی زندگی ہو گی بلکہ ایک ناقابل برداشت اور بدمزہ زندگی ہو گی کھیل کو کبھی کار زندگی نہ سمجھ لینا چاہیے۔ مگر ہان اُن سے اعتدال کے ساتھ لطف حاصل کرنا کاہلی نہین ہے۔

تفریح کے اجزا کیا ہین؟ دو قسم کی خوشیان ہوتی ہین۔ ایک سچی اور دوسری جھوٹی **افلاطون** کے بیان کے مطابق **پروٹارکس** نے **سقراط** سے پوچھا "سچی خوشیان کیا ہین؟" **سقراط** نے جواب دیا کہ "وہ خوشیان جو ہم کو خوبصورت رنگون صورتون۔ خوشبوؤن اور آوازون سے حاصل ہوتی ہین اور نیز اُن چیزون سے جن کا ہونا ہم کو معلوم نہین ہوتا اور نہ تکلیف دہ ہوتا ہے لیکن اُن کی موجودگی ہم مین حس پیدا کرتی ہے اور ہم کو مسرت بخشتی ہے"

باوجودیکہ ہمارے حواس ہم کو سچی خوشی دیتے ہین۔ لیکن یہ اعلی درجہ کی اچھی باتین نہین۔ **سقراط** ہی نے یہ بھی کہا کہ "**فیلی بس** کی یہ راے تھی کہ لطف خوشی۔ مسرت اور دیگر اسی قسم کے جذبات ہر ایک ذی روح کیواسطے

اچھے ہین۔ گر میری یہ راے ہے کہ یہ چیزین نہین۔ بلکہ عقل۔ علم۔ حافظہ اور دیگر اسی قسم کی دماغی قوتین مثلاً راے سلیم اور ٹھیک بحث کرنے کی طاقت خوشیون سے بہتر ہین اور زیادہ تر اسی قابل ہین کہ جو لوگ اُن سے بہرہ اندوز ہوتے ہون اُن کی خواہش کرین اور یہ چیزین اُن لوگون کے واسطے جن مین اِن سے لطف اُٹھانے کی قابلیت موجود ہے یا ہو جائے گی سب چیزون سے زیادہ فائدہ مند ہین۔

سچی خوشیان قریبًا بیشمار ہین۔ عزیز و اقارب۔ دوست۔ گفتگو۔ کتابین۔ راگ نظم۔ ہنر۔ ورزش۔ آرام۔ نیچر کی خوبصورتیان طرح طرح کے رنگ۔ گرمی جاڑا صبح و شام۔ رات دن۔ دھوپ۔ اور آندھی۔ جنگل اور میدان۔ دریا۔ جھیل اور سمندر حیوانات و نباتات۔ برگ و درخت۔ پھول پھل ان سب مین چند خوشیان ہین۔

مین بی گینز کہتا ہے جب ہم یہ دعا مانگتے ہین کہ اے خدا ہم کو زمین کے پھل عطا کر تا کہ ہم اُن سے لطف اُٹھاوین تو ہم خدا سے ذرا سی رحمت کے خواستگار نہین ہوتے ہین۔

اگر زندگی سے ہم لطف نہین اُٹھاتے تو یہ ہمارا ہی قصور ہے رسکن کہتا ہے "ہر شخص لطف اٹھا سکتا ہے۔ لیکن بہت ہی کم ہین جو لطف اُٹھاتے ہین"

الف لیلہ مین جو سب سے بڑا طلسم ہے وہ ایک طلسمی قالین ہے جس پر بیٹھ کے انسان جہان چاہے چلا جاوے۔ ریل آج کل ہم سب کے ساتھ یہی کر رہی ہے رسکن کہتا ہے "جون جون ہم اپنی نظر کو وسیع کرتے جاتے ہین اُسی قدر ہم اپنے تصور کے خزانے کو بڑھاتے جاتے ہین۔

دنیا مین جتنی خوشیان موجود ہین اُن مین خوش بیانی کا بڑا مرتبہ ہے یہ ایک عجیب مقوی دوا ہے جس سے دماغ اور جسم کو غذا پہونچتی ہے۔ ہیرک[۵۱] نے اس بات کا اقرار کیا ہے کہ "مین بن جانسن[۵۲] کا نہایت ہی احسان مند ہون"

---

[۵۱] ہیرک ایک مشہور انگلش شاعر گذرا ہے جو ۱۵۹۱ء مین پیدا ہوا۔ اور ۱۶۷۴ء مین مرا۔

[۵۲] بن جانسن۔ ایک مقبول عام انگریزی شاعر اور ڈراما نویس تماشہ ۱۵۷۴ء مین پیدا ہوا۔ اور ۱۶۳۷ء مین مر گیا۔

اور اُن کے بیان کے شام کے کھانے کو یون بیان کیا ہے کہ "جب ہم ایسے لوگون کے مجمع مین تھے جن کی مزے دار باتین ہم کو خوش تو کرتی تھین مگر مجنون نہین بناتی تھین۔ اُس وقت ہر ایک شعر غذا اور شراب شوخ سے سبقت لے جاتا تھا"

جانسن جب کسی مسرت وہ شام کا ذکر کرتا تھا تو یہ کہتا تھا کہ "جناب ہم نے مزے کی باتین کین"! خود میرا بھی یہ حال ہی کہ اگر ایک گھنٹہ **ڈارون یا لائل۔ کنگسلے یا رسکن۔ ہوکر ہکسلی یا ٹنڈل** کی صحبت مین صرف ہوا تو وہ گھنٹہ مجھے ویسا ہی تازگی بخش ہوا جیسے کہ تازی ہوا کا ایک زندگی بخش جھونکا۔ تمام نعمتین جو انسان کو عطا ہوئی ہین اُن مین کسی مین آدمی ایک دوسرے سے اس قدر مختلف نہین ہین جس قدر کہ گفتگو کرنے کے ہُنر مین بہت سے لائق آدمیون کو جانتا ہون اور ایسے لوگون کو بھی جن کی صحبت مین بہت مزا آسکتا تھا۔ لیکن آپ اُن سے کوئی بات نہین سُن سکتے۔ تا وقتیکہ انھین بار بار چھیڑ کے نہ پوچھین۔ خوش تقریر شخص جس جگہ جائے گا لوگ اُسے آنکھون پر بٹھاوین گے۔ اور ہنرون کی طرح یہ ہنر بھی تربیت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اور کوئی شخص بغیر مشق کیے عمدگی اور فصاحت سے گفتگو نہین کرسکتا۔

سر ولیم ٹیمپل[۱] کہتا ہے "خوش بیانی کا پہلا جز راستی ہے۔ دوسرا خوش فہمی۔ تیسرا خوش مزاجی۔ اور چوتھا ظرافت۔ اور اول والے تین اجزا تھوڑے بہت ہر شخص کے اختیار مین ہین۔

بہت لوگون نے بہت کچھ گفتگو کے ذریعہ سے سیکھ لیا ہی **بیکن** کہتا ہے جو شخص زیادہ پوچھتا ہے بہت کچھ سیکھ لے گا اور اپنا اطمینان کرلے گا۔ خاص کر اگر وہ شخص اس فن کے متعلق سوالات کرے جس مین جواب دینے والا دخل رکھتا ہو۔ کیونکہ اگر ایسا کرے گا۔ تو مخاطب نہایت خوشی سے جواب دے گا۔

---

[۱] سر ولیم ٹیمپل ایک معزز انگریز مدبر سلطنت اور مصنف تھا۔ ۱۶۲۸ء مین پیدا ہوا اور ۱۶۹۹ء مین مرا۔

اور سائل اپنے واسطے بہت سا علم جمع کرے گا۔

حُسن کا ذوق ہم نہ خود اپنے ذات مین پیدا کرتے ہین اور نہ اپنے بچون مین اور اس کے سوا کون خوشی ایسی پاک بیدام اور سہل الوصول ہوسکتی ہے!

ایک آدمی سامنے کے منظر درختون اور پتون۔ پھل اور پھول۔ نیلگون آسمان۔ ابر کے ٹکڑون۔ چمکتے ہوے سمندر۔ جھیل کے ہلکورون۔ دریا کی جھلک سبزے کے رنگ۔ اور چاند اور تارون سے بہت زیادہ مسرت حاصل کرسکتا ہے چاند اور تارے کیا بے فائدہ چمکتے ہین؟ کیا پرند اور تینگے۔ درخت اور پھول۔ دریا اور جھیل۔ آفتاب ماہتاب اور ستارے انسان کو خوشی نہین دیتے ہین؟

ہیمرٹن کہتا ہے "ہمارے ایجاد کیے ہوے رنگ ہمارے ناز کرنے کے لیے کافی ہین لیکن اگر ان رنگون کا مقابلہ ایک مور کے پر کے رنگ سے یا غائب ہونے والی ابر کی بوقلمون چادر سے کیا جاوے تو وہ بالکل ہی حقیر معلوم ہون گے۔

یہود کی کتب **طالمود** کے شارحین کا بیان ہے کہ **مین نا**[1] مین ہر شخص کو وہی مزا ملتا تھا جو اُسے مرغوب ہوتا تھا۔ اسی طرح نیچر مین اگر تلاش کی جائے تو ہر شخص کو اپنے مزے کی چیز مل جائے گی"

میرا ارادہ اس بات کی کوشش کرنے کا نہین ہے کہ سچی خوشیون کی پوری فہرست لکھ ڈالون۔ جب دنیا مین ہمارے واسطے ایسی خوشیان کثرت سے موجود ہین جن سے لطف اٹھانے مین کوئی گناہ نہین ہے تو پھر ہم کیون اُن خوشیون کو تلاش کرین جو خراب یا مشکوک ہین؟ جتنی اچھی خوشیان ہین پہلے اُن کو ختم کر لیجیے۔ پھر اُن دوسری خوشیون کا خیال کیجیے گا۔

جن لوگون نے دنیا کو دیکھا ہے اور جو یہ خیال کرتے ہین کہ ہم کو دنیا کے متعلق بہت واقفیت ہے وہ سخت غلطی پر ہین۔ اُن لوگون کی ہستی کی حقیقت ایک کسان سے بھی کم ہے جو اپنے گاؤن سے کبھی باہر تو نہین گیا مگر اُس نے ہر چیز کو عقل کی آنکھون سے

---

[1] مین نا۔ ایک قسم کے زہر کا نام رکھا گیا ہے۔ جس مین کہ نہ رنگ اور نہ مزا ہوتا تھا۔ اس زہر کو ایک اٹلی کی عورت مسمی طوفانی ڈبیون مین بیچا کرتی تھی اور جس سے اس نے چھ سو آدمیون کو ہلاک کیا تھا۔

دیکھا ہے۔

ایک ناز و نعم کی زندگی جس کو لوگ غلطی سے مزے دار زندگی کہتے ہین اصل مین پوچھو تو مسرت بخش زندگی کا ایک تکلیف دہ جھوٹا نمونہ ہے۔ جو لوگ اس مین پڑ جاتے ہین وہ آخر مین دنیا کی شکایت کرتے ہین۔ حالانکہ اُنھین خود اپنے آپ کو الزام دینا چاہیے **ہیرٹن** کا قول ہے جب مسرتین ہمین تھکا دیتی ہین تو ہم یقین کرتے ہین کہ ہم اُنھین صرف کر چکے۔"

ڈی مسٹ نے کہا "مین جوان ہون اور ابھی عمر کا صرف آدھا راستہ طے کیا ہے۔ مگر مین تھک گیا ہون اور پیچھے پھر پھر کے دیکھتا ہون" یہ اقرار کیسا غمگین اقرار ہے! اگر اُس نے اپنی زندگی عقل کے ساتھ بسر کی ہوتی تو گذشتہ ایام کو شکر گذاری کی آنکھ سے دیکھتا۔ اور آیندہ زمانے کو امید کی نظر سے۔

زندگی کی قدر کا اندازہ اس کی اخلاقی قیمت ہے۔ **جرمی ٹیلر**[1] کہتا ہے "روح اور جسم سے ایک پورا آدمی اُس وقت بنتا ہے جبکہ روح عقل مندی کے ساتھ حکم دیتی ہے۔ محبت سے حکومت کرتی ہے۔ اور جسم کی خبر اسی طرح رکھتی ہے جس طرح کہ اُس کے واسطے مفید ہے۔ اور اس کی ضرورت کے واسطے کافی چیزین مہیا کر دیتی ہے۔ اور جسم کے ساتھ جو اس کا کم مرتبہ ہمنشین ہے رحیمانہ برتاؤ کرتی ہے لیکن اگر جسم روح پر حکومت کرے اور قوت شہوانی کی زبردستی سے پہلے قوت ناطقہ کو خراب کر دے اور بعد ازان قوت متحرکہ اور قوت امتیازیہ پر مسلط ہو جائے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ روح اور جسم مناسب ہمنشین نہین ہین۔ اور آدمی بیوقوف اور بدبخت ہے۔ اگر روح کی حکومت جسم پر نہین تو وہ مناسب ہم جلیس نہین۔ روح کو یا تو حاکم ہونا چاہیے۔ یا غلام۔"

---

[1] جرمی ٹیلر انگلستان کا ایک زبردست مذہبی عالم تھا جو ۱۶۱۳ء مین پیدا ہوا اور ۱۶۶۷ء مین مر گیا۔

تندرستی

روح - انسان مین سب سے شریف حصہ ہے لیکن ہماری موجودہ حالت مین روح صرف جسم ہی کے وسیلے سے کام کرسکتی ہے - **فیرڈی**[۱] جو ہمارے ملک مین ایک بڑا شخص گذرا ہی اُس نے اس کی ایک بہت دلچسپ مثال بیش کی ہی جسے یون شروع کیا ہی کہ " جان ایک لڑکے کی مثل ہے جو کسی کیمسٹ کی دُکان مین نوکر تھا - ایک مرتبہ مالک نے پہلے پہل اُسے ایک گاہک کے مکان پر بھیجا تو اُس نے مکان پر جا کے دستک دی مگر کسی نے نہ سنا - پھر اس بات کے دریافت کرنے کے لیے کہ آیا مکان مین کوئی موجود ہے یا نہین اُس نے اپنا سر سیخچون کے اندر ڈالا ساتھ ہی اُسے یہ فکر پیدا ہوئی کہ مین سیخچون کے کس طرف ہون - جس کا فیصلہ اس نے یون کیا کہ آدمی اُس جگہ ہوتا ہے جہان اُس کا سر ہوا کرتا ہے - اتنے مین قبل اس کے کہ وہ وہان سے علیحدہ ہو دروازہ دفعۃً کھلا اور اُس کی ٹانگین سیخچون کے درمیان مین پڑ کے پھل گئین اِس وقت اُس کو اُس پرانی کہانی کا جو سر اور پاؤن کے بابت مشہور تھی یقین آیا -

ہماری موجودہ زندگی کی حالت کیواسطے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم حفظ صحت کیطرف بالتخصیص متوجہ ہون - ہمارے آباؤ اجداد زیادہ تر دیہات - اور کشادہ ہوا مین رہا کرتے تھے - اور کاشتکاری کا پیشہ کرتے تھے - اب ہم لوگ زیادہ تر شہرون مین رہا کرتے ہین - اور زیادہ کام مکانون اور دکانون اور کارخانون مین کیا کرتے ہین - ہمارے کام زیادہ تر ایسے ہوا کرتے ہین جن مین حرکت کی ضرورت نہین ہوتی - زیادہ جھکنا پڑتا ہے - اور دماغ پر بہت زور پڑتا ہے - اس امر مین کوئی شک نہین کر سکتا کہ وہ لوگ جو ہمارے بڑے بڑے شہرون مین موجود ہین اتنے طاقتور نہین ہین جتنے کہ اُن کے باپ اور دادا تھے - اگر کوئی شخص لندن کے اُن مقامات مین جائے جہان غریب آدمی رہتے ہین یا جہان کارخانے موجود ہین غیر ممکن ہے کہ اسے کمزور شکلین - زرد چہرے اور مرد اور عورتون کے سکڑے

[۱] فیرڈی انگلستان کا ایک مشہور عالم تھا جو نیچرل فلاسفی مین کمال رکھتا تھا ۱۷۹۱ء مین پیدا ہوا - اور ۱۸۶۷ء مین مرا -

ہوئے سینے نہ نظر آویں۔ علاوہ بریں ہمارے حفظ صحت کی ترقیاں ایک سبب سے بھی خطرناک ہیں کہ ہم کمزوروں اور بیماروں کو زندہ رہنے دیتے ہیں۔ زیادہ تر بیماری کی مصیبت ایسے خفیف سببوں سے ہوا کرتی ہے جن کی طرف اگر تھوڑا غور اور خیال کیا جائے اور لوگوں کو حفظ صحت کے قواعد کا علم ہو جائے تو بہت زیادہ دشواریاں رفع ہو جائیں۔

جہاں تک ہمیں تاریخ سے پتہ چلتا ہے شروع زمانے میں عقلمند مدبران سلطنت تندرستی کا بہت خیال رکھتے تھے۔

اپنی تندرستی کا خیال رکھنا ہمارا متبرک فرض ہے۔ بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی مذہبی تعلیم میں زیادہ حصہ انھیں قواعد کا ہوا کرتا تھا جن کو حفظ صحت سے تعلق ہوتا تھا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ یہ بیان بمشکل صحیح ثابت ہوگا۔ مگر ہم کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جو کچھ کتب آسمانی میں ہے وہ قوانین کا ایک ضابطہ ہے جس میں دیوانی اخلاقی اور مذہبی قوانین شامل ہیں۔ بہرکیف اگر قانون تندرستی جزو مذہب نہیں تو بھی مذہب میں اُن کا بہت کچھ لحاظ رکھا گیا ہے **مقدس پولوس** کہتا ہے "کیا تم کو یہ نہیں معلوم ہے کہ تمھارا جسم اُس پاک روح کا معبد ہے جو تم میں موجود ہے جو خدا کی دی ہوئی ہے اور تمھاری ملکیت نہیں ہے۔ مصری لوگ جسم کی جس قدر عزت کرتے تھے اس کے اصول زیادہ تر عقل پر مبنی تھے۔ بمقابلے اُس حقارت کے جو **قرون وسطی**[۵۱] میں کیجاتی تھی۔ چیتھڑوں اور دھول میں بالذات کوئی خوبی نہیں ہے۔ بلکہ اصل معاملہ اس کے خلاف ہے۔

کنگسلے[۵۲] کہتا ہے "اہل یونان نے طب اور نیز دماغی تعلیم کو ایک مستقل فن بنا دیا۔ اُن کی عورتیں طرح طرح کی نازک ورزشیں کیا کرتی تھیں اور بعض اُن میں سے سخت کثرتیں بھی کرتی تھیں۔ اُن کے جسم کا نمو آزادی اور تندرستی کی زندگی سے ہوا کرتا تھا۔ وہ شکلیں انسانی خوبصورتی کا ایسا نمونہ تھیں جو ہمیشہ یادگار رہے گی۔ اور جس کا نظیر کبھی نہ پیدا ہوگا"۔

ایک پرانی مثل ہے کہ "خدا شناسی کے مرتبے کے بعد صفائی کا مرتبہ ہے"

---

۵۱ ۴۷۶ء سے لیکر ۱۴۹۶ء تک کے زمانے کو قرون وسطی کہتے ہیں۔

۵۲ ایک مشہور انگریز ناول نویس اور مضمون نگار تھا جو ۱۸۱۹ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۸۷۵ء میں مرا۔

اور آج کل کی طبی تحقیقات سے صرف اس پرانی کہاوت کی تصدیق ہی نہین ہوتی بلکہ دلائل سے ثابت کر دیا گیا کہ صفائی اور طہارت کا یہ مرتبہ کیون قرار دیا گیا۔

ہم کو یہ بات معلوم ہو کہ بہت سی بیماریان اس وجہ سے نہین پیدا ہوتین کہ ہمارے جسم کے اندرونی اجزا اور ریشون مین کسی قسم کی بے قاعدگی آگئی ہو۔ بلکہ اکثر دیگر اجسام کے حملون سے پیدا ہوا کرتی ہین جو نیچر مین موجود ہین۔ ہیضہ۔ چیچک اور اکثر اس قسم کے امراض ہم مین خود بخود نہین پیدا ہو جاتے۔ بلکہ اُس وقت ہمین عارض ہوتے ہین جب ان کا بیج کسی نہ کسی طرح ہمارے جسم مین داخل ہو جاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے صفائی کی شدید ضرورت صرف ہمارے جسم کے واسطے نہین ہو بلکہ اُن مکانون کی بھی جن مین ہم رہتے ہین۔ اُن کپڑون کی بھی جنھین ہم پہنتے ہین۔ اس پانی کی بھی جس کو ہم پیتے۔ اور اس ہوا کی بھی جو سانس کے ذریعہ سے ہمارے جسم کے اندر جاتی ہے۔

انسان کا جسم ایک زندہ معجزہ ہو! ذرا دیر کے واسطے غور کرو کہ کتنا بڑا علم ہمارے دماغ کے خزانے مین جمع ہے! ذرا خیال کرو کہ کتنی جلد ہماری رگ اور پٹھے قوت متحرکہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہین!

سر جیمس پیجٹ کہتا ہو "ایک بہت ہی مشتاق بجانے والا ایک پیانو پر ایک پل مین چوبیس سُر بجا سکتا ہے۔ ایک سُر کے بجانے مین ایک عصبانی حرکت دماغ سے انگلیون تک پہونچتی ہے۔ اور اسی طرح انگلیون سے دماغ کو جاتی ہے۔ ہر سُر مین انگلی کو تین حرکتین ہوتی ہین (۱) جھکنا (۲) اُٹھنا (۳) ادھر ادھر ہلنا یعنی ایک پل مین بہتر حرکتین ہوتی ہین۔ اور ہر حرکت مین قوت متحرکہ اپنا فعل جدا جدا دکھاتی ہے۔ اور بغیر کسی غلطی کے ایک خاص رفتار اور خاص قوت کے ساتھ کسی خاص مقام کیطرف رجوع کرتی ہے۔ اور کھال بہت نازک اور مکمل عضو ہے۔ اس مین ہزارون لاکھون سوراخ ہین اور اتنی لمبی رگین شرائین اور اعصاب ہین جو اگر پھیلائی جائین تو میلون تک ہون۔ یہی عضو یعنی کھال متواتر اپنے تئین از سر نو تبدیل کرتا رہتا ہے۔ اور اپنی اس خدمت کے انجام دینے مین اس کو تھوڑی خبرگیری اور بہت پانی کی ضرورت ہوا کرتی ہو۔ برش کا استعمال کھال کیواسطے اسی قدر ضروری ہی جتنا کہ بالون کیواسطے اس عجیب حصۂ جسم کو تندرست رکھنے کے لیے ضرور ہے کہ اکثر اجسنرا

کام مین مشغول رہین۔

اکثر بیمارون کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ اُن کی خاص بیماری محض سکون ہے۔ **سنیکا** نے کہا ہے کہ "مقام **کیمپنیا** کے عیش وعشرت نے **ہنیبال** کو کمزور کردیا جسے **آلپس** کی برف بھی کبھی شکست نہین دسکی تھی۔ اپنے اسلحہ کے استعمال مین وہ ہمیشہ فتحمند رہا لیکن عیش پرستی نے اُسے شکست دیدی"۔

ہمارے حواس جا ہے ان مین ایسی ہی مسرتین کیون نہ ہون جو گناہ نہین ہین اگر ہم اپنے تئین اُن کے اختیار مین دیدین گے تو بیشک وہ ہمین زندگی کی کسی چٹان سے ٹکرا کے یا کسی گرداب مین ڈال کر یقیناً تباہ کردین گی۔ ہم لوگ صرف کھانے کیوجہ سے اکثر اپنے تئین بیماریون مین مبتلا کرلیا کرتے ہین۔ اب لفظ پینے کے معنے ہی شراب پینے کے ہوا کرتے ہین۔ جو شمالی قومون کی ایک بڑی شامت ہے بہت سی حالتون مین شراب ایک بیش بہا دوا ہے۔ لیکن ہمارے ملک کے لوگون کی نصف سے کچھ زیادہ تکلیف مصیبت اور گناہون کا سبب یہی شراب ہے۔

خالص پانی جو ایمان داری کا آئینہ ہے کبھی کسی کو گنہگار نہین بناتا لیکن شراب سے ہزارون جرائم ہوا کرتے ہین۔ پرانے یہودیون کی مثل ہے کہ "جب انسان کے اندر شیطان خود نہین جاسکتا تو وہ شراب کو بھیج دیتا ہے"۔ **چالس** کا قول ہے کہ "جہان شیطان ایک دفعہ داخل ہوا۔ اور دروازے کے اندر رکھڑا ہو گیا۔ پھر فوراً وہان سے آرام امید اور خوشی ہمیشہ کے واسطے رخصت ہوجاتی ہے"۔

پلینی[۱] کہتا ہے کہ "شراب سے ہاتھون مین رعشہ۔ آنکھون مین پانی رات کو بےچینی اور بدخوابی۔ صبح کو منھ سے بدبو۔ اور ہوش وحواس مین بالکل نسیان پیدا ہوجایا کرتا ہے"۔ مذکورہ مضمون کو **سر ڈبلیو ریلی** نے نقل کیا ہے اور اس مین اتنا اور بڑھایا ہے کہ "جو شخص شراب سے محبت کرتا ہے کوئی شخص اس کا اعتبار نہ کرے گا"

---

[۱] قدیم الایام مین روم کا ایک معزز شخص تھا جو مختلف علوم مین کمال رکھتا تھا ۲۳ سنہ ۶ء کے قریب پیدا ہوا اور ۷۹ سنہ ۶ء مین مرا۔

کیونکہ وہ راز کو پوشیدہ نہین رکھ سکتا۔ شراب انسان کو صرف جانور ہی نہین بنا دیتی بلکہ پاگل کر دیتی ہے۔ اگر تم اُس سے محبت کر دگے تو تمھاری بی بی۔ تمھاری اولاد اور تمھارے دوست تم کو حقیر اور ذلیل سمجھین گے"

شکسپیر نے بھی اس کی مذمت مین بہت عمدہ فقرے لکھے ہین "کیسے افسوس کی بات ہر کہ آدمی اپنے دشمن (شراب) کو اپنے منھ مین رکھ لین۔ تاکہ وہ ان کی عقل کو چرا لے جائے!! اور کیا غضب ہے کہ ہم بہت خوشی و خرمی اور نعرہ ہاے مسرت آمیز کے ساتھ اپنے آپ کو جانور بنا لیتے ہین؟"

"ابھی ابھی سمجھ دار آدمی تھے۔ گھڑی بھر مین بے وقوف ہو گئے۔ اور لمحہ بھر مین جانور بن گئے" ایسے آدمیون کو چوپاؤن سے نسبت دینا بے انصافی ہے۔ کیونکہ چوپائے اُن سے اچھے ہین۔

بخلاف اس کے اعتدال کا درجہ کتنا بڑا ہر! شکسپیر کہتا ہر: باوجودیکہ بوڑھا معلوم ہوتا ہون۔ تاہم مین طاقت ور اور تندرست ہون۔ کیونکہ مین نے اپنے ایام جوانی مین کبھی گرم جوش دلانے والی رقیق سے (آتش سیال) کا استعمال نہین کیا اس لیے میری ضعیفی باوجودیکہ ہوا کے سخت موسم کی طرح نہایت سرد ہے لیکن مہربان ہے"

بعض اوقات اس بات پر بہت تعجب معلوم ہوتا ہے کہ کیون انجیل مین بہت زیادہ اور مکرر و سہ کرر شراب خواری کے مذمت نہ کی گئی۔ لیکن ہم کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ انجیل گرم ملک مین لکھی گئی تھی۔ اور شراب خواری ایسی برائی ہر جس کا مسکن خاصۃً سرد ممالک ہین۔ حضرت سلیمانؑ نے اس کی مذمت یون کی ہر کہ "کس کو رنج ہوتا ہے؟ کس کو غم ہوتا ہے؟ کس کے درمیان مین لڑائیان ہوا کرتی ہین؟ کون بک بک کیا کرتا ہے؟ کس کو بے سبب زخم لگا کرتے ہین؟ کس کی آنکھین سرخ رہتی ہین؟ اِن لوگون کی جو شراب خانے مین زیادہ دیر تک ٹھہرتے ہین۔ اُن لوگون کی جن کو شراب کی تلاش ہوتی ہے۔ جب شراب کا گلابی رنگ جام مین چھلکتا ہوا نظر آئے تو تو اُس کی طرف نہ دیکھ۔ اس لیے کہ آخر مین وہ ایک سانپ کی طرح کاٹتی اور زہریلے بچھو کی طرح ڈنک مارتی ہے"

ہمین اس بات کے امید کرنے کی وجہ ہی کہ شراب خواری ایک ایسی بُرائی ہی جو روز بروز گھٹتی جاتی ہے۔ اب ہمین چونکہ اس بات کا زیادہ موقع ملتا ہی کہ دماغی کامون مین مصروف ہون اور راگ تصویرین اور کتابین لطف اُٹھانے کے لیے بہ نسبت پیشتر کے اب زیادہ آسانی سے بہم پہونچ سکتی ہین۔ لہذا ان باتون سے شراب کے چھوٹنے مین بہت مدد مل رہی ہے۔

لیکن شراب خواری کی بُرائیان اگر اظہر من الشمس ہین تو زیادہ خواری کی برائیان بھی کم مشہور نہین۔ غالباً نوّے فیصدی ایسے لوگ ہین جو اس سے زیادہ کھا لیتے ہین جتنا کہ اُن کے واسطے ضروری اور مناسب ہی۔ کبھی کبھی دعوت مین زیادہ کھا لینے مین چندان مضائقہ نہین۔ مگر یہ روز بروز کا معدے مین بھر لینا ہے جو مضر پڑتا ہے اور پست کردیتا ہے۔ حد سے زیادہ کھا لینا آسان ہے۔ مگر حد سے کم کھانے کا کوئی خوف نہین۔

اعتدال کو طاقت سے علاقہ ہے۔ کمزوری سے نہین۔ اعتدال اس بات کو ظاہر کرتا ہی کہ آپ کو اپنے اوپر اختیار حاصل ہے اور آپ کی خواہشین آپ کے کہنے مین ہین۔

دسترخوان پر زیادہ زمانے تک نہ جم جاؤ۔ لیکن بہت جلدی بھی نہ کھاؤ۔ اُس وقت کھانے سے ہاتھ کھینچ لو جب تم کو تھوڑی اشتہا باقی ہو۔ اگر معدہ خوب بھرا ہوتا ہے تو دماغ کام نہین کرسکتا۔ دن کے کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کرنا بہت اچھا قاعدہ ہے لیکن یہ بہت افسوسناک زندگی ہے کہ تم اتنا کھالو کہ ایک کھانے کے وقت سے دوسرے کھانے کے وقت تک تم کو پڑا ہی رہنا پڑے۔ کھانا زندہ رہنے کے واسطے کھاؤ۔ نہ یہ کہ اپنی زندگی کھانے کیواسطے وقف کردو۔ شعر

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است + تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

زیادہ کھانا زندگی کو کم کرتا ہے۔

جب وحشی لوگ ڈربین مین (یعنی اپنی قوم کے کاہن اور طبیب) بننا چاہتے ہین تو وہ تحمل اور باتون کے ایک بڑے روزے کی بھی تیاری کیا کرتے ہین۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اُن کے اعصاب مین بہت چستی اور تیزی پیدا ہوجایا کرتی ہے

جس کو وہ الہام سمجھتے ہین۔ آخر انھین اس بات کا ملکہ حد سے زیادہ ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی اور شخص کرے تو اس کو بھی یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ غذا کم کرنے سے دماغی قوت زیادہ ہو سکتی ہے۔

علاوہ برین ہلکا معدہ دل کو ہلکا بنا دیتا ہے۔ اور زیادہ کھانا توانائی کو کم کرتا ہے۔ اگر آپ اُن لوگون کو جمع کرین جو بیمار ہین تو آپ کو یہ معلوم ہو گا کہ صرف ضعف معدہ کے عارضے کی تعداد دیگر امراض کے مجموعی تعداد کے برابر ہے۔

بیکن کا قول ہے "اس بات سے ہوشیار رہو کہ تمھاری غذا مین یکایک کوئی بہت بڑی تبدیلی نہ واقع ہونے پائے اگر تبدیلی کی ضرورت ہے تو اور دوسری باتون کو بھی اُس کے مطابق کر لو۔ کھانے کے وقت دل مین وسوسہ نہ لاؤ اور خوش و خرم ہو۔ سونے اور ورزش کرنے کا بہت خیال رکھو۔ یہ نصیحت نہایت ہی عمدہ اور بہت زمانے تک قائم رہنے والی ہے"

ایبرنتھی[1] نے کہا ہے "اگر تم اچھے رہنا چاہتے ہو تو تم کو چاہیے کہ چھ پنیس روزانہ پر بسر کرو اور اُن کو خود پیدا کرو" یہ نصیحت جو بہت تھوڑے الفاظ مین کی گئی ہے اس مین کل کھانے اور ورزش کے متعلق تمام ضروری باتین شامل ہین۔ چھ پنس مین اور خاص کر جب کہ ارزانی ہو آپ کافی اور صحت بخش غذا خرید سکتے ہین۔ مگر ہان آپ کو اس مین یہ نہ ملے گا کہ خوب شرابین اڑائیے اور ناکون ناک غذا بھر لیجیے۔ اس نصیحت مین ورزش پر بھی زور دیا گیا ہے۔

بالفعل جو ہماری موجودہ حالت ہے اس کے لحاظ سے اگر ہم تھوڑی دیر کشادہ ہوا مین سیر کرین تو اسے کوئی وقت کا ضائع کرنا نہ خیال کرے گا۔ اتنا وقت زندگی کے حساب مین نہین درج کیا جائے گا بلکہ اس سے زندگی بڑھے گی۔

صاف پانی کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ تازہ ہوا کی۔ پانی کی زیادہ مقدار (خاصکر ٹھنڈے پانی کی اگر تم اس کو برداشت کر سکو) اندر اور باہر جسم کی دونون جہتون کے واسطے ضروری ہے۔ ذرا ذرا سی باتین جیسے دانتون کی صفائی کا خیال رکھنا زندگی کے آرام مین بہت بڑا فرق پیدا کر دیتی ہین۔

---

[1] ایبرنتھی ایک زبردست ڈاکٹر تھا جو اسکاٹ لینڈ مین [illegible] مین پیدا ہوا اور [illegible] مین مرا۔

تندرستی کا دارومدار دوائون سے زیادہ عادات اور غذا پر ہے۔ ہمارے آباؤاجداد صرف بیماری کے دور کرنے کے واسطے دوا کا استعمال کیا کرتے تھے۔ طبیبون کے کالج ہی نہین بلکہ **بیکن** نے بھی دوائون کی تعریف کی ہے۔ اور اُن کے استعمال کی سفارش کرتے ہین۔ لیکن یہ ابتدائی غلطی ہے **لاک پہلا شخص تھا جس نے** اس غلطی کو سب پر عیان کردیا۔ میڈیکل سائنس کا نام ہی دوائون کے استعمال کو بتلاتا ہے لیکن اگر ہم ہوش و حواس کے ساتھ زندگی بسر کرین تو ہمین دوائون کیواسطے بہت کم صرف کرنا پڑے گا۔

"نیچر کو آزادی سے اپنا کام کرنے دو۔ اُسے نہ چھیڑو۔ اور صرف اس کو کام کرنے دو۔ **نپولین** کا قول ہے "زندہ اصول کے خلاف کام نہ کرو۔ بس اتنا کرو کہ اُسے اپنے تئین خود بچانے کی آزادی دیدو وہ تمھین دوا سے زیادہ فائدہ پہونچاے گا"

ہوا اور پانی کی کثیر المقداری اور غذا مین اعتدال رکھنے سے ہم کو تندرستی اور طاقت کے جذبات کا لطف حاصل ہوگا۔ اور جب تک ہم بہت ہی زیادہ معمر نہ ہو جائین گے۔ اُسوقت تک ہمارے دل مین جوانی کی بہار قائم رہے گی۔

یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ تندرستی سے صرف جسم ہی کو فائدہ پہونچتا ہے ڈاکٹر **رچرڈسن**[1] کہتا ہے کہ "غصہ۔ نفرت۔ رنج۔ اور خوف ایسی چیزین ہین جن سے بہت ہی نقصان روح ہوتا ہے" بخلاف اس کے خوشی۔ خوش مزاجی۔ اور دلجمعی تندرستی کے بہت قوی اجزا ہین۔

یہ مشہور ہے کہ **لائی کرگس**[2] نے اسپارٹا کے ہر ایک ایٹنگ ہال (کھانے کے کمرے) مین ایک چھوٹی تصویر ہنسی کے دیوتا کی نصب کرادی تھی **بفون**[3] نے

---

[1] ڈاکٹر رچرڈسن انگلستان کا ایک متاخر العہد قانون دان تھا جس نے فلسفہ زبان کے شوق مین قانون کے پیشے کو چھوڑ دیا تھا ۱۷۷۵ء مین پیدا ہوا اور ۱۸۶۵ء مین مرگیا۔ [2] لائی کرگس یونان کے شہر اسپارٹا کا مشہور و معروف اور نامی گرامی مقنن تھا۔ وہ حضرت مسیح سے تقریبًا ۸۷۰ برس پیشتر جزیرہ کریٹ مین مرا۔ [3] بفون ایک فرانسیسی مسلم و مستند ماہر فلسفہ طبیعی تھا جو ۱۷۰۷ء مین پیدا ہوا۔ اور ۱۷۸۸ء مین مرگیا۔

کہا ہو کہ "بہت سے لوگ زیادہ عمر تک زندہ رہ سکتے لیکن اُن کو اندیشے اور آزردگیاں مار ڈالتی ہین"۔ یہ بات اُس نے صرف اپنے ہموطنون کے بابت کہی تھی مگر صادق سب پر آتی ہے۔

جب کہ ہم بد دماغ ہوتے ہین تو ذرا ذرا سی اور معمولی ناگواریان ہم کو ایک آفت ناگہانی معلوم ہوتی ہین جب ایسی حالت ہو تو ہم کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اب ہمین آرام لینے اور تازہ ہوا کی ضرورت ہے۔

ہم اکثر یہ سنتے ہین کہ فلان لڑکون پر کام کا بہت بوجھ ہے۔ اور وہ سن رسیدہ لوگ کام کرتے کرتے مر گئے۔ بہت سی حالتون مین صرف اوسط درجے کی مشقت سے نہین بلکہ جوش۔ فکر اور تردد سے صحت جسمانی کو ضرر پہونچتا ہو۔ بیکاری۔ سُستی۔ عیاشی۔ اور نفس پروری نے بہ نسبت سخت کام کے لوگون کو زیادہ ہلاک کر ڈالا ہو۔ دماغ کو بھی اعصاب کیطرح ورزش کی ضرورت ہو۔ اگر تم اپنے تئین سویرے سونے۔ سویرے اُٹھنے۔ اعتدال۔ اور عقلمندانہ عادتون کا عادی بنا لوگے تو کام بلکہ سخت کام اگر حد سے زیادہ تجاوز نہ کر گیا ہو تو تم کو بجاے نقصان کے فائدہ پہونچاے گا۔

ہم مین بہت لوگ ایسے ہین جن کو اکثر راتون کو نیند نہین آیا کرتی۔ واقعی یہ حالت بہت آزار دہ ہو۔ ایسی کیفیت مین انسان کو یہ معلوم ہوتا ہو کہ جیسے کوئی بڑی سخت آفت ناگہانی سر پر آنیوالی ہو۔ اور ذرا ذرا سے مشکلات جن کے حل کرتے ہین اگر دماغ کی ایسی حالت نہ ہوتی تو خوشی معلوم ہوتی اس حالت مین مالاینحل نظر آتے ہین۔ اور یہ نظر آنے لگتا ہے کہ دماغ مسرت دہ چیزون سے بھاگتا ہو اور ایسی باتون کے خیال مین ہو جو گذر گئین یا جن کے واقع ہونے مین کوئی برائی ہے۔ ایسی حالت مین ہم کو ناامید نہ ہونا چاہیے۔ نیند نہ آنے سے کوئی شخص مر نہین جاتا ہے۔ سب سے اچھی یہ بات ہو کہ دوا نہ استعمال کرو۔ اس کا استعمال حقیقتہً خطرناک ہو۔ جہان یہ ممکن ہو گھر مین نہ رہو بلکہ باہر رہو۔ اور جہان تک بنے باتون کو آسان سمجھو اور اُن پر بھروسہ رکھو۔ نیند کی برکت پھر ایک دن تم کو نصیب ہو جاے گی۔ اگر بے خوابی کو بہت عرصہ نہین ہو گیا ہے تو اس کا یہ اجر ملے گا کہ تم کو نیند کی برکت اور قدر معلوم ہو گی جس کی ہم لوگ عموماً آدھی بھی قدر نہین کرتے ہین۔

بہت سی جسمانی شکایتون کا مرکز دماغ ہی ہوا کرتا ہو۔ طبیبون کو صرف جسمانی علامات ہی نہین سونچنا پڑتے ہین بلکہ بعض اوقات اُن کو مندرجۂ ذیل مسئلے پر غور کرنا پڑتا ہو۔ کیا تو بیمار دل کا علاج نہین کر سکتا؟ اور حافظہ سے رنج و غم کی جڑ کو نہین اکھیڑ سکتا؟ کیا

دماغی تفکرات کو نہیں جھیل سکتا؟ کیا تیرے پاس کوئی ایسی بھلا دینے والی دوا نہیں کہ جس سے تو سینے کو اس ایذا رساں مادے سے پاک کر لے جو دل کو دبائے ہوئے ہے؟"

علاوہ بریں تندرستی صرف مسرت کا ایک بہت بڑا جزو ہی نہیں بلکہ اچھے کام کیواسطے نہایت ضروری ہے۔ اس کا پھینک دینا نہ صرف ضائع کر دینا ہے بلکہ خود غرضی ہے۔

اگر ہم اپنے اعضا پر حد سے زیادہ زور دیں گے تو پھر ہمیں اچھا کام کرنا غیر ممکن ہو جائیگا۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ بہت عمدہ کام نہ ہو سکے گا۔ یہ ایک بہت بڑی حکمت عملی ہے۔ کیونکہ اگر ہم اسی طرح محنت کرتے رہے تو آئندہ ہمیں پھر زیادہ زمانے تک سستانا اور آرام کرنا پڑیگا۔ قطع نظر اسکے جو کام ایسی حالت میں کیا جائیگا وہ اعلیٰ درجے کا کام نہ ہوگا۔ اس میں کمزوری اور جھنجلاہٹ کے نشان پائے جائینگے۔ رائے اچھی نہ ہوگی۔ اگر اس رائے کے انجام دینے میں دوسرے لوگوں کے ساتھ معاملات کرنے کی ضرورت ہوگی تو آپس میں جھگڑا اور ملال ہو جانے کا احتمال ہوگا۔ اگر کسی کو اس بات کا اعتبار نہ ہو تو امتحان کرکے دیکھ لے۔ انسان سے ایسی حالت میں نقشہ بنانے کو کہو اسے بناتے وقت خود ہی معلوم ہو جائیگا کہ اسکا ہاتھ قائم نہیں ہے اور نہ پوری طرح اسکے اختیار میں ہے۔ اس حالت کا سبب رگ پٹھوں کی تھکاوٹ نہیں ہے بلکہ اعصاب کی بیدمی۔ ہمیں مشقت سے لطف اٹھانا چاہیے اور لطف اٹھانیکے واسطے یہ ضروری ہے کہ ہم استقلال اور قوت کے ساتھ کام کریں لیکن ہم کو لگاتار محنت نہ کرنی چاہیے جس میں ہم کھانے آرام ورزش اور تعطیلوں تک کو بھلا دیں۔

جس وقت انسان بیماری کو خود اپنے ہاتھوں مول لیتا ہے اسوقت اسکو یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جاتی ہے کہ بیماری کا کس تندرستیاں اسکے کمزور کرنے اور اسکی قوت گھٹانیکی طرف ہوتا ہے۔ بخلاف اسکے آپ کو بہت لوگ ایسے بھی ملیں گے جنھوں نے اپنے تئیں خود بیمار اور کمزور نہیں بنا لیا ہے بلکہ ان کے جسم کی بناوٹ ہی پیدائش کے وقت سے ایسی ہے کہ آئے دن بیمار رہا کرتے ہیں۔ ایسی حالتوں میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیچر اس کا معاوضہ انھیں یہ دیتا ہے کہ ان کا دماغ بہت صاف اور روشن ہوتا ہے۔ ہم سب لوگوں کو ایسے اشخاص بھی ملتے ہیں جو مصیبت میں مبتلا ہیں۔ جن کی خوشی اور خوش مزاجی سے ہم کو صحت تندرستی میں صرف سبق ہی نہیں ملا ہے بلکہ وہ لوگ اپنی اس مصیبت ہی کی وجہ سے عالیمرتبہ اور پاک لوگ خیال کیے گئے ہیں۔

ابن سمعون

(از مولانا عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم مغفور)

"ابن سمعون محمد بن احمد بن اسمٰعیل" دولت عباسیہ مین جہان ہر فن کے اہل کمال گذرے ہین وہان بعض واعظ اور اسپیکر بھی بلا کے جادو بیان ہوے ہین۔ جس امر کو بیان کرنا چاہین اُس مین ایسے ایسے نکات اور رموز پیدا کرتے تھے کہ عقل حیرت مین رہ جاتی تھی خصوص سامع کے دل پر اثر ڈال دینے مین تو ایسا کمال حاصل تھا کہ ممکن کیا یہ کسی امر کو بیان کرین اور سننے والے اعتراف نہ کر لین۔ ان کی موثر زبان کے ایسے ایسے واقعات مشہور ہین کہ لوگون کو سُن کے حیرت ہو جائے گی۔ اپنی اس معجز نما زبان سے اُنھون نے دین اسلام کی بہت خدمت کی۔ کہتے ہین کہ جب ابن سمعون آیات و احادیث کا وعظ کیا کرتے تھے اور عذاب الٰہی کا نمونہ دکھانے لگتے تھے اسوقت لوگون کی رقت قلب کا یہ عالم ہوتا تھا کہ وہ شخص جس کا دل سخت سے سخت ہوتا تھا وہ بھی زار و قطار روتا تھا۔ اور تمام دنیاوی دلچسپیان اُس کی نظر مین ہیچ ہو جاتی تھین۔

ان کی تعریف مین اکثر مورخین نے بہت مبالغہ کیا ہے لیکن وہ صرف ہمارے خیال مین مبالغہ ہے اور اصل مین ابن سمعون کے سچے حالات بیان کیے گئے ہین حافظ ابوبکر خطیب بغدادی کا ایسا مشہور و معروف نامور مورخ اپنی تاریخ بغداد مین اس آتش زبان فخر بغداد کی نسبت لکھتا ہے۔

کَانَ وَاحِدَ دَهْرِهٖ وَفَرْدَ عَصْرِهٖ فِي الْكَلَامِ وَلِسَانَ الْوَاعِظِ دَوَّنَ النَّاسُ حِكْمَهٗ وَجَمَعُوْا كَلَامَهٗ۔ یعنی ابن سمعون بلحاظ زبان آوری اور پند و نصائح کے اپنے عہد کے یکتائے زمانہ تھے۔ لوگون نے اُن کے کلمات حکمت آیات

کو لکھا اور نقل کیا احمد بن عبدالمومن تریسی نے ان کی تعریف مین اور بہت سے کلمات
کہے ہین جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید ابن سمعون کا ایسا کوئی شخص دنیا مین نہین ہوا
جلال الدین جوزی نے ابن سمعون کی بہت کچھ تعریف کر کے لکھا ہے کہ اُن کو لوگون
نے شیخ الناطق بالحکمت کا خطاب دے رکھا تھا۔ یعنی ایسے بزرگ جو حکمت کی باتین
فرمایا کرتے ہین۔

ان کی پیدائش کی صحیح تاریخ نہین معلوم مگر اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ایک
ایسے وقت مین جب تیسری صدی ہجری تمام ہوئی اور چوتھی صدی شروع
ہوئی تھی۔ دارالسلام بغداد مین پیدا ہوے۔ اسی مبارک اور مشہور شہر مین نشو و نما
پایا۔ اسکی فضا مین کھیل کھیل کے سن تمیز کو پہونچے۔ مشہور ہے کہ بچپن ہی مین ان کے بشرے سے لیاقت
اور سعادتمندی کے آثار ظاہر تھے۔ اہل بصیرت ان کی صورت دیکھتے ہی کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ
ہونہار بچہ کسی عہد مین اعلیٰ درجۂ کمال کو پہونچے گا۔

ابوبکر اصفہانی جو شیخ شبلی کے خادم خاص تھے کہتے ہین ایک روز
شیخ شبلی جامع بغداد مین بیٹھے تھے اور مین بھی موجود تھا کہ اتفاقاً ابن سمعون
جن کا ابھی بچپن تھا سامنے آ کے گذرے۔ ابن سمعون اُن دنون اس قدر کم
عمر تھے کہ بچون کی ایسی ٹوپی سر پہ تھی۔ اور شرارت اس درجہ بڑھی ہوئی تھی
کہ شیخ شبلی کے سامنے سے ہو کے نکلے مگر سلام تک نہین کیا۔ شبلی نے ان کی
صورت دیکھ کے ذرا تامل کیا اور میری طرف متوجہ ہو کے کہنے لگے۔ تمھین کچھ
معلوم بھی ہے کہ اس لڑکے مین کیسے کیسے اوصاف کا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے؟
ابوبکر اصفہانی خود ہی بیان کرتے ہین کہ شبلی یہ جملہ مجھے ہمیشہ یاد رہا یہان تک کہ
وہ زمانہ آ گیا جب ابن سمعون کی شہرت و ناموری دنیا بھر مین مشہور تھی۔

ابن سمعون ایک ایسے شہر مین پیدا ہوے تھے۔ جہان علم کے صدہا
چشمے بہ رہے تھے۔ اور تمام شایقان علوم کو دور دور سے کھنچ کے وہان
لے آتے تھے۔ لہذا تقدیر نے اُن کے ساتھ اتنی ہمدردی کی کہ اُنھین طلب علم مین
کہین دور کا سفر نہ کرنا پڑا۔ ان کے طالبعلمانہ سفر اسی پر محدود رہے کہ ایک
محلہ سے نکل کے دوسرے محلہ مین چلے گئے۔ مگر بغداد مین یہ کسی خاص اُستاد کے

دامن سے وابستہ نہین رہے بلکہ ہر صاحب درس کے آگے کتاب کھول کے بیٹھے اور ہر چشمہ سے سیراب ہوے۔ فن حدیث مین عبداللہ ابن ابوداؤد سجستانی۔ ابوعبداللہ محمد بن مخفہ دوری۔ احمد بن محمد بن مسلم نخری سے باکمال حاملان احادیث نبوی کے شاگرد ہین۔ ذوق تصوف بھی دل مین تھا۔ اگرچہ بچپن کی ناسمجھی نے کسی عہد مین شیخ شبلی کو سلام کرنے کی بھی اجازت نہین دی تھی لیکن آخر ایک ایسا عہد آیا کہ تصفیۂ باطن کے شوق نے اُنھین بزرگ کی خدمت مین پہونچایا۔ اُنھون نے شیخ شبلی کا آخر عہد پایا۔ لیکن طبیعت ایسی مناسب پائی تھی کہ تھوڑی ہی صحبت مین بہت کچھ فیض حاصل کر لیا تھا۔ علامۂ ابن سمعون چونکہ ایک بہت بڑے واعظ اور معجز بیان ہونے والے تھے لہذا اُن کی طبیعت بچپن ہی سے اُدھر کا رخ دکھا رہی تھی۔ وہ واعظ جنھون نے دارالخلافت بغداد کی اعلیٰ محفلون اور صحبتون مین پند و نصائح کے دروازے کھول رکھے تھے۔ اور جن کی شیوا بیانی کی دھوم ہو رہی تھی اُن کی صحبتون مین ہمیشہ اپنے طبعی میلان سے جاتے تھے۔ اور اُن کی زبان سے جو جملہ نکلتے تھے اُن پر اس حیثیت سے غور کرتے تھے کہ یہ کیونکر موثر ہو گئے۔ اور جو جو باریکیان اور نکات اُن کی تقریر سے ظاہر ہوتے تھے ان کو مستحضر کر لیا کرتے تھے۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ اُن کی شیوا بیانی کی شہرت ایسی غالب ہوئی کہ یہ باوجود تمام علوم مین کمال رکھنے کے ایک اعلیٰ درجے کے اسپیکر ہی مشہور ہوے۔ اور تقریر سے دلون پر اثر ڈالدینے کی شہرت نے اور سب اوصاف کو دبا دیا۔ حتی کہ ابوالقاسم حریری نے ترے کے ایک واعظ کی تعریف مین ابن سمعون کا نام اسطرح لیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیوا بیانی اور طلاقت لسانی مین ضرب المثل ہو گئے تھے۔

مرأۃ الجنان مین ابن سمعون کا ایک عجیب واقعہ لکھا ہے۔ یعنی ابن سمعون ابتداے عہد مین نہایت پریشان حال تھے۔ لہذا وہان کے محتاج اور غربت زدہ فقرا مین ان کا شمار بھی تھا لیکن اس پریشان حالی کے زمانے مین یہ لوگون سے خیرات اور صدقات نہین لیتے تھے بلکہ کتابت پر بسراوقات کرتے تھے۔ اکثر کتابین اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اور اُن کو بغداد کے علمی بازارون

ین فروخت کر لیا کرتے تھے۔ ایک ضعیف اور فلاکت زدہ ماں زندہ تھی جس کی خدمت
گزاری اس طرح کرتے کہ گویا جو کچھ کماتے تھے صرف اسی کے لیے۔ ورنہ اصل مین
اپنا پیٹ وہ ہر طرح پال سکتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ابن سمعون
نے صرف ماں کی خدمت گزاری کے لیے اپنے بہت سے طبعی شوقون کو دبا رکھا
تھا۔ ذوق علم نے جوان کا قدم سفر کی منزلون تک نہ پہونچنے دیا اس کی وجہ شاید وہی
ضعیفہ ماں تھی۔ ایک دن بیٹھے ماں سے باتین کر رہے تھے۔ باتین کرتے ہی کرتے کچھ
دینی ذوق نے ایسا جوش پیدا کیا کہ ماں سے کہنے لگے۔ "اماں جان مجھے حج اور
زیارت بیت اللہ کا نہایت شوق ہے اگر آپ اپنے اس ذلیل بیٹے کو سفر حج
کی اجازت دیتین تو مجھ سے جس طرح فقر و فاقہ سے بنتا مکۂ معظمہ کا عازم ہوتا
اور وعدہ کرتا ہون کہ خانۂ کعبہ مین اور نیز ہر مقام مقدس مین جس کی زیارت
کی مجھے عزت حاصل ہوتی نہایت آپ کو یاد کرتا۔ اور آپ کی طرف سے مغفرت
اور نجات کی دعائین مانگتا" ماں نے یہ خیال سن کے شدت سے انکار کیا۔
اور کہا "ابن سمعون بھلا یہ کیونکر ممکن ہے۔ اول تو اس مصیبت و افلاس مین تجھ سے
سفر کیونکر کیا جائیگا۔ اور اگر بالفرض تو چلا بھی گیا تو تبا میری زندگی بسر ہونیکی کون
صورت ہے۔ جب تک تو آئے آئے میرا کام انفاس مین تمام ہو جائے گا۔ ماں کی
زبان سے یہ جواب سن کے ابن سمعون خاموش رہے۔ اور ڈر گئے کہ ایسا نہ ہو
اماں جان زیادہ خفا ہو جائین۔ اتفاقاً اسی وقت اور اسی صحبت مین بیٹھے
بیٹھے ان کی ماں کی آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی ہی دیر اُس ضعیفہ پہ عالم غنودگی طاری
رہا ہوگا کہ یک بیک وہ چونک پڑی۔ اور اُٹھتے ہی جو پہلا جملہ اُس کی زبان
سے نکلا یہ تھا کہ "بیٹا ابن سمعون سفر حج کا سامان کر مین ہرگز نہین روکتی ہون"
ابن سمعون نے پوچھا "اماں جان کیون؟ کیا ہوا جو آپ نے یون یک بیک مجھے اجازت
دیدی۔ اور نہ میرے مصائب سفر کا خیال کیا اور نہ اپنی تنگ حالی کو دیکھا۔ ماں
نے جواب دیا کہ "بیٹا۔ ابھی جو میری آنکھ لگ گئی تو مین نے خواب مین جناب
رسول اللہ صلعم کے جمال پاک کی زیارت کی اُنھون نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اے
خدا کی بندی اپنے بیٹے کو ایسی دولت سرمدی اور ایسے ارادہ نیک سے کیون

ر وکتی ہی۔ اُسے فوراً اجازت دے۔ اس لیے کہ اُس کے لیے دینی اور دنیاوی دونوں بھلائیاں اس سفر پر منحصر ہین۔ بھلا اب حضرت رسول صلعم کی زبان مبارک سے سن کے مین کیونکر تجھے روک سکتی ہون۔ بس اب تو سفر کے لیے آمادہ ہو۔ مجھ سے جس طرح بنے گا اپنی بسر کرلون گی"۔ ماں کی زبان سے اس خواب کا حال سن کے ابن سمعون پر عجب حالت طاری ہوئی۔ اور پھر اس کے ساتھ نہایت درجہ خوش ہوے کہ حضرت رسالت پناہ صلعم کے حکم سے مین سفر حج کرون گا۔ الغرض جوش مین آکے اُسی وقت اُٹھ کھڑے ہوے۔ دو چار کتابین جو لکھی رکھی تھین اُن کو ہاتھ مین لیا اور بازار مین جا کے جس قیمت کو بکین فوراً بیچ ڈالا۔ اُن کی قیمت لا کے ماں کو دی اور کہا جب تک بن سکے آپ اس تھوڑی سی رقم پر اپنی زندگی بسر کیجیے۔ مین جاتا ہون۔ یہ کہہ کے گھر کو خیرباد کہی اور حاجیون کا جو قافلہ مکہ معظمہ جاتا ہی اُس کے ہمراہ پا پیادہ روانہ ہوے۔ ابھی ظالم اور بُری قسمت نے ساتھ نہین چھوڑا تھا۔ ان کی شومی قسمت اور سب اہل قافلہ پر بھی اثر کر گئی۔ وہ عظیم الشان اور لق و دق صحرا جو عراق سے مغربی سواحل عرب تک چلا گیا ہی۔ اس مین دیگر شدائد عرب کے علاوہ یہ بہت بڑی مصیبت پڑی کہ صحرائی بدویون نے قافلہ کو لوٹ لیا۔ ہر مسافر کے پاس جو کچھ مال و اسباب نکلا زبردستی چھین لیا۔ یہان تک کہ سب اہل قافلہ سے کپڑے تک اُتروا لیے۔ ابن سمعون بیچارے کے پاس کیا تھا لیکن لٹیرون نے اُنھین بھی نہ چھوڑا۔ کپڑے اُتار لیے اور بالکل برہنہ صحرا مین چھوڑ دیا۔ خود کہتے ہین کہ مین وہان ننگا مادر زاد پھر رہا تھا۔ دو انگل کپڑا بھی نہ تھا۔ جس سے ستر عورت کرتا۔ قافلہ والے بھی سب اسی طرح لٹ گئے تھے۔ اتفاقاً مین نے دیکھا کہ ایک شخص ہاتھ مین ایک عبا لیے کھڑا ہے۔ مین اُس کے قریب گیا اور کہا "آپ میری حالت ملاحظہ فرمائیے اور مجھ پر ترس کھائیے"۔ اُنھون نے وہ عبا مجھ کو دیدی۔ مین نے اُس کو پھاڑ کے دو حصون پر تقسیم کیا۔ ایک کو کمر مین لپیٹ لیا اور ایک کو کندھے پر ڈال لیا۔ خیر لوٹے مارے اہل قافلہ آگے روانہ ہوے۔ قافلہ مین اور لوگون کو تو خیر کچھ کھانے پینے کو مل جاتا تھا مگر میرا یہ عالم تھا کہ فاقہ پر فاقہ ہوتے تھے۔ جب زیادہ شدت گرسنگی ہوتی تو اس وقت جب کہ قافلہ کے لوگ کھانا کھانے کو بیٹھتے مین اُن کے سامنے جا کے کھڑا ہو جاتا۔ وہ ترس کھا کے ایک آدھ ٹکڑا روٹی کا میری طرف پھینک دیتے

مین شکر یہ ادا کر کے لے لیتا اور اسی پہ زندگی بسر کرتا۔ اس فقیری کے عالم مین بھیک مانگتا ہوا مین اُس مقام پہ پہونچا جہان سے اہل بغداد احرام باندھا کرتے تھے۔ اُنھین دونون کپڑون سے اُنھین خوب دھو کے اور پاک و صاف کر کے مین نے احرام کا کام لیا بہر حال جس طرح بنا مین نے حج کر کے خدا کا شکرادا کیا۔ کہ مجھے ایسے کار خیر کی توفیق دی۔ چند روز وہین رہا۔ بنی شیبہ مین سے ایک شخص تھا جس کے قبضہ مین خانۂ کعبہ کی کنجیان تھین۔ مین ایام قیام مکہ مین ایک روز اس کے پاس گیا اور اپنا حال بیان کیا۔ اُس کو میرے حال پہ بہت کچھ افسوس معلوم ہوا۔ اس کے متاثر ہونے پہ مجھے اتنی جرأت ہوئی کہ مین نے کہا ”آپ سے اتنی درخواست کرتا ہون کہ چونکہ خانۂ کعبہ آپ کے اختیار مین ہے لہذا مجھے کوئی ایسا موقع دیجیے کہ تنہا مین ہی اندر جا کے خلوت مین خدا سے کچھ دعا مانگون“ اس نے وعدہ کیا۔ اور ایک روز جب سب لوگ خانہ کعبہ سے نکل چکے تھے اُس نے مجھے اندر داخل کر کے دروازہ بند کر لیا۔ مجھے یہ نہایت عمدہ موقع ملا تھا۔ مین نے نہایت خشوع و خضوع سے درگاہ بارتیعالی مین دعا مانگنا شروع کی۔ اور اس عالم بیخودی مین میری زبان سے یہ کلمات نکلے ”بار الٰہا تو میرے فقر و فاقہ اور افلاس کا حال بخوبی جانتا ہے۔ کچھ اس کی ضرورت نہین کہ مین اپنی زبان سے عرض کرون مجھے اپنے خوان کرم سے ایسا کچھ مرحمت کر کہ سوا تیرے اور کسی کا محتاج نہ رہون“ ادھر یہ کلمات میری زبان سے نکلے اُدھر سُنا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے ”یا اللہ یہ شخص دعا مین غلطی کرتا ہے۔ اس کو ایسی ہی زندگی ملے کہ کبھی معاش کی طرف سے اطمینان نہ ہو“ یہ آواز سُن کے مین چارون طرف حیرت سے دیکھنے لگا مگر کوئی شخص نظر نہ آیا۔ مین پھر خدا کی طرف متوجہ ہوا اور دعا مین وہی الفاظ کہے اور پھر وہی آواز آئی اور دیکھا تو کوئی نہ تھا۔ تین دفعہ ایسا ہی اتفاق ہوا۔ خیر مین نے چندان خیال نہ کیا۔ اور خانۂ کعبہ سے باہر نکل آیا اور مکۂ معظمہ چھوڑ کے مین نے عراق کی راہ لی۔ طائع للہ خاندان حضرت عباس سے خلیفہ بغداد تھا۔ اس نے اتفاقاً اسی زمانہ مین اپنی ایک پہ جمال لونڈی کو کسی سبب سے اپنے اوپہ حرام

کر لیا تھا۔ لیکن اُسے خوف ہوا کہ اگر لونڈی یونہین گھر سے نکال دیجائے گی تو خوف ہے کہ بے عصمت ہو جائے۔ لہذا بعض مشیرون سے صلاح پوچھی۔ ایک مشیر نے کہا ابن سمعون واعظ عنقریب حج سے واپس آیا چاہتا ہے۔ بہتر ہو گا کہ امیرالمومنین اس لونڈی کو اس کے سپرد کر دین اور شرط کر لین کہ ابن سمعون اُس کے ساتھ نکاح پڑھا لے۔ اس صورت مین لونڈی بھی باعصمت رہے گی۔ اور ابن سمعون بھی خوش ہو جائے گا۔ خلیفہ بغداد نے اس راے کو پسند کیا۔ الغرض میرے بغداد مین داخل ہوتے ہی آستان خلافت مین چند صلاح کار لوگ جمع کیے گئے جنھون نے میرے ساتھ اُس لونڈی کا عقد کر دیا۔ اور بہت سے مال واسباب اور دولت و سامان کے ساتھ اُسے میرے گھر پہ بھیج دیا۔

یہی زمانہ ہے جس وقت سے ابن سمعون دولتمند ہو گئے۔ اُن کا اعتقاد تھا کہ یہ اُن کی والدۂ محترمہ کے اُس خواب کی تعبیر ہے۔ وعظ کی صحبتون اور پند و نصائح کی محفلون مین ہمیشہ اس واقعہ کو موثر الفاظ سے بیان کر کے خدا کا شکر ادا کیا کرتے تھے۔ اور لوگون کو بتایا کرتے تھے کہ خداوند تعالیٰ کیونکر اپنے بندون کے ساتھ بہ لطف و محبت پیش آیا کرتا تھا۔ آخر عہد مین ابن سمعون کے زہد و تقدس نے اُنھین اس مرتبہ کمال پہ پہونچا دیا تھا کہ یافعی کا بیان ہے اُس عصر کے مشہور علما قاضی ابوبکر اور شیخ ابوبکر حامد جو خود بھی رؤساے اسلام مین سے تھے اور ناموران بغداد مین تھے ابن سمعون کی خدمت مین بکمال ادب حاضر ہوتے تھے اُن کے ہاتھون کو چومتے تھے اور اس کو اپنی اعلیٰ سعادت خیال کرتے تھے۔ بلکہ بعض اُس زمانہ کے نامور زاہدون نے اُن کے مقابل مین ایسے ایسے واقعات بیان کیے ہین کہ صاف ظاہر ہوتا ہے ابن سمعون اسلامی پبلک مین اپنے تمام معاصرون سے زیادہ مقبول تھے گو کہ بعض واقعات جو ان کے مقابل مین لوگون نے بیان کیے ہین اُن مین مبالغہ معلوم ہوتا ہے لیکن اس مین شک نہین کہ ابن سمعون جتنے بڑے واعظ تھے اتنے ہی بڑے ولی اللہ اور عالم بے بدل بھی تھے۔ اُن کی بہت سی کرامتین بھی عوام مین مشہور ہین جن کو اُن کی لائف سے آج کل کے مذاق مین بہت کم تعلق ہے۔ لہذا ہم اُن سے درگزر کرتے ہین۔

لیکن اس مین شک نہین کہ اُنھون نے اپنی زبان کو اس قدر موثر بنا لیا تھا کہ بعض موقعون پہ اُن کے بیان کی تاثیر خرق عادت کا دعوٰ کا دے جاتی تھی۔

ابو علی ہاشمی کہتے ہین طائع للہ کا غصہ خاندان عباس کے سب لوگون سے بڑھا ہوا تھا۔ اور اس کے غصہ سے کوئی شخص بمشکل نجات پاسکتا تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے مجھے حکم دیا کہ ابن سمعون کو لا کے ابھی حاضر کرو۔ چہرے سے غصہ کے آثار ظاہر ہوتے تھے جس سے مجھے خوف ہو گیا کہ دیکھیے ابن سمعون پر کیسی گذرتی ہے مین ابن سمعون کے پاس گیا اور اُنھین اپنے ہمراہ آستانۂ خلافت مین لے گیا۔ اور خلیفہ سے عرض کیا کہ ابن سمعون حاضر ہین خلیفہ نے اپنے سامنے بلایا۔ ابن سمعون جاتے ہی آداب شاہی بجالائے۔ اور پند و نصائح کا سلسلہ شروع کر دیا۔ زبان کھولتے ہی اُنھون نے کہا۔ رُوِیَ عَنْ أَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیِّ بْنِ أَبِیْ طَالِبٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ" یعنی حضرت علیؓ سے روایت ہے۔ ایک روایت تمام ہوئی تو دوسری روایت بھی حضرت علی ہی کی سند سے شروع کی۔ آخر تک جتنی روایتین بیان کین سب کی سند حضرت علی ہی تک پہونچتی تھی۔ اور اُن کے مضامین سے دل پر ایسی رقت طاری ہوتی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ طائع کا دل موم ہو گیا اور اُس نے رونا شروع کیا۔ یہان تک کہ رومال جو خلیفہ کے ہاتھ مین تھا بالکل تر ہو گیا۔ اس کے بعد ابن سمعون نے زبان روکی اور خاموش ہو گئے۔ اور ایک مشک کا ڈبہ مجھے دیا اور اشارہ کیا کہ خلیفہ کی خدمت مین بطور نذر پیش کرو۔ مین نے اس ہدیہ کو خلیفہ کے سامنے رکھ دیا۔ اب ابن سمعون سلام کر کے جانے لگے۔ مین محل خلافت کے دروازے تک اُنھین پہونچانے گیا۔ اور نہایت حسن عقیدت سے دروازے پر مین اُن کو رخصت کر کے خلیفہ کے حضور مین واپس آیا۔ اب تنہائی مین مین نے خلیفہ سے دریافت کیا کہ "امیرالمومنین ابن سمعون کے آنے سے پہلے حضور کے چشم و ابرو سے آثار غیظ و غضب نمایان تھے لیکن اُن کے آتے ہی وہ سب باتین جاتی رہین اور حضور نہایت مہربانی و رحمدلی سے پیش آئے"؟ خلیفہ نے جواب مین فرمایا کہ "نالائق اور چغل خوردن نے مجھ سے کہا تھا کہ ابن سمعون جناب علی مرتضیٰ کی شان مین بے ادبی کے کلمات کہا کرتا ہے اسی وجہ سے غضبناک ہو کے مین نے اُسے بلا بھیجا تھا۔ مگر اس وقت جو وہ آیا تو اُس نے ابتدا اسے

آخر یہ کہ جتنی روایتیں بیان کیں سب جناب علی مرتضیٰ سے اور ہر موقع پر اُن کا نام اس تعظیم سے لیا کہ مجھے معلوم ہو گیا کہ لوگوں نے جو کچھ کہا جھوٹ تھا اور حسد پر مبنی تھا۔ اور ابن سمعون کے عقائد میں کسی قسم کا فرق نہیں ہے۔"

۳۶۷ھ میں عضدالدولہ دیلمی نے ایک لشکر جرار ہمراہ لے کے ارادہ کیا کہ ملک عراق پر قبضہ کرلے۔ اور بغداد کی جانب روانہ ہوا۔ عزالدولہ بختیار ابن معزالدولہ کو جب یہ خبر ہونچی تو اس کو اپنی نجات اسی میں نظر آئی کہ بغداد کو چھوڑ کے موصل کی راہ لی۔ عضدالدولہ نے جب بغداد میں داخل ہو کے سنا کہ عزالدولہ نے بھاگ کے موصل میں پناہ لی ہے تو اس طرف کا قصد کیا۔ اور فوراً چل کھڑا ہوا۔ بختیار نے موصل میں اپنی فوجیں بھی آراستہ کیں۔ اور مقابلہ کو میدان میں آیا۔ حوالی موصل میں دونوں فوجوں کا سامنا ہوا۔ بختیار نے اگرچہ بڑی کوششیں کیں مگر اس کو کیا کرتا کہ تقدیر یکسر خلاف تھی جس نے پہلے ہی سے دل کو بودا بنا دیا تھا۔ لڑائی میں انجام کار عضدالدولہ کے بڑھے ہوئے حوصلہ کام آئے اور عزالدولہ بختیار اُسکے ہاتھ میں گرفتار ہو کے جان سے مارا گیا۔ عضدالدولہ نے اس کامیابی کے بعد تمام ملک عراق پر قبضہ کرلیا۔ بغداد پہونچا تو خلیفۂ بغداد نے اُس کی نہایت تعظیم و تکریم کی۔ جڑاؤ طوق اُس کی گردن میں ڈالا۔ اور سونے کے کڑے ہاتھوں میں پہنا دیے جو شاہی عزت افزائی کا طریقہ تھا۔ اور اس کو وہ نشان مرحمت ہوا جو سوا ولی عہدوں کے اور کسی کو مل ہی نہیں سکتا تھا۔ خیر جب عزالدولہ شان و شوکت کے ساتھ تخت عراق پر جلوہ افروز ہوا اُس وقت حکم دیا کہ بغداد کے تمام گلی کوچوں میں ڈھنڈورا پٹوا دیا جائے کہ آیندہ سے کوئی واعظ صحابہ اور یاران رسول خدا کے فضائل علی الاعلان نہ بیان کیا کرے۔ جو کوئی بغرض حصول ثواب بیان کیا کرتا ہو اُسکو ثواب حاصل کرنے کے اور طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ وہ قرآن مجید کی تلاوت کرے۔ اور اس بے ریا عبادت کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلعم کی رضامندی حاصل کرے۔ تعریف صحابہ سے تعصب بڑھتا ہے اور آتش فساد بھڑک اُٹھتی ہے۔ اور جو کوئی اس حکم کی تعمیل نہ کرے گا بیشک وہ قتل کر ڈالا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عضدالدولہ کی فتحمندی سے پہلے

ملک عراق مین مابین شیعہ اور سنیون کے صرف مذہبی بنا پر جھگڑا پیدا ہو گیا تھا۔ اور اُس نے یہان تک طول کھینچا تھا کہ دونون طرف کے صدہا آدمی جان سے مارے گئے۔ جوار بغداد کے بیسون گاؤن مین آگ لگا دی گئی۔ اور رعایا کا اس قدر مال و اسباب لٹ گیا کہ بیان سے باہر ہے۔ عضدالدولہ نے اس جھگڑے کا سبب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ ساری خونریزی اور بربادی صرف واعظون کی وجہ سے ہوئی جو مسجدون کے ممبرون پر بیٹھ بیٹھ کے لوگون مین اشتعال طبع اور جوش و خروش پیدا کراتے تھے۔ اور نیز اُن داستان گویون کی وجہ سے جو سڑکون پر اور گلی کوچون مین مذہبی فساد کو تیز کرتے تھے۔ (اس دور مین اور قدیم عرب سے داستان گوئی کا زیادہ رواج تھا۔ اور داستان گو اپنی فصیح و بلیغ تقریرون سے جس مسئلہ کو چاہتے تھے نہایت جوش کے ساتھ ملک مین پھیلا دیا کرتے تھے۔ ہمارے داستان کہنے والون کی طرح اُن کی غرض صرف افیونیون کا خوش کرنا نہین ہوتی تھی) اُن قصہ خوانون اور اس عہد کے واعظون ہی کی یہ کارروائی تھی کہ صحابہ کرام کے مناقب اور فضائل بیان کر کے اُنھون نے تمام عراق مین ایسی برہمی پیدا کر دی کہ ملک مین امن و امان قائم رکھنا سلطنت کے اختیار سے باہر ہو گیا۔ عضدالدولہ نے اسی وجہ سے ممانعت کر دی کہ ایسے خلاف قانون مجمع آیندہ مسجدون اور نیز سڑکون اور گلی کوچون مین نہ ہونے پائین۔ اتفاقاً ابن سمعون نے اس سرکاری حکم کی مخالفت کر کے جامع بغداد مین نہایت آزادی سے وعظ کی۔ اور وعظ مین بہت کچھ فضائل صحابہ کرام بھی بیان کیے۔ یہ خبر عضدالدولہ کو پہونچی تو نہایت برہم ہوا۔ اور اپنے مقربان دولت مین سے ابوالثنار کو حکم دیا کہ ابن سمعون کو پکڑ لا کے حاضر کرے۔ خود ابوالثنار کا بیان ہے کہ عضدالدولہ کے حکم کے بموجب مین نے علامہ ابن سمعون کو آدمی بھیج کے اپنے مکان مین بلایا۔ وہ آئے تو مجھے اُن کی صورت پر کچھ ایسا جلال اور ایسی ہیبت نظر آئی کہ بے اختیار مین اُن کی تعظیم و تکریم کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا اور ان کو اپنے برابر بلا کے بٹھایا۔ رسم مزاج پرسی کے بعد مین نے کہا، جناب والا بادشاہ عضدالدولہ کو لوگون نے آپ کی شکایتین کر کے نہایت برہم کر دیا ہے اور

آپ کو معلوم ہے کہ وہ کیسا سخت گیر اور کتنا بڑا سخت دل بادشاہ ہے۔ آپ اس کے دربار
مین تشریف لے جائین تو پہلے جاتے ہی نہایت عاجزی اور ادب سے آستان بوسی
فرمایئے اور شاہی تعظیم و تکریم مین کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھیے گا۔ اور پورے حضور دل
سے خدا کی طرف متوجہ ہو کے نجات اور عفو کی دعا مانگیے گا۔ شاید خداوند تعالیٰ جل شانہ
آپ کو ایسے شیر غضب آلود کے پنجۂ ستم سے نجات دلادے۔ یہ سن کے ابن سمعون نے کہا
"اَلْخَلْقُ وَالْاَمْرُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ" یعنی سب اللہ ہی کے اختیار مین ہے۔ یہ سمجھا بجھا کے مین نے
ابن سمعون کو اپنے ہمراہ لیا اور دربار کو روانہ ہوا۔ در دولت پر پہونچ کے مین نے
اُن سے کہا آپ دم بھر یہان ٹھہریے مین آپ کی اطلاع کر کے حاضری کی اجازت لے
آؤن۔ لیکن ہان دیکھیے مین نے جو کچھ کہا ہے اُس کا خیال ضرور رکھیے گا۔ اس سے
میری غرض یہ تھی کہ ایسے فاضل گران پایہ اور عالم بے بدل کو عضد الدولہ کے ہاتھ سے
کوئی صدمہ نہ پہونچ جائے۔ غرض تمام باتین علامۂ ممدوح کے ذہن نشین کر کے
مین جھپٹا ہوا اندر گیا۔ وہان کیا دیکھتا ہون کہ ابن سمعون میرے برابر کھڑے ہوئے ہین
اور جو کچھ مین نے کہا سنا تھا گویا اُن سب باتون کو اُنھون نے یا تو لغو سمجھا یا بھول
گئے۔ کیونکہ نہ تو آستان بوسی کی نہ کوئی شاہی تعظیم و تکریم بجا لائے۔ بلکہ بختیار جس کو
عضد الدولہ نے قتل کر کے حکومت عراق حاصل کی تھی اس کے مکان کی طرف اشارہ کر کے
یہ آیت پڑھی کہ "وَکَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰی وَھِیَ ظَالِمَۃٌ اِنَّ اَخْذَہٗ
اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ" یعنی وہ گاؤن جن مین ظلم ہوتا تھا جب اُن کو خدا کا غضب لے لیتا ہے
تو ایسا ہی کرتا ہے خدا کا مواخذہ کرنا دردناک اور سخت ہے۔ اس کے بعد عضد الدولہ
کی طرف متوجہ ہو کے کہا "ثُمَّ جَعَلْنٰکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِھِمْ لِنَنْظُرَ
کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ" اس کے بعد ہم نے اُن کی جگہ تم کو وارث تاج و تخت کیا تاکہ دیکھین
تم کیا کارروائی کرتے ہو۔ اس کے بعد ابن سمعون نے جو پند و نصائح کا دروازہ کھولا
اور اپنی زبان معجز بیان کے جوہر دکھانا شروع کیے تو یہ عالم تھا کہ کل اہل دربار
خود عضد الدولہ پر ایک بیہوشی اور از خود رفتگی کا عالم طاری ہو گیا۔ مین نے عضد الدولہ
کو کبھی رحم سے کام لیتے نہین دیکھا تھا اور گو یا رقت قلب کہین چھو ہی نہین گئی تھی
لیکن ابن سمعون کے بیان نے یہ اثر کیا کہ اس نے رومال اپنی آنکھون پر رکھ لیا۔ اور

زار و قطار رونے لگا۔ ابن سمعون دیر تک سب کو اسی عالم مین رکھ کے یک بیک ہم لوگون کے درمیان سے غائب ہو گئے۔ وہ سارے دربار کو بیخودی کی حالت مین چھوڑ کے بغیر اجازت لیے نکلے چلے گئے اور ہم کو خبر بھی نہ ہوئی۔ یہان سے جا کے وہ میرے مکان مین بیٹھ رہے۔ کچھ دیر کے بعد جب عضد الدولہ اپنے ہوش مین آیا تو اُس نے میری طرف متوجہ ہو کے حکم دیا کہ جاؤ خزانے سے تین ہزار درہم اور دس جوڑ خلعت گران بہا لو۔ اور ابن سمعون کو میری طرف سے دو۔ اگر وہ لے لین تو فوراً قتل کر ڈالنا اور اگر انکار کرین تو کہنا اچھا لیجیے ان کو اپنے احباب اور غربائے اسلام پر تقسیم کر دیجیے۔ ابو الثنار کہتے ہین کہ اس حکم نے مجھے نہایت ہی تشویش مین ڈال دیا۔ اس لیے کہ مجھے خوف معلوم ہوا کہین ایسا نہ ہو ابن سمعون ان چیزون کو اپنے نام سے قبول کرین اور مجھے ایسے علامۂ عصر کے قتل کا مرتکب ہونا پڑے۔ الغرض مین درہم اور خلعت ہائے گران بہا لے کے گیا۔ اور کہنے لگا "لیجیے بادشاہ عضد الدولہ نے یہ سب سامان بطور نذر آپ کی خدمت مین بھیجا ہے" انھون نے جواب دیا "اے ابو الثنار بھلا تم ہی انصاف کرو مین اِن چیزون کو لے کے کیا کرون گا۔ یہ کپڑے جو مین پہنے ہوے ہون اِن کو چالیس برس ہوے والد مرحوم و مغفور نے میرے لیے قطع کرایا تھا۔ مین جب کہین آتا جاتا ہون تو اِن کو پہن لیتا ہون۔ اور گھر جاتے ہی نہایت احتیاط سے اُنھین تہ کر کے رکھ دیتا ہون۔ میری عمر بھر کے لیے یہی جوڑا کافی ہے۔ اور زیادہ سازو سامان دنیاوی کی مجھے حاجت نہین باقی رہے درہم یہ بھی میرے لیے فضول ہین۔ وہ گھر جو مجھے والد بزرگوار کے ورثہ مین ملا ہے اس کا کرایہ اس قدر کافی ہوتا ہے کہ مین اطمینان سے اپنے حوائج ضروری کو پورا کر لیتا ہون۔ مجھے شاہی انعام کی کوئی حاجت نہین" یہ سُن کے مین نے کہا "اچھا تو اگر آپ کو اپنے لیے ضرورت نہین تو آپ کے احباب مین جن لوگون کو ضرورت ہو اُن پر تقسیم فرما دیجیے۔ خود بادشاہ نے مجھ سے کہہ دیا ہے کہ اگر وہ نہ لین تو یہی دے کے کہہ دینا کہ اپنے احباب پر تقسیم کر دیجیے" اُنھون نے فرمایا "اے ابو الثنار میرے دوستون کو بھی ان چیزون کی ضرورت نہین۔ دربار داران دولت

میرے احباب کی بہ نسبت اس ساز و سامان کے زیادہ محتاج ہیں۔" ابن سمعون کی یہ تقریر سُن کے مین نہایت ہی خوش ہوا۔ اور عضدالدولہ کی خدمت مین جا کے ساری داستان بیان کر دی۔ اس کو بھی سُن کے بڑی خوشی ہوئی۔ اور شکریہ کے طور پہ کہنے لگا "اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی سَلَّمَہٗ مِنَّا وَسَلَّمَنَا مِنْہُ۔ یعنی اس خدا کا شکر جس نے اُن کو مجھ سے اور مجھ کو اُن سے محفوظ رکھا۔

عضدالدولہ نے اپنے نزدیک نہایت عمدگی سے ابن سمعون کا امتحان لیا۔ لیکن بسا اوقات اس مین ظلم بھی ہو جاتا ہے۔ ایسے موقع پہ روپیہ لے لینا ایک مسئلہ ہے جس مین باعتبار اجتہاد علما مین اختلاف ہے اور جہان تک خیال کیا جاتا ہے دونون رائین حق پر نظر آتی ہین۔ ایک تو ابوذر غفاری صحابی رسول اللہ کی پالسی ہے کہ انسان کو اپنی ضرورت سے زیادہ روپیہ لے لینا حرام ہے۔ اس لیے کہ اُن کے نزدیک تمام مال دنیاوی خدا کا ملک ہے اور اس مین سے بقدر ضرورت لے لینا انسان کا حق ہے اور زیادہ لینا ایسا ہی ہے جس طرح کوئی کسی کا مال غصب کرے۔ جس طرح وہ غاصب غصب کا جوابدہ خدا اور شرع کے آگے ہے۔ اُسی طرح انسان کسی شخص کے ہدیہ اور عطا پہ بھی اپنی ضرورت سے زیادہ لے لینے کی صورت مین خدا اور شرع کا جواب دہ ہے۔ اس رائے پہ عمل کرنا دشوار ہے۔ اور اسی وجہ سے اس مذہب کے علما دنیا مین بہت کم نظر آئین گے۔ ہان دوسرے مذہب والے زیادہ ہین جن کا اعتقاد ہے کہ مال چاہے کتنا ہی زیادہ ہو اُس کا لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ طریقہ اخذ شرعاً جائز ہو۔ اس اعتقاد کے لوگون کو کوئی ملزم نہین ٹھہرا سکتا۔ اور اگر کوئی ایسا قصد کرے تو اس کو شریعت ہرگز الزام نہین دے سکتی۔ وہ باوجود دولتمندی کے شریعت کا پورا پابند اور پیرو رہتا ہے۔

اگر علامۂ ابن سمعون خدانخواستہ دوسری رائے کے شخص ہوتے اور اُن کے اعتقاد مین وہ روپیہ لے لینا جائز ہوتا تو اُس مین کوئی شک نہین کہ وہ حق پہ ہوتے اور حق ہی پہ ان کی گردن ماری جاتی۔ اور عضدالدولہ خدا کے دربار مین ایک پاک نفس اور فرشتہ خصلت علامۂ زمان کے قتل کرنے کا مجرم قرار پاتا افسوس شاہان سلف کے خود اختیارانہ احکام نے بارہا ایسے ظلم کیے۔ اور یہ مظالم ایسے تھے کہ اُن سے دنیا کو بہت بڑے صدمے پہونچ گئے۔

ابن سمعون کے کلام کا اثر دنیا مین مشہور تھا۔ جو واقعات ہم بیان کر چکے ہین اُن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کلام اور اپنی زبان مین خواہ اپنی قوت اکتسابی سے یا اپنے زہد و اتقا کی وجہ سے ایسا اثر پیدا کر لیا تھا کہ دشمنون اور سنگدلون کے سامنے بھی جب اُنھون نے پند و نصائح کا دروازہ کھولا۔ وہ خیال عداوت و ظلم اُن کے دل سے تو رًا جاتا رہا اور عداوت کی جگہ اعلیٰ ہمدردی کے جذبات پیدا ہو گئے ایسے شخص کے چند کلمات بھی نقل کر دیے جائین تو زیادہ مناسب ہو گا۔ تاکہ لوگون کو اس امر کے خیال کرنے کا موقع ملے کہ ابن سمعون کی زبان مین کیا بات تھی جو ایسے ایسے واقعات عجیب اور آثار غریب ظاہر ہوئے۔

پند و نصیحت مین اکثر فرمایا کرتے تھے "سُبْحَانَ مَنْ اَنْطَقَ بِاللَّحْمِ وَبَصَّرَ بِالشَّحْمِ وَاَسْمَعَ بِالْعَظْمِ" پاک ہے وہ خداوند کریم جل شانہ جس نے گوشت کے ذریعہ سے بات کرائی اور چربی کے ذریعہ سے قوت بینائی عطا کی اور ہڈی کے واسطے سے سننے کی قوت مرحمت فرمائی۔ جناب امیرالمومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کلام ہدایت نظام مین بھی یہی کلمات موجود ہین۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معجز نما خیال کو اُن بزرگ نے حضرت علی ہی سے لے لیا۔ آخر زمانہ نے اپنے معمول کے موافق چاہا کہ اُس دور کا ورق الٹ دے جس مین ابن سمعون کا ایسا نامور واعظ موجود تھا۔ ابن سمعون کے مرنے کا غم شاید دنیا کو مدتون رہا ہو گا۔ اس لیے کہ وہ اُن علما مین نہ تھے جو گھر مین بیٹھ کے صرف اتقا کے ذریعہ سے خلق اللہ کو نیک راہ بتاتے تھے۔ وہ ایک ایسے باکمال شخص تھے کہ اُن کی آتش زبانی نے ہر دل مین ایک آگ لگا دی تھی۔ ساری دنیاے اسلام اُن کی معتقد تھی وہ روزانہ پبلک کے عام اسٹیج پر نظر آیا کرتے تھے۔ اور اُن کے جوہر علم کے کمالات عام لوگون پر ہمیشہ ظاہر ہوتے رہتے تھے۔ آہ! کیا ہوا ہو گا جب یک بیک پند و نصائح کا دروازہ بند ہو گیا ہو گا۔ اور وہ ممبر جو اُن کا معمولی جلوہ گاہ تھا خالی نظر آیا ہو گا۔

لیکن زمانے کو ان خیالات سے کیا تعلق چاہے کچھ ہو جائے مگر وہ وہی کرتا ہے جو ہمیشہ سے کرتا آیا ہے ۳۸۷؁ھ مین ذیقعدہ کا نصف ہی مہینہ

گذرنے پایا تھا کہ ابن سمعون نے انتقال کیا۔ یہ سانحہ خاص شہر بغداد مین واقع ہوا جامع منصور مین اُن کے جنازے پر نماز پڑھی گئی۔ اور نعش اسی مکان مین دفن کردی گئی جس مین وہ سکونت پذیر تھے۔ لیکن خدا جانے کس ضرورت سے اس کے چالیس برس بعد پنجشنبہ ۱۱۔ رجب ۴۲۶ھ مین لوگون نے ان کی لاش کو وہان سے کھود کے نکال لیا اور باب الحرب مین امام احمد بن حنبل کے مقبرہ کے نزدیک لیجا کے دفن کر دیا۔ یہ امر بہت زور دے دے کے اُن کے فضائل مین بیان کیا جاتا ہے کہ چالیس برس کے بعد جب اُن کی لاش کھود کے نکالی گئی تو اُس مین کسی قسم کا تغیر نہین ہوا تھا۔ جسم در کنار کفن کا کپڑا تک ویسا ہی تھرا اور صاف تھا۔ سڑنا اور گلنا کیسا۔ بہرحال چالیس برس کے بعد اُن کی قبر بدل دی گئی۔ اور اس دنیا نے اُنھین انتظار قیامت مین بھی ایک حالت پر نہ پڑے رہنے دیا۔

ان کی تصانیف مین سے صرف کتاب مجالس کا پتہ لگتا ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ سے اُنھون نے اپنی اصلی شان یعنی وعظ و نصائح کی کیفیت دکھائی ہے۔ لیکن افسوس یہ خیال اکثر اہل علم مین مشہور ہے کہ وعظ و نصیحت کرنے والے روایت کو بیان کر دیتے ہین لیکن اُن کو اس کے عیوب اور صحت و اصلیت سے کوئی بحث نہین رہتی۔ بس اسی غفلت نے شاید اُن کی کتاب مجالس مین بھی نقصان پیدا کر دیے۔ اس لیے کہ کہا جاتا ہے اُس مین کوئی حدیث اور کوئی روایت صحیح نہین۔ افسوس کہ واعظون کی یہ شان آج تک باقی ہے۔ اور گویا وہ اس امر کے مکلف ہی نہین ہین کہ روایات کی جانچ پڑتال کرین۔

وعظ سننے والون کو اُس وقت نہین معلوم ہوتا کہ ان ضعیف یا موضوع روایات کے بیان کرنے سے کیا نقصان ہوا۔ لیکن چند روز بعد وہ روایات عام ملک مین ایک مضبوط قدم پکڑ لیتی ہین۔ اور پھر اُن سے عملی نتائج پیدا ہونے لگتے ہین اور وہی اعمال ایسے ہین جن کا نام عرف مین بدعت رکھا گیا ہے۔ شاید لفظ بدعت سے بہت لوگ چونک پڑین گے۔ اور اُنھین خوف ہو جائے گا کہ کہین وہابی بدعتی کی بحث تو نہین چھیڑ دی گئی۔ نہین وہ بحث نہین چھیڑی گئی ہمین اس مقام پر کوئی خاص مذہبی پارٹ لینا نہین منظور ہے۔ لیکن دنیاوی حیثیت سے اور نیز اخلاقی معاملات

مین دیکھیے تو وہان بھی ایسی ہی خرابیان محض اس وجہ سے پیدا ہو گئین کہ سرگروہان ملک اور ریفارمرون نے بے احتیاطی سے اور بے سوچے سمجھے گذشتہ نامورون کے واقعات بیان کر دیے۔ آپ غور کر کے دیکھیے تو آپ کو معلوم ہو کہ عام دنیا کیا بہ لحاظ اخلاق اور کیا بہ لحاظ مذاہب اسی قسم کی ضعیف الاعتقادیون مین مبتلا ہے۔ ہم کو کسی قدر آزادی سے کام لے کے صاف صاف بیان کر دینا چاہیے کہ باوجود سخت احتیاطون اور بکثرت قیود کے ایسے ہی ضعیف روایتون کی وجہ سے نہ کوئی مذہب اپنی اسی اصلی حالت پر باقی رہا جس پر بانی مذہب نے اس کی بنا ڈالی تھی۔ اور نہ کوئی اخلاقی اصول قائم رہ سکا جو بلحاظ مناسبت زمانہ کے مخدوش نہ نظر آتا ہو۔

لیکن اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ وہ لوگ جنھون نے ابتدائے عمر پر بیٹھ کے ایسی روایتین بیان کین۔ ان کی غرض اس بیان سے کسی قسم کی بدنیتی تھی۔ وہ صرف اس قدر چاہتے تھے کہ لوگون کے دل مین دینی ذوق و شوق پیدا کرنے کے لیے جس قدر زیادہ موثر اور نئی روایت ملے اسی قدر بہتر اور مناسب ہوگا۔ اُنھین یہ خبر نہ تھی کہ نتائج مین ایسے امور ظاہر ہون گے۔ اگرچہ سلف سے لے کے آج تک طبقۂ محدثین کے تمام لوگون نے پوری احتیاط سے کام لیا۔ لیکن اُن کی کوششین محدود رہین۔

اسرار دربار حرام پور

(حصہ سوم)

مولنا محمد عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم نے اس سلسلہ کا تیسرا حصہ بھی لکھا تھا مگر بعض وجوہ سے وہ اُسوقت نہ شائع ہو سکا۔ اب زیر طبع ہے۔ اسکی قیمت فی جلد ڈیڑھ روپیہ علاوہ محصول ڈاک ہے۔ جو اصحاب اُسے جلد سے جلد دیکھنا چاہین ہمین پہلے سے مطلع کر دین تاکہ کتاب تیار ہوتے ہی اُن کی خدمت مین ذریعہ وی پی روانہ کر دی جائے۔

ملتمس۔ منیجر دلگداز۔
لکھنؤ

فتح مصر و اسکندریہ

مسلمانون کی فتح مصر کے متعلق ایک نہایت دلچسپ واقعہ تاریخون مین ملتا ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے اور اسی سلسلہ مین ہم مصر اور اسکندریہ کے پوری طرح قبضے مین آجانے کے واقعات تفصیل کے ساتھ لکھتے ہین۔

علامۂ جلال الدین سیوطی اپنی کتاب **حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرہ** مین تحریر فرماتے ہین کہ سنہ ۱۹ ہجری مین حضرت عمرؓ مقام جابیہ مین رونق افروز تھے۔ اسی زمانے مین حضرت عمرو بن عاص ان کی خدمت مین حاضر ہوے موقع پاکر تنہائی مین آپ کو مصر کی فتح کا شوق دلایا اور عرض کیا کہ آپ مجھے مصر کی جانب پیش قدمی کی اجازت دین۔ اگر وہ ملک فتح ہو گیا جس کا مجھے کامل یقین ہے تو مسلمانون کو اس سے بڑی مدد ملے گی اور ان کی قوت بڑھ جائے گی مصر کا علاقہ بڑا زرخیز ہے اور مال و دولت مین وہ ساری دنیا مین مشہور ہے اس کے ساتھ ہی وہ آج کل لڑائی مین سب سے زیادہ کمزور ہے۔ حضرت عمرؓ کو اندیشہ تھا کہ ادھر فوج کشی کرنے سے مسلمانون کو کہین نقصان نہ پہونچ جائے۔ لیکن حضرت عمروؓ اس پر برابر اصرار کرتے اور طرح طرح سے شوق دلاتے رہے۔ آخر حضرت عمرؓ کو اطمینان ہو گیا اور انھون نے روانگی کی اجازت دیدی۔

حضرت عمروؓ نے جو خاص طور پر اصرار کیا اور انھین اپنے ہاتھون مصر کے فتح ہونے کی جو اس قدر قوی امید تھی اس کا ایک خاص سبب تھا۔ وہ

واقعہ اس طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ ایکبار تجارت کی غرض سے حضرت عمرو بن عاص قریش کے بعض لوگون کے ساتھ تجارت کی غرض سے بیت المقدس کی جانب گئے اتفاق سے انھین دنون اسکندریہ کا ایک رومی راہب زیارت کی غرض سے یہان آیا ہوا تھا۔ اور بیت المقدس کے گرد پہاڑون مین پھر رہا تھا۔ وہین حضرت عمرو رضؓ اپنے اور اپنے ساتھیون کے اونٹ چرا رہے تھے ان کا اور ان کے رفقاے قریش کا معمول تھا کہ باری باری سے اپنے اونٹ چرایا کرتے تھے آج حضرت عمرو بن عاص کی باری تھی۔ وہ راہب پہاڑون مین حضرت عمرو کو ملا اور ان سے پانی مانگنے لگا کیونکہ شدت پیاس سے جان بلب ہو رہا تھا۔ حضرت عمرو رضؓ نے اپنے مشکیزے سے اسے پانی پلایا۔

راہب دیر سے پانی کی تلاش مین پہاڑون مین پھر تا رہا تھا اور دھوپ کی شدت سے بالکل تھک گیا تھا۔ پانی پیتے ہی وہ ایک درخت کے سایے مین لیٹ کے سو گیا۔ جہان وہ لیٹا تھا اس کے قریب ہی ایک سوراخ تھا۔ اُسے سوئے زیادہ دیر نہین ہوئی تھی کہ اس سوراخ مین سے ایک بڑا بھاری زہریلا سانپ نکلا اور اس راہب کیطرف چلا۔ حضرت عمرو بن عاص کی اس پر نظر پڑ گئی اور آپ نے اپنا تیر کمان مین جوڑ کے ایسا تاک کے نشانہ لگایا کہ سانپ جہان تھا وہین رہ گیا۔ دیر کے بعد راہب سو کے اُٹھا تو اُس نے قریب ہی مرا ہوا سانپ دیکھا اور بہت گھبرایا۔ عمرو بن عاص سے اس کا حال پوچھا۔ آپ نے ساری سرگذشت بیان کر دی اور کہا کہ مین نے اس کو تمھاری طرف جاتے ہوے دیکھ کے تیر کا نشانہ بنایا ہے یہ سنتے ہی راہب نے اُٹھ کے حضرت عمرو کی پیشانی چومی اور کہا کہ تم نے دو دفعہ میری جان بچائی ہے۔ ایک دفعہ تو اسوقت جبکہ مین پیاس سے جان بلب ہو رہا تھا اور دوبارہ اس موذی سانپ سے اب تم یہ بتاؤ کہ یہان کیسے آئے؟" عمرو بن عاص نے بتایا کہ مین اپنے ساتھیون کے ہمراہ تجارت کی غرض سے آیا ہون۔ راہب نے پوچھا تو تمھین اس دفعہ کتنے نفع کی امید ہے حضرت عمرو رضؓ نے کہا اتنے نفع کی کہ مین ایک اونٹ خرید سکون۔ میرے پاس دو اونٹ ہین چاہتا ہون کہ ایک اونٹ اور بڑھ جائے۔ پھر راہب نے پوچھا کہ تمھارے ملک مین انسان کی ایک جان کا بدلہ کیا ہے؟ عمرو رضؓ نے کہا کہ ایک سو اونٹ۔ راہب نے کہا کہ ہمارے یہان اونٹ نہین ہین مگر ہان روپیہ ہے۔ عمرو رضؓ نے کہا کہ اگر روپیہ ہے تو سو اونٹون

کی قیمت ایک ہزار دینار ہوتی ہے۔ راہب نے کہا تم جانتے ہو کہ مین مسافر ہون۔ اور بیت المقدس کے گرجے مین فقط عبادت اور زیارت کی غرض سے آیا ہون۔ اب ان سے فارغ ہو چکا ہون۔ یہان میرے پاس روپیہ نہین ہے مگر تم میرے ساتھ میرے وطن چلو تو مین تمھین دو جانون کا معاوضہ دون گا۔ کیونکہ تم نے دو بار میری جان بچائی ہے۔ عمروؓ نے پوچھا تم کہان کے رہنے والے ہو۔ راہب نے بتایا کہ ملک مصر مین اسکندریہ نام ایک شہر ہے اور وہی میرا وطن ہے عمروؓ نے کہا مین نہین جانتا کہ اسکندریہ کہان اور کتنی دور ہے اور مین کبھی وہان نہین گیا ہون۔ راہب نے کہا تم چلو تو سہی۔ وہان پہونچ کے تمھاری آنکھین کھل جائین گی۔ دیکھوگے تو معلوم ہوگا کہ ایسا بارونق اور آباد شہر تم نے کبھی نہین دیکھا۔ عمروؓ نے پوچھا تو تم وہان پہونچ کے اپنا وعدہ ضرور پورا کروگے؟ اس نے کہا مین خدا کو بیچ مین ڈال کر اور اُسی کو گواہ کر کے کہتا ہون کہ مین اپنا وعدہ ضرور پورا کرون گا۔ اور تمھین بہ حفاظت تمام تمھارے ساتھیون کے پاس واپس بھیج دون گا۔ عمروؓ نے پوچھا اسکندریہ جانے آنے مین مجھے کتنے دن لگین گے۔ راہب نے کہا دس دن جانے کے۔ دس دن واپسی کے اور دس دن وہان ٹھہرنے کے اس طرح کل ایک مہینہ صرف ہوگا۔ جاتے وقت مین تمھارے ساتھ ہون اور خود تمھاری حفاظت کرون گا۔ اور واپسی مین اپنے ایک ایسے معتبر شخص کو تمھارے ساتھ کر دون گا کہ وہ تم کو پوری حفاظت کے ساتھ جہان تک کہوگے پہونچا دے گا۔ حضرت عمروؓ نے کہا کہ ذرا ٹھہرو۔ مین اپنے ساتھیون سے مشورہ کر لون تو قطعی جواب دون۔ یہ کہہ کر حضرت عمروؓ اپنے ہمراہیون کے پاس گئے۔ راہب کے عہد و پیمان کا ذکر کر کے کہا جب تک مین واپس نہ آجاؤن تم یہین ٹھہرے رہو۔ اور تم مین سے کوئی شخص اگر میرے ساتھ چلے اور میرا انیس سفر ہو تو مین وعدہ کرتا ہون اِس روپیہ مین سے جو مجھے ملے گا ایک حصہ اُسے بھی دون گا اِن لوگون نے اُسے منظور کیا اور ایک آدمی اُن کے ساتھ کر دیا۔

حضرت عمروؓ اور ان کا رفیق سفر راہب کے ساتھ مصر کی جانب روانہ ہوے۔ مصر کے علاقہ مین داخل ہوے تو عمروؓ کو وہان کی عالیشان عمارتین آبادی کی کثرت اور لوگون کا تمول دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔ اور کہنے لگے کہ بے شک مین نے مصر کا ایسا کوئی مقام نہین دیکھا ہے اور نہ کبھی یہان کی سی دولت اور مرفع الحالی ہی کہین نظر آئی۔ اس کے بعد وہ اسکندریہ مین پہونچے تو وہان کی عمارتین اور اُن کی مضبوطی اور خلقت کا ہجوم

دیکھ کر اور زیادہ متحیر ہو گئے۔ حضرت عمروؓ جس دن اسکندریہ مین پہونچے اتفاقاً وہان ایک بہت بڑی عید تھی جس مین سب سردار۔ رؤسا اور شرفا جمع ہوا کرتے تھے۔ اور اُسی دن سونے کا ایک مرصع گیند اچھالا جاتا تھا۔ اور سب لوگ اُسے اپنی آستینون مین لینا چاہتے تھے۔ قدیم زمانے سے یہ عقیدہ چلا آتا تھا کہ جس کسی کی آستین مین وہ گیند چلا جائے وہ اپنی عمر مین ایک مرتبہ مصر کا بادشاہ ضرور ہو گا۔

اسکندریہ مین پہونچ کر راہب نے عمروؓ کی بہت خاطر مدارت کی۔ نہایت قیمتی ریشمی کپڑے پہنا کر اُن کو اپنے ساتھ اسی عید کے جلسہ مین لے گیا جہان گیند پھینکا جا رہا تھا۔ اور لوگ اسے آستینون مین لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ اتنے مین گیند پھینکا گیا اور وہ سیدھا عمروؓ کی آستین مین داخل ہو گیا۔ اس پر لوگون کو بڑا تعجب ہوا۔ کہنے لگے کہ اس گیند کے معاملے مین ہمین کبھی دھوکا نہین ہوا ہے۔ آج خدا جانے کیا اتفاق ہو گیا۔ بھلا یہ گنوار بدوی بھی ہمارا بادشاہ ہو سکتا ہے؟ نہین ایسا ہرگز نہین ہو سکتا۔

اس کے بعد عمروؓ کو وہ راہب اپنے دوستون سے ملاتا رہا اور اُن سے کہتا کہ اُنھون نے دوبارہ میری جان بچائی ہے اور مین ان سے دو ہزار دینار دینے کا وعدہ کر کے یہان ساتھ لایا ہون۔ پھر راہب نے اپنے معتقدون سے کہا کہ دو ہزار دینار جمع کر کے ان کو دیدینا چاہیے۔ چنانچہ اُن لوگون نے یہ رقم عمروؓ کے حوالے کر دی۔

عمروؓ جب وہان سے واپس چلے تو راہب نے فقط اُن کے زاد راہ اور ناشتہ ہی کا کافی بندوبست نہین کر دیا۔ بلکہ حسب وعدہ اپنا ایک معتبر شخص ان کے ساتھ کر دیا۔ تاکہ اُنھین ان کے ساتھیون تک پہونچا آئے۔

غرض اس سفر مین عمروؓ بن عاص کو مصر کا راستہ اور وہان کا صحیح حال معلوم ہو گیا تھا اور جو کچھ اُنھون نے دیکھا اس سے ان کو یقین ہو گیا کہ مصر نہایت ہی متمول اور خوش حال ملک ہے اور اس کے ساتھ ہی لوگ بالکل عیش و عشرت مین مبتلا ہین جب عمروؓ اپنے ساتھیون مین پہونچے تو ایک ہزار دینار اپنے ساتھیون مین تقسیم کر دیے اور ایک ہزار اپنے قبضے مین رکھے۔ حضرت عمروؓ اکثر کہا کرتے تھے کہ یہ سب سے پہلا مال ہے جو خود مین نے حاصل کیا۔ پھر جب اللہ تعالی نے ان کو شرف اسلام سے سرفراز کیا اور شام کا اکثر حصہ اُنھین کی جد و جہد سے فتح ہو چکا تو اُنھین

مصر اور اسکندریہ کے فتح کرنے کا شوق ہوا۔ اور یہ خیال پیدا ہوا کہ اُس گنبد کے آئینہ مین آجانے کے نتیجے کو بھی دیکھ لین۔ اور اس کی تصدیق ایک حد تک آنحضرت (صلعم) کے اس ارشاد مبارک سے ہوگئی تھی کہ "عنقریب میرے بعد تم مصر کو فتح کروگے اور جب اُس کا وقت آئے تو قبطیون کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا کیونکہ ان سے تم سے سُسرالی قرابت ہے اور ان کے حقوق ہین"۔

اب حضرت عمرو رضہ نے حضرت عمر رضہ کو مصر کی فتح کا شوق دلایا اور حضرت فاروق رضہ نے ان کو چار ہزار آدمیون پر افسر مقرر کر کے روانہ کر دیا۔ بعض لوگ کہتے ہین کہ ساڑھے تین ہزار ہی فوج تھی جس کے آپ افسر تھے اور جب آپ روانہ ہونے لگے تو حضرت عمر رضہ نے فرمایا کہ اس وقت تو تم یہان سے روانہ ہو جاؤ مگر مین اس بارے مین خدا سے استخارہ کرتا ہون اور عنقریب راستے مین تم کو میرا خط ملے گا۔ اگر مصر مین پہونچنے یا سرحد مصر مین داخل ہونے سے پہلے ملے اور اس مین واپس ہونے کو لکھا ہو تو تم واپس چلے آنا۔ اور اگر میرے خط کے پہونچنے سے پہلے تم مصر کی سرحد مین داخل ہو چکے ہو تو پھر بڑھتے چلے جانا۔ اور اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دعا کرنا۔

چنانچہ حضرت عمرو بن عاص آدھی رات کو بغیر کسی کو خبر کیے فوج لے کر روانہ ہو گئے۔ ان کی روانگی کے بعد حضرت عمر رضہ نے استخارہ کیا تو انھین مسلمانون کے متعلق اندیشہ نظر آیا اور عمرو رضہ بن عاص کو لکھا کہ اپنی فوج لے کر واپس چلے آؤ۔ عمرو بن عاص فتح کے شوق مین جلد جلد کوچ کرتے چلے جاتے تھے کہ کہین حضرت عمر کا خط واپسی کے متعلق نہ آجائے۔ مصر کی سرحد پر شہر رفح مین تھے کہ حضرت عمر رضہ کا قاصد اُنھین آتا نظر آیا۔ اس خیال سے کہ مبادا واپسی کا حکم ہو اُنھون نے فوراً کوچ کر دیا۔ اور مصر کے علاقہ مین داخل ہو گئے۔ وہان قاصد آپ کے پاس آیا اور اس نے حضرت عمر رضہ کا خط آپ کو دیا۔ آپ نے وہ خط مسلمانون کو سنا کے کہا کہ آپ لوگ جانتے ہین کہ اب ہم مصر کے حدود مین داخل ہو چکے ہین۔ حضرت عمر رضہ نے آپ کے سامنے یہ فرمایا تھا کہ اگر میرا خط تمھین مصر کی سرحد مین داخل ہو جانے سے پہلے مل جائے تو میرے حکم کی تعمیل کرنا اور اگر اس وقت ملے کہ تم مصر کی سرحد مین داخل ہو چکے ہو تو پھر بڑھتے چلے جانا۔ اب یہ خط مجھے اس وقت ملا ہے کہ ہم سب مصر کی سرحد مین داخل ہو چکے ہین لہٰذا اب ہمین اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے آگے بڑھنا چاہیے۔

یہ کہہ کے حضرت عمروؓ بن عاص آگے بڑھے۔ اُن دنون مصر کا حاکم ایک قبطی سردار مقوقس تھا۔ جب اُسے عمرو بن عاص کی پیش قدمی کا حال معلوم ہوا تو اس نے مقابلے کے لیے اپنی فوجین روانہ کین۔ مصر مین سب سے پہلا مقام جہان مسلمانون اور رومیون مین مقابلہ ہوا فرما ہے۔ یہان تقریباً ایک مہینے تک سخت لڑائی ہوتی رہی آخر مسلمانون کو فتح ہوئی اور رومی شکست کھا کے بھاگے۔ اسکندریہ مین قبطیون کا ایک پادری آبو میامین نامی تھا۔ جب اُسے لشکر اسلام کے مصر مین پہونچنے کی خبر ہوئی تو اپنے پیرو قبطیون کو لکھا کہ اب رومیون کی حکومت باقی رہنے کے آثار نہین نظر آتے۔ اور اُن کی حکومت درہم و برہم ہو گئی ہے۔ لہذا تمھارے لیے مناسب یہ ہو کہ عمرو بن عاص سے مل جاؤ۔ اس پر بعض قبطی حضرت عمروؓ کے طرفدار ہو گئے۔ بعض قبطیون نے مسلمانون کی ایسی جرأت دیکھ کے آپس مین کہا کہ کس قدر تعجب کی بات ہو کہ یہ مٹھی بھر فوج اور رومیون کے اتنے بڑے لشکر کے مقابلے کا ارادہ! ایک قبطی نے یہ سن کر جواب دیا کہ یہ لوگ جدھر رُخ کرتے ہین غالب ہی ہوتے ہین۔

حضرت عمروؓ اب آگے بڑھے اور راستے کے معمولی چھوٹے چھوٹے مقابلون کے بعد بلبیس مین پہونچے یہان ایک مہینے سے زیادہ میدان جنگ و جدال گرم رہا اور آخر مین یہان بھی مسلمانون کو کامیابی ہوئی۔ مسلمان یہان سے آگے بڑھ کے مقام اُم دنین مین پہونچے۔ یہ نہایت مستحکم قلعہ تھا اور کسی طرح فتح نہین ہوتا تھا آخر عمروؓ نے حضرت عمرؓ کی خدمت مین کمک کے لیے لکھا چنانچہ وہان سے چار ہزار فوج روانہ ہوئی۔ جب یہ کمک مصر مین عمروؓ کے پاس پہونچ گئی تو اس ساری فوج کو لے کر اُنھون نے مستحکم قلعہ باب الیون پر حملہ کیا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ یہان روزانہ صبح شام لڑائی ہوتی۔ مگر کسی طرح قلعہ فتح نہ ہوتا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمروؓ نے پھر بارگاہ خلافت مین کمک کے لیے لکھا حضرت عمرؓ نے پھر چار ہزار آدمی روانہ کیے جن مین ہر ہزار پر ایک سردار تھا اور لکھا کہ مین چار ہزار آدمی اور بھیجتا ہون۔ مگر اس مین زبیر بن عوام مقداد بن اسود۔ عبادہ بن صامت۔ اور مسلمہ بن مخلد ایسے ہین کہ ان مین سے ہر ایک ایک ہزار فوج پر بھاری ہے۔ اب جان لو کہ تمھارے پاس سب ملا کے بارہ ہزار فوج ہوئی۔ اس پر بھی اگر تم مغلوب ہو تو قلت فوج کی وجہ سے نہ ہوگا۔

ادھر رومیون نے اپنے قلعے کے گرد خندقین کھودلی تھین اور خندقون مین اندر ہی اندر راستے رکھے تھے اور پھر ان سب کے آگے فولادی میخین گاڑ کے کھٹراسا

بنا لیا تھا۔ جب یہ کمک بھی پہونچ گئی تو حضرت عمروؓ بن عاص باب الیون کیطرف بڑھے اور اس کے سامنے منجنیقیں لگا دین۔ اس مقام کا قلعہ دار ایک لنگڑا شخص تھا۔ یہ ایک رومی سردار تھا مگر حاکم مصر مقوقس کے ماتحت تھا۔ عمروؓ بن عاص خود اپنے کو قاصد بن کر اس کے پاس گئے اور صورت حال پر گفتگو کی۔ پھر اُس سے کہا کہ اچھا مین جاتا ہون اپنے ساتھیون سے مشورہ کر آؤن تو قطعی جواب دون۔ قلعہ دار نے پھاٹک کے دربان کو حکم دے رکھا تھا کہ جب یہ شخص واپس جانے لگے تو ایک بڑا سا پتھر اس کے سر پر اوپر سے ڈھکیل دینا تاکہ یہ کچل کے رہ جائے۔ واپسی مین حضرت عمروؓ بن عاص کو ایک عرب ملا۔ اور بولا کہ آپ یہان چلے تو آئے ہین مگر اب زندہ واپس جاتے نہین نظر آتے۔ حضرت فوراً سمجھ گئے کہ کوئی سازش کی گئی ہے لہذا وہ اسی وقت قلعہ دار کے پاس واپس گئے اور کہا کہ اب میرا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے چند اور ساتھیون کو بھی تمہارے پاس لے آؤن تاکہ جو کچھ گفتگو مجھ سے ہوئی ہے اُن سے بھی ہو جائے۔ قلعہ دار نے یہ خیال کر کے کہ اچھا ہے اور لوگ بھی آجائینگے ایک دشمن کے قتل کرنے سے کئی ایک دشمنون کا قتل کرنا بہت اچھا ہے۔ لہذا ایک آدمی بھیج کر دربان کے پاس کہلا بھیجا کہ ابھی اس شخص کو صحیح و سالم نکل جانے دو۔ اور اس طرح حضرت عمرو بن عاص بخیریت واپس آگئے۔

فتح مین دیر ہوئی تو حضرت زبیرؓ بن عوام نے کہا کہ مین اپنی جان اللہ تعالیٰ کی نذر کرتا ہون اور امید ہے کہ خدا اسی بہانے مسلمانون کو فتح دے گا۔ یہ کہہ کر آپ نے قلعہ کے ایک سمت جدھر سوق حمام تھا سیڑھی لگائی اور لوگون سے کہا کہ جب مین اوپر پہونچ کے تکبیر کہون تو تم سب لوگ مل کر یکبارگی نعرۂ تکبیر بلند کر دینا۔ اس کے بعد وہ اوپر چڑھ گئے۔ اس کا حال بہت سے لوگون کو اس وقت معلوم ہوا جب حضرت زبیرؓ اوپر پہونچ چکے تھے۔ آپ نے وہان پہونچ کے تلوار ہلائی اور تکبیر کہی۔ اُن کی تکبیر سنتے ہی سب نے زور و شور کے ساتھ نعرۂ اللہ اکبر بلند کیا اور بہت سے لوگ سیڑھی کے پاس جمع ہو گئے اور اوپر چڑھنے لگے۔ حضرت عمروؓ بن عاص نے اس خیال سے کہ سیڑھی ٹوٹ نہ جائے لوگون کو سیڑھی کے پاس سے ہٹا لیا۔ مگر بعض لوگ اوپر چڑھ ہی گئے اور تکبیر کے نعرہ بلند کرنے لگے۔ اور ادھر باہر کے مسلمانون مین بھی تکبیر کا غلغلہ بلند ہوا تو قلعہ والون کو ذرا بھی شک نہ رہا کہ عرب قلعہ کے اندر گھس آئے ہین۔ اور وہ حیران و پریشان ہو کر چارون طرف بھاگنے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت زبیرؓ قلعہ کے

اندر اتر گئے قلعے کے دروازے کا رخ کیا اور دروازہ کھول لیا۔ اب کیا تھا سارا لشکر اسلام قلعہ کے اندر داخل ہو گیا۔ اب مقوقس کو اپنی جان کا خطرہ ہوا۔ فوراً حضرت عمروؓ کی خدمت مین آیا۔ صلح کی درخواست پیش کر دی کہ ہر قبطی اہل عرب کو دو دینار دے گا۔ حضرت عمروؓ نے یہ درخواست منظور کر لی اور صلح ہو گئی۔ کل محاصرہ اور فتح مین سات ماہ کا زمانہ صرف ہوا۔

لیکن ابن عبدالحکیم اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہین کہ مسلمان ایک ماہ تک باب الیون کا محاصرہ کیے رہے۔ اور قلعے مین رومیون کی ایک بڑی جماعت تھی اور قبطیون کے رؤسا اور عمائد بھی بڑی تعداد مین تھے اور ان سب کا افسر خود مقوقس تھا۔ جب اُس نے یہ دیکھا کہ مسلمان اس قلعہ کے فتح کرنے پر بُری طرح اڑے ہوے ہین تو جو فوج مسلمانون سے لڑ رہی تھی اس کو اُن کے مقابلہ پر چھوڑا اور قبطیون کے بڑے بڑے لوگون کو ساتھ لے کر قلعہ کے سامنے والے دروازے سے باہر نکل گیا۔ اور دریا کے پار جا کر اس خیال سے کہ کہین مسلمان بھی پُل کے ذریعہ سے نہ آ جائین پُل توڑوا دیا۔ اس کے بعد لنگڑا قلعہ دار باقی رہ گیا تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ مقوقس چل دیا اور قلعہ عنقریب ہاتھ سے جانیوالا ہے تو جو رؤسا اور عمائد شہر مین باقی رہ گئے تھے اُن کو بھی لے کر کشتیون مین سوار ہوا جو پہلے سے قلعے کی دیوار سے لگی کھڑی تھین۔ اور خود بھی اُس پار مقوقس کے پاس چلا گیا۔

اس کے بعد مقوقس نے حضرت عمروؓ بن عاص کے پاس پیام بھیجا کہ تم تھوڑے سے لوگ ہمارے شہرون مین گھس آئے ہو اور ہم سے لڑنا چاہتے ہو اور ایک مدت دراز سے ہمارے ملک مین پڑے ہوے ہو۔ مگر تم مٹھی بھر آدمی ہو۔ اب رومی لشکر آ پہونچا ہے جو تعداد اور اسلحہ مین تم سے بہت بڑھا ہوا ہے۔ علاوہ برین تم دریاے نیل مین گھرے ہوے ہو اور اصل یہ ہے کہ تم ہمارے ہاتھ مین قید ہو۔ اب تمھارے لیے مناسب یہ ہے کہ اپنے کچھ آدمی ہمارے پاس بھیجو تاکہ ہم مین اور تم مین تبادلۂ خیالات ہو اور کوئی ایسی صورت نکل آئے جس کو ہم بھی منظور کر سکین اور تم کو بھی پسند ہو۔ اور اس رومی لشکر کے پہونچنے سے

پہلے ہی تمھارے لشکر مین خونریزی موقوف ہو جائے۔ کیونکہ اس رومی لشکر کے یہان پہونچنے کے بعد پھر کوئی گفتگو فائدہ بخش نہ ہو سکے گی اور اس وقت اپنے مقصد مین کامیاب نہ ہونے سے شاید تم کو ندامت ہو۔ لہذا مناسب یہی ہو کہ کچھ لوگ بھیج دو جن سے اس معاملے مین گفتگو کی جاسکے۔

حضرت عمرو کے پاس جب مقوقس کے سفیر یہ خط لے کر آئے تو آپ نے اُن کو دو دن کے لیے اپنے پڑاؤ مین روک لیا۔ اور مقوقس کو یہ خیال ہوا کہ شاید قاصد قتل کر ڈالے گئے۔ وہ اپنے لوگون سے کہنے لگا دیکھتے ہو! یہ لوگ سفیرون کو بھی قتل کر ڈالتے یا قید کر لیتے ہین۔ شاید ان کے ملک اور مذہب مین یہ جائز ہے۔ حضرت عمرو بن عاص نے اُن قاصدون کو فقط اس لیے روک لیا تھا کہ وہ مسلمانون کو اور ان کی حالت کو اچھی طرح دیکھ لین۔ دو روز کے بعد آپ نے اُن سفیرون کو واپس کیا اور خط کے جواب مین لکھا کہ ہمارے تمھارے درمیان صرف تین صورتین ہین یا تو تم مسلمان ہو جاؤ۔ اُس وقت تم ہمارے بھائی ہو جاؤ گے اور جو کچھ ہمارے حقوق ہین وہی تمھارے لیے ہو جائین گے۔ اگر تم کو اس سے انکار ہے تو جزیہ دو اور اس ذلت کی صورت کو قبول کرو۔ اور یہ بھی نہین تو صبر و تحمل کے ساتھ ہم تم پر جہاد کرین گے یہان تک کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کے مطابق ہمارا اور تمھارا فیصلہ کر دے۔

یہ قاصد جب مقوقس کے پاس پہونچے تو اُس نے اُن سے پوچھا کہ تم نے مسلمانون کو کیسا پایا۔ اُنھون نے کہا کہ وہ ایک ایسی قوم ہے جس کو زندگی سے موت زیادہ پیاری ہے۔ اور تواضع شان و شوکت سے زیادہ عزیز ہے۔ ان کو دُنیا کی طرف ذرہ برابر بھی رغبت نہین۔ یہ لوگ خاک پر بیٹھتے اور سواریون کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے کھانا کھا لیتے ہین۔ ان کے سردار مین کوئی خاص امتیاز نہین۔ اُن کا امیر اُن ہی کا سا ایک شخص ہے۔ ان کے ہان اس کا مطلق پتہ نہین چل سکتا کہ کون بڑا ہے کون چھوٹا۔ کون آقا ہے اور کون غلام۔ نماز کا وقت آیا تو کوئی شخص ایسا نہین ہوتا جو ہاتھ پاؤن دھو کر تیار نہ ہو جاتا ہو۔

یہ سن کے مقوقس نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے ہمین پیدا کیا کہ ایسے لوگ اگر پہاڑ سے ٹکرائین گے تو اس کو بھی جگہ سے ہٹا دین گے۔ ان کا کوئی مقابلہ

نہین کرسکتا ہے۔ اگر تم لوگون نے اس وقت جبکہ وہ نیل مین محصور ہین ان کے شرائط صلح کو غنیمت نہ سمجھا تو جب ان کو راستہ مِل جائے گا تو پھر یہ لوگ ہماری کسی درخواست کو ہرگز قبول نہ کرین گے۔ اس کے بعد مقوقس نے اپنے چند آدمی حضرت عمرو بن عاص کے پاس بھیجے اور پیام دیا کہ اپنے چند آدمی بھیج دیجیے تاکہ شرائط صلح طے ہون۔

حضرت عمرو بن عاص نے اپنے یہان سے دس آدمی بھیجے جن مین حضرت عبادہ بن صامت بھی تھے حضرت عبادہ کا قد دس بالشت کا تھا۔ وہ مشہور بہادر ہن اور خوش بیان مقررون مین تھے۔ حضرت عمرو بن عاص نے فرما دیا تھا کہ آپ ہی وہان گفتگو کرین۔ اور ان تین شرطون کے علاوہ کچھ نہ منظور کرین کیونکہ حضرت عمرؓ نے مجھے ان تین شرائط کے علاوہ اور کسی شرط کے منظور کرنے کی اجازت نہین دی ہے۔

حضرت عبادہ بہت سیاہ فام بھی تھے۔ غرض یہ لوگ جب مقوقس کے پاس پہونچے تو حضرت عبادہ آگے بڑھے۔ مقوقس ان کی کالی رنگت دیکھ کے ڈر گیا۔ اور کہنے لگا "اس کالے آدمی کو میرے سامنے سے ہٹاؤ۔ کوئی اور شخص مجھ سے گفتگو کرے۔" اُن کے ساتھیون نے کہا "یہ کالا آدمی علم اور عقل مین ہم سب سے بڑھا ہوا ہے۔ یہی ہمارا سردار ہے۔ ہم سب سے افضل ہے اور ہمارا افسر ہے ہم سب اسی کی رائے پر چلتے ہین۔ اور ہمارے امیر نے اپنے احکام بھی اسی کو دیے ہین۔" تب مقوقس نے عبادہ سے کہا "خیر تم ہی آگے بڑھو۔ لیکن مجھ سے نرمی اور سہولت سے باتین کرنا کیونکہ مین تمھاری کالی رنگت سے ڈرتا ہون۔ تم نے باتون مین بھی سختی اور درشتی سے کام لیا تو مین اور زیادہ ڈر جاؤن گا۔"

حضرت عبادہؓ آگے بڑھے اور بولے "مین نے تمھاری باتین سُنین۔ لیکن یہ سن لو کہ جن لوگون کے پاس سے مین آیا ہون اُن مین ایک ہزار اور کالے آدمی موجود ہین جن کا رنگ مجھ سے زیادہ کالا اور مجھ زیادہ مہیب صورت کے ہین۔ اگر تم اُن کو دیکھو گے تو کیا حال ہوگا۔ مین باوجودیکہ بوڑھا ہوگیا ہون اور میرا شباب رخصت ہو چکا۔ لیکن الحمد للہ کہ مین تنہا سو دشمنون سے

بھی نہین ڈرتا۔ اور یہی حال میرے اور ساتھون کا ہی۔ اس کا باعث یہ ہی کہ ہمارا مقصد اصلی اور ہماری مرغوب ترین چیز خدا کی راہ مین جہاد کرنا اور اُس کی رضامندی حاصل کرنا ہی۔ ہم دشمنون سے کسی دنیوی خواہش یا محض غلبہ حاصل کرنے کے لیے نہین لڑتے ہین۔ ہم تو فقط اس لیے لڑتے ہین کہ خدا نے ہمین اس کام کا حکم دیا ہے اور لڑائی مین جو کچھ مال غنیمت ملے اُس کو خدا نے ہمارے لیے حلال کر دیا ہے۔ ہمین دنیوی تمول کی کوئی پروا نہین۔ ہمارے پاس لاکھون درہم ہون یا صرف ایک درہم ہو برابر ہے۔ کیونکہ ہمین دنیا مین زیادہ سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے وہ اتنی غذا ہے کہ بھوک رُک جائے اور فقط ایک چادر جس کو ہم اوڑھ سکین۔ لہذا ہم مین کسی کے پاس اگر اس کے سوا کچھ نہ ہو تو بھی اس کے لیے کافی ہے۔ اور اگر اس کے پاس لاکھون روپیہ ہون تو اُتنے ہی پر قناعت کر کے وہ ساری دولت کو خدا کی خوشنودی کے لیے خرچ کر ڈالے گا۔ ہمارے لیے دنیا کی نعمتین اور راحتین اصل مین کچھ وقعت نہین رکھتین۔ اصلی نعمت اور راحت آخرت کی ہے۔ اسی سبب سے ہمین خدا اور رسول نے حکم دیا ہے اور ہمارے رسول (صلعم) نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہمارے پاس مال دنیا سے اسی قدر ہو کہ بھوک کو روک سکین اور ستر کو چھپا سکین۔ ہماری ساری ہمت اور کل کوششین صرف خدا کی رضامندی حاصل کرنے اور اس کے دشمنون سے مقابلہ کرنے کے لیے ہون"

یہ تقریر سُن کے مقوقس نے ان لوگون کیطرف جو اس کے ارد گرد بیٹھے تھے مخاطب ہو کر کہا کہ اس شخص کی ایسی کوئی تقریر تم نے کبھی سنی ہی؟ مین تو اس کی صورت ہی سے ڈرا تھا مگر اس کی تقریر میرے نزدیک اس کی صورت سے بھی زیادہ خوفناک ہے۔ اور خدا نے اسکو اور اس کے ساتھیون کو ہمارے شہرون کو تباہ و برباد کرنے کے لیے بھیجا ہے"

اس کے بعد مقوقس حضرت عبادہ کیطرف متوجہ ہوا اور بولا کہ تم نے جو کچھ اپنے اور اپنے ساتھیون کے متعلق کہا مین نے سب سُن لیا۔ مین اپنی جان کی قسم کھا کے کہتا ہون کہ اس درجے کو تم فقط ان ہی وجوہ سے پہونچے ہو جن کو تم نے اپنی تقریر مین بیان کیا ہے۔ جن لوگون پر تم غالب آئے ہو وہ بھی محض اس

وجہ سے مغلوب ہوے کہ ان کو دنیا کی طرف رغبت اور اس سے محبت تھی۔ فی الحال تم سے مقابلہ کرنے کے لیے میرے پاس اس قدر رومی جمع ہو گئے ہین کہ اُن کا شمار نہین کیا جا سکتا۔ یہ لوگ شجاعت اور دلیری مین مشہور ہین اپنے دشمن اور مقابل کی ذرا بھی پروا نہین کرتے۔ مجھ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ تم اِن پر ہرگز غالب نہ آسکو گے۔ اپنے ضعف اور قلت تعداد کی وجہ سے تم کبھی اُن سے پیش نہین پاسکتے تم اس جگہ ایک مہینہ بھر سے پڑے ہوے ہو اور ہم دیکھ رہے ہین کہ سخت تنگی و تکلیف مین مبتلا ہو۔ تمھاری کمزوری اور تعداد کی کمی کی وجہ سے ہم تم پر رحم کرتے ہین اور بہت خوش ہون گے اگر اس شرط پر صلح ہو جائے کہ ہم تم مین سے ہر شخص کو دو دینار تمھارے سردار کو ایک سو دینار اور تمھارے خلیفہ کے لیے ایک ہزار دینار دیدین اور تم ان کو لے کر قبل اس کے کہ اس رومی جماعت کا سامنا ہو جس کے حملون کی تم ہرگز تاب نہ لاسکو گے اپنے گھر واپس چلے جاؤ۔"

یہ سُن کے حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اور تمھارے ساتھی دھوکے مین نہ رہین اور تم جو رومیون کی ٹڈی دل فوج کی دھمکی دے رہے ہو۔ اور اس خیال مین ہو کہ ہم اِس کا مقابلہ نہ کر سکین گے تو میرے سر کی قسم ایسا نہین ہے کہ ہم اس سے ڈر جائین یا ہمین اس سے شکست ہو جائے۔ یہ بات جو تم کہہ رہے ہو اگر در اصل صحیح ہے تو اس سے ہمارے دلون مین تم سے لڑنے کا اور شوق پیدا ہو گیا۔ کیونکہ جب ہم خدا کے سامنے جائین گے تو یہ امر ہمارے لیے ایک قوی عذر ہو گا اور یہان ہم کو دو برکتون مین سے ایک ضرور ملے گی۔ فتحیاب ہوے تو کثرت سے دنیوی مال غنیمت ہاتھ آئے گا۔ اور اگر تم غالب آئے یعنی ہم شہید ہوے تو ہمارے لیے دولت آخرت بڑھ جائے گی۔ اور یہ آخری صورت اُس وقت ہے جبکہ ہم اپنی پوری کوشش دکھا چکے ہون۔ اور یہی بہت زیادہ پسندیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم سے کہا ہے کہ بہت سے چھوٹے گروہ ہین جو خدا کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آئے ہین۔ اور خدا صبر کرنے والون کے ساتھ ہے۔ ہم مین کوئی شخص ایسا نہین ہے جو صبح و شام خدا سے اس کی دعا نہ کرتا ہو کہ شہادت نصیب ہو اور اس کو پھر اپنے گھر بار اور بال بچون مین نہ جانا پڑے۔ ہم مین سے کسی

شخص کا دل اُن لوگون مین نہین لگا ہے جن کو ہم گھر پہ چھوڑ آئے ہین۔ کیونکہ ہم سب نے اپنے گھروالون اور بال بچون کو خدا کے حوالے کردیا ہے۔ ہماری توجہ فقط موجودہ امور کی طرف ہے۔ اور تمھارا یہ کہنا کہ ہم تنگی مین ہین غلط ہے۔ ہم بڑے مزے مین ہین۔ اگر ہم کو ساری دنیا بھی مل جاتی تو ہم اس مین سے اپنے لیے فقط اسی قدر لیتے جس قدر اس وقت ہمارے پاس موجود ہے۔ غرض تمھارا جو کچھ ارادہ ہو بیان کرو۔ ہمارے تمھارے درمیان صرف تین صورتین ممکن ہین ان کے سوا اور کوئی بات ہم نہین منظور کرسکتے۔ تم اپنے دل مین کوئی برا خیال نہ کرو۔ اس لیے کہ ہمارے سردار نے ہم کو یہی حکم دیا ہے اور ہمارے امیرالمومنین کا بھی یہی ارشاد ہے۔ اور اسی کا ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہم سے عہد لے چکے ہین۔ وہ تینون صورتین یہ ہین کہ یا تو تم اسلام قبول کرو۔ یہی وہ دین ہے جس کے سوا کوئی دین خدا کے نزدیک مقبول نہین اور یہی خدا کے کل نبیون۔ رسولون اور فرشتون کا دین رہا ہے۔ جو شخص اس کی مخالفت اور اس سے اعراض کرے ہم کو اس سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہان تک کہ وہ اس دین مین داخل ہوجائے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اس کا نقصان ہمارا نقصان اور ہمارا مال اسکا مال ہوگا۔ اور وہ ہمارا دینی بھائی ہوجائے گا اگر تم اور تمھارے ساتھی اس دین کو قبول کرلین تو دنیا و آخرت مین سرخ رو ہون گے اور پھر ہم تم سے نہ لڑین گے۔ اس وقت تم کو تکلیف پہونچانا یا تم کو ذلیل کرنا ہم پر حرام ہوجائے گا۔ اور اگر تم جزیہ کے سوا کچھ نہین منظور کرتے تو ذلت کے ساتھ جزیہ دو۔ لیکن اس صورت مین تمھارا دوا عزازنہ ہوگا۔ لیکن ہم تمھارے ساتھ ہمیشہ ایسا برتاؤ کرین گے جس کو ہم بھی پسند کرتے ہون اور تم بھی اس سے راضی ہو۔ جو تم پہ حملہ کرے گا ہم اس سے لڑین گے۔ تمھارے ملک تمھاری جانون اور تمھارے مال کی ہم اس وقت تک حفاظت کرین گے جب تک تمھاری ذمہ داری ہمارے سر رہے گی اور ہم خدا کے نزدیک تمھارے ذمہ دار ہون گے۔ اس لیے کہ تمھارے متعلق خدا سے ہمارا عہد ہوگا۔ اور اگر تم کو اس سے بھی انکار ہے تو پھر تلوار ہمارا تمھارا فیصلہ کرے گی یہان تک کہ ہم سب کے سب مر جائین۔ یا جو کچھ ہم چاہتے ہین وہ حاصل ہوجائے۔ یہ ہمارا دین اور طریقہ ہے

جو خدا سے وابستہ ہے اور اس کے سوا ہم اپنے اور خدا کے فیما بین کوئی تعلق نہین رکھتے۔ لہذا اب تم خود ہی اپنے متعلق فیصلہ کر لو کہ کون سی صورت پسند ہے۔

مقوقس نے یہ تقریر سن کر کہا یہ تو اسوقت تک نہین ہو سکتا جب تک تم ہمکو ہمیشہ کے لیے اپنا غلام نہ بنا لو۔ حضرت عبادہ نے کہا یہ خیال ہی تو جو صورت چاہو اختیار کر لو۔ مقوقس نے کہا کیا ان تین صورتون کے علاوہ اور کوئی بات نہ سنی جائے گی؟ حضرت عبادہ نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ نہین۔ قسم ہے اس ذات باری کی جو آسمان کا رب ہے۔ اس زمین کا پروردگار اور تمام چیزون کا خالق ہے ان تین صورتون کے سوا اور کوئی صورت نہین ہو سکتی ہے۔ انھین تینون مین سے جس کو پسند کرو اختیار کر لو۔ یہ سُن کے مقوقس اپنے ساتھیون کی طرف متوجہ ہوا اور بولا گفتگو ختم ہو گئی۔ اب بتاؤ تم کیا کہتے ہو؟" ان لوگون نے کہا کیا کوئی شخص بھی اس ذلت کو گوارا کر سکتا ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ ہم ان کے دین مین داخل ہو جائین تو یہ ہرگز نہین ہو سکتا کہ مسیح بن مریم کو چھوڑ دین اور ایک ایسے دین کے پیرو ہو جائین جس کو ہم جانتے ہی نہین کہ کیسا ہے۔ ان کا یہ خیال کہ ہم کو قید کر لین اور ہمیشہ کے لیے ہمین اپنا غلام بنا لین اس سے تو موت بہتر ہے۔ ان لوگون سے جو کچھ دینے کو کہا گیا اگر اس کی دو نی رقم کر دین تو بھی ہم آسانی سے قبول کر لین گے مقوقس نے حضرت عبادہ سے کہا تم نے دیکھ لیا کہ ہماری قوم اس سے انکار کرتی ہے تو کہو اب تمھاری کیا رائے ہے؟ تم اپنے سردار کے پاس جا کر کہو کہ تم جو مانگو ہم اس کے دینے کو تیار ہین۔ لو اور واپس چلے جاؤ؟ یہ سُن کر حضرت عبادہ اور ان کے ساتھی اُٹھ کھڑے ہوے اور واپس چلے آئے۔

ان کے جانے کے بعد مقوقس نے اپنے ساتھیون سے کہا میرے خیال مین اُنھین تین صورتون مین سے ایک کو منظور کر لینا چاہیے۔ مین جانتا ہون کہ تم مین ان کے مقابلے کی طاقت نہین ہے آج خوشی خوشی اس بات کو منظور نہ کر و گے تو کل بجبر واکراہ یہی باتین منظور کرنی پڑین گی۔" لوگون نے پوچھا پھر کون سی صورت اختیار کی جائے؟" مقوقس بولا کہ "مین تم سے یہ نہین کہتا کہ ان کے دین مین داخل ہو جاؤ۔ رہا ان سے لڑنا تو مین اسکی بھی رائے نہ دونگا

کیونکہ مین جانتا ہون تم ان پر فتحیاب نہ ہو سکو گے اور نہ لڑائی مین تم سے ان کی سی جفاکشی ممکن ہے۔ ان دونون باتون کے سوا جو صورت ہو اسی کو اختیار کرنا پڑے گا۔ لوگون نے کہا تو کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ ہم ہمیشہ کے لیے ان کے غلام بن جائین۔ مقوقس نے کہا بیشک مگر ایسے غلام کہ اپنے گھرون اور اپنے ملک مین بادشاہ بنے رہو اور اپنی جانون۔ مالون۔ غلامون اور جائدادون کیطرف سے مطمئن ہو۔ یہ بات اس سے اچھی ہے کہ سارے کے سارے مر جاؤ یا ایسے غلام بنو کہ بازارون مین بیچے جاؤ اور تمھارے زن و فرزند ہمیشہ کے لیے غلام بناکر مختلف ملکون مین منتشر کر دیے جائین۔ یہ سن کر سب نے کہا کہ ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے۔ اور اس کے بعد مقوقس نے فسطاط اور جزیرہ کے درمیان کا پُل تڑوا دیا۔

محل مین رومیون اور قبطیون کی بہت بڑی جماعت موجود تھی۔ اتمام حجت کے بعد مسلمانون کو خیال ہوا کہ پہلے محل ہی پر حملہ کرنا چاہیے چنانچہ انھون نے قصر پر حملہ کر دیا۔ اور لڑائی مین مسلمان کامیاب رہے۔ رومیون اور قبطیون کے بہ کثرت لوگ قتل ہوے۔ جو قید ہو سکے قید کر لیے گئے باقی سب کشتیون مین بیٹھ کے جزیرے مین یعنی دریا کے اس پار چلے گئے۔

اب نیل کی طغیانی کا زمانہ آ گیا اور اس کے باعث مسلمان چارون طرف سے پانی مین گھر گئے۔ وہ نہ کہین جا سکتے تھے اور نہ کسی طرف کا رخ کر سکتے تھے۔ اس شکست کے بعد مقوقس نے اپنے ساتھیون سے کہا اسی انجام کو مین ڈرتا تھا اور یہی مین نے تم سے کہہ دیا تھا۔ دیکھو اب بھی موقع باقی ہے۔ خدا کی قسم اسوقت خوشی خوشی ان کا کہنا مان لو ورنہ اس سے بھی زیادہ سخت باتین مجبوری اور ناگواری کے ساتھ ماننا پڑین گی۔ خدا کے لیے ندامت اُٹھانے سے پہلے میرا کہنا مان لو۔ جزیہ دینے پر راضی ہو جاؤ اور اس طریقے سے تم ایک ایسی صلح حاصل کر لو جس کے وہ لوگ ہمیشہ پابند رہین گے۔ اس کے بعد مقوقس نے حضرت عمرو بن عاص کے پاس پیام بھیجا کہ میری شروع سے یہ خواہش تھی کہ آپ کی تینون شرطون مین سے ایک کو منظور کر لون لیکن جو رومی اور قبطی میرے یہان تھے انھون نے منظور نہ کرنے دیا۔ اور مین اُن کو مجبور نہین کر سکتا تھا۔ اب وہ میری نصیحت

کاربند ہونے کو کہتے ہین۔ اس لیے مجھ کو امان دیجیے۔ معاہدہ کی تکمیل کے لیے ہم آپ اور ہمارے آپ کے ساتھ کے کچھ لوگ ایک جگہ جمع ہون تاکہ کوئی مناسب صورت نکل آئے۔ اگر یہ مسئلہ طے پا گیا تو جنگ ختم ہو جائے گی۔ اور اگر آپ نے نامنظور کیا تو وہی ہونے لگے گا جو ہو رہا ہے۔

اس پیغام کے متعلق حضرت عمرو بن عاص نے اپنے ساتھیون سے راے لی۔ انھون نے مشورہ دیا کہ اب ہم کسی طرح ان لوگون سے صلح نہ کرین گے۔ اور نہ جزیہ منظور کرین گے۔ اللہ تعالی ہمین کامل فتح عنایت کرے گا۔ یہ قصر ہی نہین بلکہ سارا ملک مصر ہمارے قبضے مین آجائے گا اور مال غنیمت حاصل ہوگا۔ عمرو بن عاص نے کہا تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ حضرت امیر المومنین نے مجھ سے کیا عہد لیا ہے۔ اگر یہ لوگ اُن تین شرطون مین سے کوئی شرط منظور کرتے ہین تو تم کو صلح کر لینی چاہیے۔ پھر تم یہ بھی دیکھ رہے ہو کہ جن مقامات پر ہم حملہ کرنا چاہتے ہین ان کے اور ہمارے درمیان مین ایک دریا حائل ہے۔ لہذا ان سے عہد کر لو اور اس شرط پر صلح ہو جائے کہ مصر کا ہر امیر غریب بڑا چھوٹا قبطی جو بالغ ہو ہم کو دو دینار دے۔ مگر بوڑھے نابالغ اور عورتین اس سے مستثنیٰ رہین۔ مسلمانون کو وہ اپنے یہان رہنے کی جگہ دین۔ اور مسلمان خواہ ایک ہو یا بہت سے ہون جب یہان آئین تو اُن کی یہ لوگ تین دن تک مہمانداری کرین۔ اُن کی زمینین اور اُن کا مال اُنھین کے قبضے مین رہے۔ ہم کو اس سے زیادہ تعرض کا حق نہین ہے۔ یہ سب شرطین صرف قبطیون کے ساتھ تھین۔

اس معاہدہ کے بعد ان قبطیون کا جو جزیہ دینے کے قابل تھے شمار کیا گیا۔ اور اعلان کر دیا گیا کہ فلان فلان لوگون کو جزیہ دینا ہوگا۔ ان کے برادرانِ قوم نے قیتمین کھا کھا کے جزیہ ادا کرنے کا اقرار کیا۔ مصر مین جزیہ دینے کے قابل لوگ اُس وقت چھ لاکھ سے کچھ زائد تھے لہذا ان کا جزیہ بارہ لاکھ دینار سالانہ ہوا کرتا۔ بعض لوگ کہتے ہین کہ وہ غلہ جس کا ہر سال لیا جانا طے پایا تھا اُسکی مجموعی قیمت آٹھ لاکھ دینار تھی۔ مقوقس نے رومیون کو اختیار دیدیا تھا کہ اُن مین جو چاہے ان شرائط کو منظور کرے اور اس صورت مین اسکو بھی جزیہ ادا کرنا ضروری ہوگا اور جو چاہے اسکندریہ اور اسکے قرب وجوار کے مصری مقامات مین جا کے رہے اور وہ یہان سے چلا جائے۔

ابوبکر خطیب بغدادی

از جناب مولانا شرر مرحوم

ابوبکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت بغدادی مشہور مورخ بغداد، خدا غریق رحمت کرے عجیب و غریب فضل و کمال کے بزرگ تھے۔ ان کے تبحر کو زمانے ہی نے نہین تسلیم کر لیا بلکہ اس نے ہر شخص کو تسلیم کرا دیا کہ وہ حافظ حدیث تھے اور روایتون کے نقل کرنے اور وسعت نظر کے اعتبار سے وہ اپنے ہی عہد مین نہین ہر عہد کے لوگون کی نظر مین اعجوبۂ روزگار اور بیمثل و بے بدل شخص تھے۔ راویون کی جانچ پڑتال اور نقد رجال مین ان کا رتبہ اس پایہ پر ہے کہ متاخرین ہر امر مین اُن کے فیصلون پر اعتبار کرتے ہین ابن سمعانی نے اُن کی تعریف مین فرمایا ہے "وہ اپنے عہد مین یا متاخرین مین اس مرتبہ کے فاضل و علامہ تھے جس مرتبہ کو فقہاے قدیم اور ائمہ سلف نے حاصل کر لیا تھا۔ بہت بڑے صاحب خلق اور صاحب رعب تھے سچائی اور راست بازی مین اس آزادی سے کام لیتے تھے کہ اُنھون نے جو کچھ اپنی تصانیف مین تحریر فرمایا وہ علی الاتفاق سب کے لیے حجت ہو گیا۔ ایک محدث تھے کہ نیز باعتبار نقل روایات نیز بلحاظ خوبی خط۔ اور نیز بحیثیت قوت حافظہ اور یادداشت زمانہ مین نامور تھے۔ جو کچھ بیان کرتے تھے اس کو نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کرتے تھے۔ خدا نے خلق و مروت اور خوبصورتی و زیبائی صورت دونون باتون مین اُنھین کمال بخشا تھا۔ علم حدیث کا ان پر خاتمہ ہوا۔ اور حفاظ حدیث کا سلسلہ اُن پر منقطع ہو گیا۔

چوبیس ۲۴ جمادی الثانی سنہ ۳۹۲ھ مین جمعرات کے روز دار السلام بغداد

مین پیدا ہوے۔ اور اسی مبارک و مشہور شہر کے سواد مین نشو و نما پائی۔ جب کھیل کود کا ابتدائی زمانہ اور بچپن کی آزاد اور دلچسپ زندگی گذر گئی اور کچھ کچھ رشد و تمیز کے سن مین قدم رکھا تو مکتب مین آئے اور عام مسلمان لڑکون کیطرح سعادت دارین سمجھ کے قرآن مجید پڑھنے لگے۔ قرأت کے تمام اصول کے ساتھ کلام پاک الٰہی کو پڑھ کے نحو و صرف اور زبان عرب مین لیاقت حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوے۔ شیخ ابو اسحق ابراہیم بن عقیل قرشی جن کو عام پبلک نے "اکبر نحوی" کا خطاب دے رکھا تھا۔ اُن کے شاگردون مین شامل ہوے۔ نحو و صرف کے قاعدے ان سے حاصل کیے اور علم فقہ مین بصیرت پیدا کرنے کے لیے قاضی ابو الطیب طبری اور شیخ ابو الحسین محاملی اور دیگر فقہاے معروف کی خدمت مین حاضر ہو کے زانوے شاگردی تہ کیا۔ ۴۰۳ھ مین جب کہ ہنوز گیارہ ہی برس کی عمر تھی علم حدیث نے اُس نو عمر اور ہونہار بچے کو اپنی خوبیون کا فریفتہ کر لیا۔ علم حدیث ایک ایسا علم تھا جس پر تمام کمالات علم منحصر خیال کیے جاتے تھے۔ اور جمہور قدماے اسلام نے اپنی لیاقت کا اظہار اسی فن شریف مین معرکہ آرائیان کر کے کیا ہے۔ علم حدیث مین خطیب بغدادی کو اس کم سنی ہی کی عمر مین کچھ ایسی لذت حاصل ہوئی کہ وہ عہد جبکہ انسان کو سوا کھیل کود کے کچھ نہین سوجھتا۔ اُسکی ساری دلچسپیان اُنھین بھول گئین۔ کلام پاک رسول اللہ صلعم کے ذوق نے گیارہ بارہ برس ہی کی عمر مین خطیب بغدادی کو دنیا کی تمام لذتون اور راحتون کا مزہ بھلا دیا تھا کبھی شب و روز مین کوئی ایسی گھڑی نہ آتی تھی جب کو وہ نو عمر عاشق قول رسول سوا حدیث کے کسی اور کام مین صرف کرتا ہو۔ حتیٰ کہ کہتے ہین اگر کسی خانگی اور ضروری کام کے لیے اُنھین مجبوراً گھر سے نکلنا بھی پڑتا تھا تو کتب احادیث کا کوئی جزو ہاتھ مین لیتے جاتے تھے تاکہ راستہ مین اُسے یاد کرتے جائین۔ مشہور محدث ابن جوزی خطیب بغدادی کے حالات مین تحریر فرماتے ہین کہ اس ذوق و شوق کا یہ نتیجہ ہوا کہ خطیب ممدوح تمام علماے بغداد کے فیض افادت سے تھوڑے ہی دنون مین بے پروا ہو گئے اور اس مرکز و دار الخلافت بنو عباس کے علمی خزانون مین جو کچھ تھا سب حاصل کر لیا۔ آخر شوق علم اور اُسکی بے چینی نے بغداد چھڑا دیا۔ وطن

مالوف کا چھوٹنا تھا کہ یہ عالم ہو گیا جہان اور جس شہر مین کسی نامور عالم اور حافظ حدیث کا نام سنتے اُسکی صحبت سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے وہان روانہ ہوتے۔ مدت تک خاک بصرہ پر مقیم رہے اور ایک عرصہ تک سواد نیشاپور کی ہوا کھاتے رہے۔ کچھ دنون اصفہان مین قیام کیا حتیٰ کہ مختلف استادون اور شیوخ سے حاصل کر کے اپنی روایتون اور سندون کو نہایت ہی مضبوط کر لیا۔ جب اس امر مین اطمینان حاصل ہو لیا تو کشش وطن نے اُنھین کھینچ کے پھر بغداد پہونچایا۔ کچھ دنون وطن مین قیام رہا۔ اعزا و اقارب صحبت سے تھوڑا سا لطف اُٹھانے پائے تھے اور یار و آشنا کو ان کی دوستی سے زیادہ نفع حاصل کرنے کا موقع نہ ملا تھا کہ شوق علم کا جوش پھر دماغ مین پیدا ہوا۔ اور سفر کی تیاریان کر دین وہ ممالک جو بغداد سے مشرق کی جانب واقع ہین اُن کی آب و ہوا کا تو پہلے سفر مین امتحان کیا تھا اس مرتبہ جو وطن سے قدم نکالا تو مغرب کی طرف روانہ ہوے۔ اطراف شام کو بھی دنیاے علم مین بہت کچھ شہرت حاصل تھی۔ عراق سے نکل کے پہلا ملک شام ہی جو وہان سے مغرب جانب واقع ہے۔ لہذا خطیب بغدادی سرزمین شام مین پہونچے کچھ دنون دمشق مین رہے کچھ دنون شہر صور کے لوگون سے لطف صحبت اٹھایا۔

عمر نسوی کہتے ہین جن دنون خطیب بغدادی شہر صور مین تھے اتفاقاً وہان کی جامع مسجد مین ایک روز مجھ سے اُن سے ملاقات ہوئی۔ مین اُن کی صحبت مین بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے مین ایک علوی شخص آیا۔ اُسکی آستین* مین کچھ دینار تھے جن کو لا کے اُس نے خطیب ممدوح کے سامنے رکھ دیا اور عرض کرنے لگا کہ "شہر کے فلان رئیس نے یہ دینار بطور نذر آپ کی خدمت مین بھیجے ہین۔ اور عرض کیا ہے کہ ان کو آپ اپنے حوائج ضروریہ مین صرف کیجیے۔" ابو بکر خطیب نے لاپروائی سے جواب دیا "مجھے ان کی کچھ ضرورت نہین۔" اُس علوی نے یہ جواب سُن کے کہا "شاید آپ ان دینارون کو تھوڑا خیال کر کے نہین قبول فرماتے۔ بہتر تو لیجیے اور بھی حاضر ہین۔" یہ کہہ کے اُس نے آستین جو جھاڑی تو چھنا چھن بہت سے دینار گر پڑے اور اس جانماز پر پھیل گئے جو خطیب صاحب کے نیچے بچھی ہوئی تھی۔ اور اُن دینارون کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا "لیجیے یہ تین سو دینار ہین

---

* ہمارے یہان جو کام جیب سے لیا جاتا ہی اُن ممالک مین آستین سے لیا جاتا ہی۔ ہمیشہ اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ آستین عرب۔ بادیہ شام و عراق وغیرہ کی جیب ہے۔

اُن کو قبول فرما کے اپنے امور ضروریہ مین صرف کیجیے"! اتنا سننا تھا کہ ابوبکر خطیب کو غصہ آگیا جھلا کے اُٹھ کھڑے ہوے۔ اپنی جانماز اُٹھا کے جھاڑ دی وہ تمام دینار مسجد کی چٹائی پر ادھر اُدھر بکھر گئے۔ اور خود مسجد سے نکل کے اپنے فرودگاہ کا راستہ لیا۔ وہ علوی ذلیل ہو کے رہ گیا۔ لسوی کہتے ہین کہ مین نے اپنی زندگی مین نہ کسی کو اتنا برہم اور مستغنی دیکھا۔ جس قدر کہ اس وقت مجھے خطیب بغدادی نظر آئے۔ اور نہ مین نے کسی کو اتنا نادم اور ذلیل دیکھا جس قدر کہ اس وقت وہ علوی تھا۔ اس بیچارے نے آخر بچھتا کے وہ دینار چٹائی کے تنگا فون سے نکالے اور اپنے دل مین خود اپنے اوپر نفرین کرتا ہوا چلا گیا۔

جس زمانے مین ابوبکر کا صور مین قیام تھا بیت المقدس کی زیارت کے لیے اکثر چلے جایا کرتے تھے۔ اور وہان عبادت الٰہی اور وظائف مسنونہ مین زیادہ سرگرمی دکھاتے تھے۔ اُنھین دنون اتفاق سے اُس قافلہ کا صور مین ہو کے گذر ہوا جو سرزمین شام سے حاجیون کو مکہ معظمہ لیے جاتا تھا۔ علامہ ممدوح کا ایسا پرجوش دیندار اور آزاد منش شخص کیونکر اُس مقدس و مبارک قافلہ کا ساتھ چھوڑ سکتا تھا۔ اُن کے دل مین بھی زیارت بیت اللہ کا شوق ہوا اُس قافلہ کے ہمراہ عازم زیارت بیت اللہ شریف ہوے۔ وہین سے احرام حج باندھا۔ اور شرف حج سے ممتاز ہوے۔ مناسک حج سے فراغت کرنے کے بعد ایک روز اتفاقاً چاہ زمزم پر گذر ہوا۔ اُس کی صورت دیکھتے ہی یاد آیا کہ جناب رسول اللہ صلعم نے اس کے پانی کی نسبت فرمایا ہے "ماءُ زمزمِ لما شرب لہ"۔ یعنی زمزم کا پانی جس غرض کے لیے انسان پیے اللہ جل شانہ اُس غرض کو پورا کر دے گا۔ پیغمبر صلعم کے اس وعدۂ برحق کا یاد آنا تھا کہ دل کی ساری آرزوئین اور تمنائین یک بیک اُبھر پڑین۔ یہی مقام اُس راست باز اور دیندار عالم کی نفسانی حالتون کے اندازہ کرنے کا ہے۔ اگر اس مقام پر اور کوئی شخص ہوتا تو اس کی خواہش ہمارے عام خیال کی بنا پر یا تو دولت مندی سے متعلق ہوتی یا کسی حور وش کے وصال کی تمنا ہوتی اور خاص حالتون مین بھی کسی نہ کسی دنیادی ہی امر کی آرزو کرتا۔ لیکن ابوبکر بغدادی نے اس موقع پر کھڑے ہو کے مین چلو آب زمزم

کے پیے اور ہر حلوپی کے ایک دعا کی۔ اول یہ کہ مین ایک نہایت ہی مکمل درسلسل البنوت تاریخ بغداد لکھ سکون۔ دوسری مین بغداد کی سب سے اعلیٰ درجہ کی اور مشہور جامع مسجد جامع منصور مین احادیث وروایت کا درس دون تیسرے میرے مرنے کے بعد مجھے دفن ہونیکے لیے مقبرہ بشر حافی مین جگہ ملے۔ خدا اپنے پاک بندون کی دعا قبول ہی کرتا ہے۔ چنانچہ خطیب بغدادی کی یہ تینون دعائین قبول ہوئین جس زمانے مین ابوبکر بغدادی بیت اللہ شریف کی زیارت کو تشریف لے گئے تھے اُسی زمانے مین مشہور زمانہ محدث ابو عبداللہ محمد بن سلام جن کی طرف ساری دنیا کا مرجع تھا وہ بھی بغرض حج بیت اللہ مین تشریف لائے! ابوبکر بغدادی کو یہ موقع غنیمت معلوم ہوا۔ اُن کے سامنے ادب سے جا کے بیٹھے اور شاگردی کی درخواست کی۔ اُنھون نے قبول کیا اور بہت سی روایات احادیث اُن کو سنائین اور اجازت دی۔

تعلیم نسوان اُس عہد مین ترقی پر تھی۔ اور جس طرح مردون مین اساتذہ فن اور اہل کمال موجود تھے اسی طرح بڑی بڑی باکمال عورتین بھی موجود تھین چنانچہ کریمہ بنت احمد بن ابی حاتم اُس عصر کی مشہور محدثہ اور مدرسہ تھین۔ اور اس کمال کی محدثہ کہ خطیب بغدادی کے ایسے منتہی اور اعلیٰ درجہ کے طالب علم کو اُن سے درس لینے کا شوق ہوا۔ کریمہ ممدوحہ نے بھی تمام دنیاوی تعلقات چھوڑ کے مجاورت حرم محترم اختیار کرلی تھی اور جن دنون خطیب بغدادی مکہ معظمہ مین تھے اُنھین دنون وہ بھی وہان موجود تھین ابوبکر بغدادی ان کی خدمت مین حاضر ہوے اور صحیح محمد بن اسماعیل بخاری علیہ الرحمۃ جو صحیح بخاری کے نام سے مشہور ہے اُسکو اول سے آخر تک کریمہ کی خدمت مین پڑھ کے سند حاصل کی۔

اس تکمیل کے بعد ابوبکر بغدادی نے مکہ معظمہ سے سفر کرکے وطن مالوف دارالسلام بغداد کی راہ لی۔ اب جو بغداد مین پہونچے تو اُن کے تبحر اور وسعت کا یہ عالم تھا کہ جمہور محدثین مین سے کوئی شخص اُن کی برابری کا دعوی نہین کر سکتا تھا۔ ابن ماکولا جو خود بھی بہت بڑا مستند ومعروف محدث ہے کہتا ہے "دارالسلام بغداد کو دارقطنی کے بعد پھر خطیب بغدادی کا ایسا کوئی محدث نہین نصیب ہوا" ابن ماکولا ہی پر کیا منحصر ہے تمامی علمائے اسلام جو بعد گزرے سب خطیب بغدادی کی مدح سرائی مین انتہا سے زیادہ زور قلم دکھا رہے ہین۔

ابوبکر بغدادی اس دفعہ جو اپنے وطن مالوف دارالسلام بغداد مین آئے تو

خوب جم کے رہے اور بیشک اُنھین اپنے وطن سے بڑی محبت تھی۔ اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ اُسکی ایک مکمل تاریخ لکھنے کے لیے اُنھون نے ماءِ زمزم پی کے حضرت رب العزت سے دعا کی تھی۔ اسکے علاوہ اس مرتبہ اہل بغداد نے انھین گذشتہ ایام کی طرح ایک طالبعلم نہین پایا بلکہ اب وہ ایک علامۂ زمان اور محدث دوران تھے۔ بغداد مین ابو بکر کو جو اطمینان کے ساتھ رہنے کا موقع ملا تو اُنھون نے تاریخ بغداد لکھنا شروع کر دی! اسلامی تواریخ مین یہ کتاب نادر بے مثل اور نہایت ہی مستند و معتمد ہے۔ اس تاریخ مین ابتدائے اسلام سے اس عہد تک جبکہ خطیب ممدوح نے اپنی کتاب لکھی تمام حالات بغداد و اطراف بغداد درج ہین۔ کل علما مشاہیر اہل دول اور دیگر اقسام کے باکمال لوگون کے حالات نہایت تفصیل سے لکھے ہین! احادیث کے سلسلہ مین جن رجال کے نام آئے ہین اُن کا بھی بخوبی پتہ لگایا ہے۔ فقہا اور محدثین مین سے ہر ایک کے نام و نسب کو خوب واضح طور پر بتایا ہے۔ پھر اُن لوگون کے حالات سے بحث کی ہے جو دیگر اطراف عالم سے آکے بغداد مین سکونت پذیر ہو گئے! اُن کی زندگی کے واقعات کو بھی خوب عمدگی سے بتایا ہے۔ ان لوگون کی تصنیفات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ یہ تاریخ دس جلدون مین ہے اس تاریخ کو اُنھون نے اپنی زندگی ہی مین پھیلا دیا تھا۔ اور اپنے عہد کے مشہور ائمہ فن کو دکھا کے ثابت کر دیا ہے کہ گویا تمام پبلک نے اُس کتاب پر اعتبار کر لیا۔ اور واقعی تاریخ خطیب بغدادی ایسی مقبول ہوئی کہ اسلامی عہد کے تصنیفات مین سے بہت کم کتابون کو وہ مقبولیت عامہ نصیب ہوئی ہو گی۔ ابوسعید سمعانی اور محب الدین ابن نجار وغیرہ کے ایسے مشہور زمانہ علمائے اسلام نے اس تاریخ پر اضافہ کر کے ضمیمہ اور ذیل بڑھائے۔

یاقوت حموی کا بیان ہے کہ اتفاقاً خطیب بغدادی کو چند اوراق ہاتھ لگے جن مین وہ روایات لکھی ہوئی تھین جو خلیفۂ وقت قائم بامر اللہ عباسی کو دیگر اساتذہ سے پہونچی تھین۔ اُن اوراق کو ہاتھ مین لیکے خطیب ممدوح دار الخلافت کے دروازے پر گئے اور خلیفہ کی خدمت مین کہلا بھیجا کہ "ابو بکر آستان دولت پر حاضر ہے اور علم حدیث کو حضور سے حاصل کرنا چاہتا ہے"۔ حجاب نے جب خلیفہ کی خدمت مین یہ پیغام عرض کیا تو خلیفہ نہایت ہی متحیر ہوا اور خطیب صاحب کی خدمت مین کہلا بھیجا کہ "آپ آج تمام عراق و شام بلکہ ساری دنیا اسلام مین باعتبار نقل روایات و تبحر علمی کے مشہور ہی نہین بے مثل مانے جاتے ہین۔ مجھ سے آپ کی کوئی ایسی غرض نہین متعلق ہو سکتی۔ آپ کا جو کام ہو اُسکو صحیح صحیح بلا تامل ارشاد

فرمائیے؟" یہ سن کے ابوبکر بغدادی نے کہا "ہان اس تمہید سے میری اور غرض تھی حضور کو معلوم ہے کہ مین نے اپنی ساری عمر علم حدیث کے پڑھنے پڑھانے مین صرف کی ہے۔ اور اسی کے متعلق مین نے مشہور اور مستند استادون سے سُن سُن کے مین نے بہت سے فوائد اور نکات اپنے ذہن کے خزانہ مین فراہم کر رکھے ہین۔ اب اُن کے رواج دینے اور پھیلانے کی ضرورت ہے۔ مین امیرالمومنین سے صرف اس قدر چاہتا ہون کہ مجھے جامع منصور مین حدیث کا درس دینے کی اجازت دیجائے۔ تاکہ وہان ایک نہایت ہی عمدہ علمی محفل مرتب کر کے مین قول رسول کو اس کے سچے مستحقون تک پہونچاؤن۔ ابوبکر کی اس درخواست کو خلیفہ قائم بامراللہ نے قبول کیا اور اُنھون نے جامع منصور مین ایک اتنی بڑی محفل علمی مرتب کی جس کی شہرت دور دور تھی اور جس کو زمانہ اور شائقان علم ہمیشہ یاد کرتے رہین گے ابوبکر بغدادی کی دو دعائین تو پوری ہو چکین۔ تیسری دعا باقی ہے اگرچہ اُن کا کوئی دوست اس دعا کی مقبولیت سے ڈرتا ہوگا مگر خدا اپنے اس مقبول بندے کی دعا کو قبول کرے گا۔

بغداد مین ابوبکر کو اس قدر شہرت ہوئی کہ آخر مین وہ خطیب بغداد مقرر ہوے۔ جو اُن دنون ایک بہت بڑا علمی عہدہ تھا۔ اس منصب پر ممتاز ہونے کی یہ وجہ تھی کہ اُن سے اور وزیر رئیس الرؤسا علی بن حسین بن محمد سے نہایت دوستی تھی۔ وہ ان کی بہت زیادہ عزت و منزلت کرتا تھا۔ جو اعتماد وزیر مذکور کو اس نامور استاد اکمل اور مسند الوقت عالم کے ساتھ تھا اُس کا آخر مین یہ نتیجہ ہوا کہ وزیر نے عام طور پر حکم دیدیا کہ کوئی قصہ خوان اور کوئی واعظ کسی روایت و واقعہ کو نہ بیان کرے جب تک اُسکو علامہ ابوبکر بغدادی کے سامنے پیش کر کے سند نہ لے لے۔ اتفاقاً اسی عہد مین ایک یہودی صاحب پیدا ہوے جنھون نے ایک کاغذ وزیر مذکور کے سامنے لا کے پیش کیا۔ اسکی عبارت سے معلوم ہوتا تھا کہ خاص رسول اللہ صلعم کے زمانہ کا وہ کاغذ لکھا گیا۔ اس مین لکھا تھا کہ آنحضرت علیہ السلام نے خیبر کے یہودیون کو جزیہ معاف کر دیا اور اس پر بہت سے جلیل القدر صحابہ کے دستخط تھے۔ اُس یہودی کا دعویٰ تھا کہ یہ ایک عہدنامہ ہے جو رسول اللہ صلعم نے یہود خیبر کے ساتھ کیا تھا۔ اور جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس دعوے نے تمام علماے بغداد مین ایک تشویش پیدا کر دی۔ اس لیے کہ سلطنت اسلامیہ کا بہت بڑا اثر پڑتا ہے اور یہود سے جزیہ اور محاصل معاف ہوے جاتے ہین۔ اور اس وقت تک تمام اسلامی دنیا کیا باعتبار سلطنت اور کیا باعتبار رعایا اسلام کی

مطیع و منقاد تھی۔ الغرض رئیس الرؤسا نے گھبرا کے خطیب بغدادی کو لکھا۔ یہ ایک ایسا خیال تھا جس کی وجہ سے تمام دنیاے اسلام کو ایک حرکت ہو گئی تھی اور اگر خطیب بغدادی غور کر کے اُسکی اصلاح نہ کرتے تو کوئی شک نہین کہ شرع اسلامی مین ایک بہت بڑا رخنہ پڑ جاتا۔

وہ کاغذ جب خطیب بغدادی کے پاس پہونچا تو انھون نے کسی قدر غور کر کے فرمایا، "رئیس الرؤسا کا اقبال روز افزون ہو۔ اور یہ کاغذ جعلی ہے۔ اور یہ یہودی بے ایمان اور دغا باز ہے۔ اس نے حضرت رسول صلعم اور یاران رسول پر تہمت باندھی ہے۔ وہی صحابہ جن کی شہادت اس کاغذ پر لکھی ہے ان مین سے دو کے مقدس نام کاغذ کے جعلی ہونے کا ثبوت دے رہے ہین۔ اول تو معاویہؓ بن ابی سفیان کی شہادت لکھی ہے لیکن خیال کرنے کی بات ہے کہ غزوۂ خیبر ۷ھ مین ہوا ہے۔ حالانکہ اُس وقت تک معاویہ کا شمار مشرکین مین تھا۔ اور ۸ھ مین جبکہ مکہ فتح ہوا اُس وقت ایمان لائے۔ دوسری شہادت سعد بن معاذ کی ہے جنھون نے غزوۂ خندق کے زمانے مین یعنی ۵ھ مین انتقال فرمایا۔ پھر وہ غزوۂ خیبر کے وقت جو ۷ھ مین ہوا کیونکر موجود ہو گئے۔ ان دو باتون سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کاغذ جعلی ہے اور بنایا ہوا ہے"۔

یہ تقریر سُن کے وزیر کو نہایت ہی مسرت ہوئی۔ اور بے اختیار چلا کے کہہ اُٹھا "اے ابوبکر تم پر ہزار آفرین کہ مجھے اس جعلساز دغا باز کے فریب سے بچا لیا۔ اس کے بعد سے وزیر رئیس الرؤسا کو ابوبکر خطیب کی نسبت حسن اعتقاد بڑھتا ہی گیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ روز بروز دونون مین ربط و ضبط اور انس و محبت کو بھی ترقی ہوتی گئی۔ ایک ایسے بااختیار رئیس کے معتقد ہو جانے کی وجہ سے ان کی مرجعیت بھی زیادہ ہونے لگی۔ اور ان کا مرتبہ بھی عام پبلک کے نظر مین بہت باوقعت ہو گیا۔ اور آخر اسی نے اُن کے نام خطابت بغداد کا فرمان جاری کیا۔ اور خطابت خطیب جو ان کے نام کے ساتھ قیامت تک چلا جائے گا اس کی بنا دی وزیر رئیس الرؤسا تھا

ابوبکر بغدادی نے چونکہ علم کو بڑے مصائب اور بے انتہا مشقتون کے ساتھ حاصل کیا تھا۔ لہذا اُن کے دل مین علم اور طالبان علم کی بڑی قدر تھی۔ مشہور ہے کہ اُن کو اپنے تلامذہ اور عموماً طلبا کے بسر اوقات کا نہایت خیال رہا کرتا تھا اور کوئی شائد امراے شہر سے سفارش کر دیتا ہو مگر وہ اپنی جیب خاص سے طالبعلمو

کی خبر گیری کرتے رہتے تھے۔ مگر یہ تمام باتین نہایت مخفی طور پر عمل مین آتی تھین۔

ابو زکریا ے تبریزی جو مشہور لغوی ہی اُس کا بیان ہی کہ جن دنون خطیب بغدادی کے تبحر اور کمالات کا شہرہ تمام اطراف عالم مین پھیلا ہوا تھا مین دار السلام بغداد مین بطور طالبعلمی کے داخل ہوا۔ اور اُن کی درسگاہ مین گیا۔ چونکہ جیسے اُستاد کو مین ڈھونڈھتا تھا خطیب ممدوح مجھے ویسے ہی بلکہ اس سے بدرجہا بڑھ کے نظر آئے۔ لہذا مین نے اُن کا دامن اس مضبوطی سے پکڑا کہ ہزار جور زمانہ ہوے مگر نہ چھوٹا۔ روز اُن کی خدمت مین حاضر ہوتا تھا اور اُن کی تعلیم و تقریر سے فائدہ حاصل کرتا تھا۔ اس زمانے مین مین جامع بغداد کے مینار کے نیچے ایک حجرہ مین رہا کرتا تھا۔ ایک دن اُسی حجرہ مین بیٹھا مطالعہ دیکھ رہا تھا کہ کیا دیکھتا ہون کہ جناب استاد حضرت خطیب تشریف لاتے ہین۔ کھڑے ہو کے مین نے تعظیم کی اور نہایت عزت سے بٹھایا۔ فرمانے لگے "مین تم سے ملنے کا نہایت مشتاق تھا۔ ہمیشہ آنے کا ارادہ کرتا تھا مگر گردش زمانہ سے مہلت نہ ملتی تھی" اس کے بعد ادھر اُدھر کی باتین ہوتی رہین۔ آخر فرمانے لگے "بھائیون اور دوستون کی خدمت مین ہدیہ اور تحفہ لیجانا تعلیمات اسلامیہ مین نہایت ہی عمدہ کام ہی۔ اور اس امر مین بہت سی احادیث اور خبرین مروی ہین۔ صرف اُن حدیثون کی تعمیل کرنے کے لیے مین کچھ تھوڑی سی رقم آپ کو ہدیۃً و تحفۃً دینے کے لیے لیتا آیا ہون تاکہ آپ اُسے اپنے مصارف قلم و دوات وغیرہ مین صرف کرین" یہ کہہ کے کاغذ کی ایک بہت بڑی پڑیا میرے سامنے رکھ دی اور اُٹھ کے چلے گئے۔ اُن کے جانے کے بعد مین نے کھول کے دیکھا تو اس کاغذ مین پانسو درہم لپٹے ہوے تھے۔ اسی طرح ابو زکریائے لغوی کہتے ہین کہ پھر ایک مرتبہ اور مین اپنے حجرہ مین تھا کہ خطیب ممدوح تشریف لائے اور ایک کاغذ لپٹا ہوا رکھ کے فرمانے لگے "اس رقم کو [illegible] تبدیل کرو۔ احادیث رسول اللہ لکھنے کے لیے تم کو کاغذ کی ضرورت خواہ مخواہ ہوگی۔ اسی رقم سے کاغذ منگوانا"

ابو بکر بغدادی کی خطابت اور شہرت و ناموری کے عہد مین بغداد ایک بہت بڑے فتنہ و فساد کا مرکز بنگیا تھا۔ ایک اسلامی شہر مین جہان کسی غیر مذہب کی حکومت کا کسی قسم کا اثر نہین پہونچ سکتا تھا وہان سوا سُنّی اور شیعہ کے تنازعات کے اور کون فساد ہو سکتا ہی؟ ہم اس ہنگامۂ روح فرسا کے مختصر حالات بھی نقل کیے دیتے ہین تاکہ

ہمارے شہر کے سُنّی اور شیعہ اُس ہنگامہ کو دیکھ کے عبرت پکڑیں۔ ایران کے تاجرون مین سے کسی سوداگر کے پاس ایک ہوشیار اور لائق غلام تھا "ابو الحارث ارسلان بساسیری" اس سوداگر سے اُس غلام کو بہاءالدولہ ابن عضد الدولہ دیلمی نے خرید کر لیا۔ چونکہ ذکی ہوشیار۔ چالاک اور خوش سلیقہ تھا لہذا شاہی مہربانی اُس کی نسبت روز بروز بڑھتی گئی۔ ہوتے ہوتے اتنا بڑا شخص ہوگیا کہ تمام امور ملکی اور کل پولٹیکل معاملات مین سے کوئی امر بے اس کے مشورے کے اجرا نہ پاتا تھا۔ آخرالامر وہ بغداد کا ایک بہت بڑا رکن اور صاحب اثر شخص ہوگیا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایک غلام کو بہت بڑی ترقی ہو جائے گی تو وہ خواہ مخواہ جامۂ انسانیت سے گذر جائے گا۔ اس مرتبہ پر پہونچ جانے کا یہ نتیجہ ہوا کہ القائم بامراللہ خلیفۂ عباسی کے نامور وزیر رئیس الرؤسا سے حسد کرنے لگا۔ اور اُن کی خرابی کے درپے ہوگیا۔ رئیس الرؤسا نے اُسے دبانا چاہا تو وہ اور اُبھرتا گیا حتیٰ کہ خود خلیفہ کی اطاعت چھوڑ کے بغاوت پر آمادہ ہوگیا۔ اور بغداد چھوڑ کے علاقہ سواد کی راہ لی۔ اور اہل بغی کی طرح اطراف و جوانب مین فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے لگا۔ بہت سے گاؤن مین آگ لگا دی اور اکثر مقامات تباہ و برباد کر دیے۔ خلیفہ نے یہ بھی چاہا کہ وہ راضی ہو کے بغداد مین چلا آئے اور ان ہتھکنڈون سے دست بردار ہو۔ مگر اُس نے ایک نہ مانی۔ بلکہ اپنے پاس بہت سی فوجین مرتب کر لین۔ اور قزاقی سے بلک گیری کی حیثیت مین آگیا۔ اور اب یہان تک نوبت پہونچی کہ بلاد عراق کے اکثر ممبرون پر خطبہ مین خلیفہ کے نام کے بعد اس کا نام پڑھا جانے لگا۔ خلافت کی فوج اس فتنہ کے فرو کرنے کے لیے کافی نہ معلوم ہوئی اور یہ بھی یقین تھا کہ عربون سے اس امر مین کچھ مدد نہ مل سکے گی لہذا خلیفہ نے چاہا کہ سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے ذریعہ سے اس فتنہ کو دفع کرائے۔ دارالخلافت بغداد کے فرمان کے بموجب سلطان طغرل بیگ بغداد مین آپہونچا۔ طغرل بیگ کا نام سنتے ہی بساسیری کے دل مین لرزہ پڑ گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ مین ایسے قوی سلطان کا مقابلہ ہرگز نہین کر سکتا! اب اُس نے اور منصوبہ ٹھہرایا۔ وہ یہ کہ مصر مین خلفاے بنی فاطمہ کا دور دورہ ہے ان کی قوت بھی ترقی پر ہے اور وہ بنی عباس کے پورے حریف ہین اُن سے اس امر مین اعانت لیجائے۔ لہذا عراق سے مصر مین گیا۔ اور رحبہ مین ٹھہر کے ایک عرضداشت خلیفہ المستنصر باللہ عبیدی کی خدمت مین روانہ کی۔ مستنصر باللہ اُسکی

عرضداشت دیکھ کے نہایت خوش ہوا۔ اُسکے نام رحبہ کی گورنری اور اپنی نیابت کا ایک فرمان بھیجکر بنو عباس سے مقابلہ کرنے کی تاکید کی۔ اور خلافت بغداد کے تباہ کرنے پہ اُسکو بہت کچھ آمادہ کیا۔ اور مدد کا وعدہ کیا۔

ادھر طغرل بیگ کا حال یہ ہو کہ اس نے بہت سی جرار فوج کے ساتھ شرقی بغداد مین منزل کی۔ اور جمعہ کی نماز مین خطیب بغدادی نے خلیفہ بغداد کے حکم کے بموجب خطبہ مین خلیفہ القائم بامر اللہ کے نام کے بعد طغرل بیگ کی ثنا و صفت بیان کی۔ اور اس کے بعد دولت دیالمہ کے پچھلے بادشاہ ملک رحیم کا نام لیا۔ اتفاقاً اسی زمانہ مین عوام بغداد اور طغرل بیگ کے ہمراہی ترکون مین ایک ایسا سخت فساد ہو گیا کہ بہت سے ترک قتل ہو گئے۔ اور سلطان طغرل بیگ کی فوج کو بہت بڑا صدمہ پہونچ گیا۔ اور بیشک اسکی وجہ صرف شیعون کی زیادتی تھی۔ اس لیے کہ سلطان طغرل کے ہمراہی سنّی تھے اور خاندان دیالمہ کے لوگ اور متعلقین عموماً شیعہ تھے جن کو طغرل بیگ کا آنا ناگوار گذرا اور یہی خیال خود سلطان کو بھی ہوا۔ کہ خود ملک رحیم کے اشارہ سے یہ ساری خرابیان ہوئی ہین۔ اُس نے حکم دیدیا کہ دیلمی لوگون مین سے جو کوئی ملے بے تامل قتل کر ڈالا جائے۔ اور خلیفہ سے خود ملک رحیم کو طلب کیا۔ خلیفہ نے ملک رحیم کو بچانا چاہا مگر طغرل بیگ کو ایسا غصہ نہ تھا کہ یونہین فرو ہو جاتا۔ مجبوراً خلیفہ نے اپنے ہمراہیون کے ساتھ ملک رحیم کو طغرل بیگ کے پاس بھیجا۔ ترکمانون کی نظر جیسے ہی ملک رحیم پر پڑی اُنھون نے کسی کا بھی خیال نہ کیا اور فوراً ملک رحیم اور نیز ہمراہیان خلیفہ کو لوٹ لیا۔ اور ملک رحیم کو قید کر لیا۔ اسی وقت سے خاندان دیالمہ تباہ ہو کے گمنامی کے پردے مین غائب ہو گیا۔

ترکمانون اور بغداد کے عوام اہلسنت کو یہ موقع اُن کے جوش تعصب کے موافق ہاتھ لگا۔ اُنھون نے تمام شیعون پر دست ستم دراز کیا۔ بغداد کا محلہ کرخ جس مین عموماً دیالمہ اور شیعہ رہا کرتے تھے اُسکی چھتون پر سے دیالمہ کا علم سبز گرا دیا۔ اور بنو عباس کے عام معرکہ کے موافق سیاہ پھریرے اُڑا دیے قصہ خوانون اور نقیبون کو حکم دیا گیا کہ تمام کرخ مین فضائل خلفائے ثلثہ علی الاعلان بیان کرین۔ الغرض شیعون پر اس مرتبہ سخت ظلم و جور رہا۔ اور ان کی تباہی مین کوئی دقیقہ نہین اٹھا رکھا گیا۔

ابو عبداللہ بن جلاب جو شیعون کے بہت بڑے عالم اور مقتدا تھے اور باب الطاق واقع محلہ کرخ مین رہتے تھے قتل کر ڈالے گئے۔ شیخ ابو جعفر طوسی صاحب استبصار جو اس فتنہ کے خوف سے بھاگ کے جزائر مین پناہ گزین ہوے تھے۔ اُن کے گھر مین آگ لگا دی گئی اور اُن کا بیش قیمت کتب خانہ جلاکے خاک کر دیا گیا۔ جس کرسی پہ بیٹھ کے وہ درس دیا کرتے تھے اس مین خاص آگ لگائی گئی۔ یہ فتنہ اس حد سے بھی گذر گیا۔ حتیٰ کہ کاظمین شریفین بھی لوٹ لیے گئے۔ اور اُن مقبرون مین بھی آگ لگ گئی۔ خاندان دیالمہ کے قدیم ناموروں کی قبرین کھود ڈالی گئین۔ کہ سڑی گلی ہڈیان بھی مل جاٗیں تو اُن سے انتقام لیا جائے اس کے ساتھ آل عباس مین سے قدیم نامور خلفا اور زبیدہ خاتون کے مقبرون کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا۔ اگرچہ سنیون کی اتنی زیادتی تھی مگر شیعہ بھی خاموش نہ تھے ان کے بنائے جو کچھ بنا بلا تامل وہ بھی کر گذرے۔ اُنھون نے بھی علماے اہلسنت کی اکثر قبرون کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا۔ اور اکثر قبرین کھود ڈالین۔

مگر واہ ! اتفاقات زمانہ بھی عجب چیز ہین۔ ہمیشہ ایک نیا امر ایک نئے پہلو سے ظاہر ہوا کرتا ہے۔ اتفاقاً سلطان طغرل کو خبر پہونچی کہ اُس کے بھائی ابراہیم ینال نے بغاوت کی۔ اتنا سنتے ہی اس نے سرزمین عراق کو چھوڑ کے ہمدان کی راہ لی۔ سلطان طغرل بیگ اُدھر گیا کہ بساسیری گویا منتظر ہی بیٹھا تھا۔ وہ اپنی فوجون کے ساتھ بغداد مین آ دھمکا۔ خلیفہ کو تو پناہ مل گئی مگر وزیر رئیس الرؤسا بساسیری کے ہاتھ مین گرفتار ہو گیا۔ بساسیری کو پورا گمان اُن گذشتہ مظالم کا رئیس الرؤسا ہی کیطرف تھا۔ اور عداوت تو تھی ہی۔ اُس نے نہایت ظلم کے ساتھ رئیس الرؤسا کو کوڑون سے پٹوایا اور پھر اہل کرخ کے سپرد کر دیا کہ طرح طرح کے عذابون کے ساتھ قید رکھین۔ اس کے ساتھ ہی حکم دیا کہ تمام دار الخلافت بغداد لوٹ لیا جائے۔ بغداد کی دولت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ روپیہ۔ اشرفی۔ جواہرات۔ سونے چاندی کے برتن لوٹ کے اُس قدر جمع کیے گئے کہ اُن کی کوئی انتہا نہ تھی اس کے بعد بیچارہ وزیر رئیس الرؤسا پھر عذاب دینے کے لیے قید خانہ سے نکالا گیا۔ ذلت کے کپڑے پہنا کے اور اونٹ پہ اُلٹا سوار کرا کے وہ تمام شہر بغداد مین پھرایا گیا۔ تمام شیعہ جو سڑکون پہ تاخت و تاراج کرتے پھرتے تھے اس کی صورت دیکھ کے اسے گالیان دیتے تھے۔ اور وہ اُسی

ذلت کی حالت مین بیٹھا نہایت رضا و تسلیم کے لہجے مین یہ آیت بار بار پڑھتا تھا۔ قل اللّٰھم مالک الملک توتی الملک من تشاء۔ الخ اسکے بعد ایک بیل کی کھال اسکو پہنائی گئی اور اُسی وضع سے اسکو سولی دیدی گئی۔ تمام علماے بغداد جو اہلسنت تھے ان پر سخت آفت نازل ہو گئی۔ قاضی القضاۃ ابو عبداللہ دامغانی پر تین ہزار دینار جرمانہ کیا گیا۔ اور زبردستی مستنصر باللہ فاطمی کی بیعت لی گئی۔ علاوہ برین بغداد کے تمام مشاہیر اور کل فقہا کی ذلت مین کوئی دقیقہ نہین اٹھا رکھا گیا۔ ابو منصور بن یوسف اور ابوالحسین بن الغریق اور دیگر اعیان دار الخلافت خصوص شرفاے خاندان عباسیہ سے جبراً و قہراً مستنصر علوی کی بیعت لی گئی۔

خلیفہ بغداد القائم بامر اللہ گرفتار کر کے مہارش عجلی کے حوالہ کر دیا گیا تھا۔ اگرچہ اس پر اسی قید مین طرح طرح کی زیادتیان ہوتی تھین مگر اتنا موقع اسے مل گیا کہ دو سطرین متضمن حالات تباہی بغداد لکھ کے پوشیدہ طور پر کسی شخص کے ذریعہ سے سلطان طغرل بیگ کے پاس بھیجدین۔ جواب مین طغرل بیگ نے ایک آیت قرآنی لکھی جس کا مفہوم یہ تھا کہ "ہم فوجین لے کے آئین گے۔ اور انھین ذلیل و خوار کر کے نکال دین گے۔ اور اس خط کے ساتھ ہی خود بھی روانہ ہوا سلطان کے آتے ہی مہارش عجلی نے حاضر دربار ہو کے خلیفہ کو اسکی خدمت مین پیش کیا۔ خلیفہ پھر مسند عزت پہ بٹھایا گیا۔ اور شیعون سے گذشتہ مظالم کی بازپرس ہونے لگی۔ بساسیری سلطان کی آمد کی خبر سنتے ہی بھاگ گیا تھا۔ لیکن براہ ہوشیاری طغرل بیگ نے اپنے ایک فوجی افسر کو کچھ فوج کے ساتھ ارض شام کیطرف روانہ کیا کہ اگر بساسیری اُدھر جائے تو مقابلہ کر کے فوراً گرفتار کر لینا۔ آخر حوالی کوفہ مین بساسیری کا پتہ لگا۔ اور خود سلطان طغرل نے جا کے اُس کا سر کاٹ لیا۔

یہ ایک ہنگامہ تھا جو شیعہ و سنی مین ہوا۔ جس نے اسلامی وقعت کو خود اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔ کاش دونون متحد رہتے تو خلافت بغداد خواہ کسی کے ہاتھ مین ہوتی مگر آج ہمین کسی قدر مضبوط نظر آتی لیکن وہ ۶۰۳ سال کی زندگی درکنار اب اس نکبت و فلاکت کی زندگی مین بھی ہمارے ہی شہر کے شیعہ و سنی اُسی طرح لڑ رہے ہین۔

خطیب بغدادی نے فتنہ بساسیری کے وقت دیکھا کہ مجھے بھی وہی دقتین نصیب ہونگی جو دیگر اہل بغداد کو نصیب ہوئی ہین۔ بلکہ میرا مرتبہ کسی قدر بڑھا ہی ہوگا۔ اس خیال سے

سوا ترک وطن کے اُن سے اور کچھ نہ بن پڑا۔ بیچارے نے نہایت خموشی کے ساتھ بغداد کو چھوڑا اور سرزمین شام کی راہ لی۔ اُن کا یہ سفر ایسا خوف و اضطراب کا تھا کہ بیچارے کو بہت دنون تک پھر گھر آنے کا موقع نہ ملا۔ کچھ دنون دمشق مین رہے پھر وہان سے شہر صور مین پہونچے۔ شہر صور سے نکل کے طرابلس شام مین داخل ہوے۔ وہان سے حلب مین گئے الغرض خدا جانے کہان کہان کی خاک اُڑائی۔ اور بارہ برس یونہین خانمان بربادی و سرگردانی مین گذر لیے تو بغداد آنا نصیب ہوا۔

خطیب بغدادی کی عمر یونہین اب آخر ہو چلی تھی۔ اس سفر نے اور توانائی و قوت سلب کر دی۔ فرشتہ اجل جو جوار حق مین پہونچانے کے لیے مدت سے انتظام دیکھ رہا تھا۔ اُس نے پیمانہ عمر لبریز پایا۔ اس لیے کہ اب جو بغداد مین آئے تو عمر ستر برس سے زیادہ ہو چکی تھی بہرحال بغداد مین ایک ہی سال رہے تھے کہ وسط ماہ مبارک رمضان ۱۰۷۱ء ۴۶۳ھ مین بیمار ہوے۔

ابو بکر خطیب کو دار السلام بغداد کی موجودگی اور مرجعیت عامہ نے نہایت دولتمند اور مالدار بنا دیا تھا۔ اور خدا نے اولاد کی طرف سے بالکل مایوس رکھا تھا جب انتقال کا وقت قریب ہوا تو اپنی لاولدی اور اس دولت کثیر کا خیال کر کے بہت پریشان ہوے۔ آخر اس مضمون کی ایک عرضداشت خلیفہ بغداد کی خدمت مین بھیجی۔ ,, خدا امیر المومنین کو ہمیشہ زندہ و سالم رکھے۔ ہمارا وقت قریب آ گیا دنیا مین کوشش و جدوجہد کر کے مین نے کچھ رقم فراہم کر لی ہے۔ اب مجھے سفر آخرت درپیش ہے اور حیران ہون کہ کیا کرون نہ کوئی اولاد ہے اور نہ کوئی اور وارث ہے۔ خواہ مخواہ میرے بعد یہ سب جائداد بیت المال مین داخل ہو جائے گی۔ لہذا مین خواستگار ہون کہ مجھے اپنے مال پر اختیار دیا جائے کہ اُسے جس طرح اور جس کام کے لیے چاہون خرچ کرون۔ اور جس امر خیر پہ چاہون وقف کر دون،، خلیفہ نے یہ درخواست قبول کی۔ اور خطیب نے فوراً اپنا تمام روپیہ پیسہ فقہا اور محدثین کو دیدیا۔ اپنی کتابین طلباے اسلام پہ وقف کر دین۔ ابو الفضل بن خیرون کو اپنے کتب خانہ کا متولی مقرر کیا وصیت کی کہ مجھے بشر حافی کے مقبرہ مین دفن کرنا ان سب کامون سے فراغت کر کے روز دوشنبہ ۷ ذی الحجہ ۱۰۷۱ء ۴۶۳ھ مین انتقال کیا اور وہ وعدہ وفا کیا جو ہر جاندار بلکہ ہر مخلوق کے لیے موعود ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

قاضی ابن خلکان نے اپنی تاریخ مین حیرت کے ساتھ لکھا ہی کہ ایک ہی عہد مین دو مشہور و معروف حافظ حدیث تھے۔ جنھون نے دین کو فیض پہونچانیکے لیے آپس مین بانٹ لیا تھا۔ خطیب بغدادی حافظ ارض مشرق مین تھے۔ اور ابن عبدالبر صاحب استیعاب حافظ مغرب تھے۔ ان دونون نے ایک ہی سال مین انتقال فرمایا۔

خیر جب خطیب نے انتقال فرمایا تھا تو مدرسہ نظامیہ کے قریب سے جہان وہ سکونت پذیر تھے ان کا جنازہ اُٹھایا گیا۔ تمام محدثین اور فقہا اور عموماً کل اہل بغداد کا بہت بڑا گروہ جنازے کے ہمراہ تھا جو مشہور اور بابرکت لوگ جنازے کو اپنے کندھون پر اٹھائے ہوے تھے اُن مین ایک علامہ ابو اسحٰق شیرازی بھی تھے۔ جن کا حال ہم لکھ چکے ہین۔ اور جنازے کے آگے اہل علم پکار پکار کے یہ الفاظ کہتے جاتے تھے " ھذا الذی کان یذب عن حدیث رسول اللہ ھذا الذی کان ینفی الکذب عن حدیث رسول اللہ " یہ وہ شخص ہی جو رسول خدا صلعم پر جو تہمتین باندھی گئی تھین اُن کو مٹاتا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جو حدیث رسول اللہ صلعم سے جھوٹ کو دفع کرتا تھا۔

الغرض جنازہ محلہ کرخ سے گزر کر جامع منصور مین زمین پر رکھا گیا۔ قاضی ابو الحسن مہتدی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور وہان سے اُٹھا کے باب الحرب مین لے گئے جہان بشر حافی کا مقبرہ تھا۔ اب یہ وہ موقع ہی جب کہ خطیب بغدادی کی تیسری دعا کی مقبولیت ظاہر ہونا چاہیے۔ اتفاقاً احمد بن علی طرثیثی نے بشر حافی کی قبر کے برابر اپنے لیے ایک قبر پہلے سے کھدوا رکھی تھی اور وہان روزہ دن بھر مین ایک دفع جا کے تلاوت قرآن مجید کیا کرتے تھے۔ لوگون نے چاہا کہ خطیب کو اسی قبر مین دفن کر دین۔ احمد نے روکا اور کہا " مدتین ہو گئین کہ مین نے اس قبر کو اپنے لیے کھود رکھا ہی۔ اور روز یہان بیٹھ کے تلاوت قرآن مجید کیا کرتا ہون۔ اور بہت سے ختم کلام اللہ کر چکا ہون۔ مین کسی کو یہان نہ دفن ہونے دونگا " ابو البرکات اسماعیل ابن ابو سعید صوفی کا بیان ہے کہ جب اس نزاع کی خبر میرے والد ابو سعید کو پہونچی تو اُنھون نے احمد کو بلایا اور کہا " صاحب اگر خود بشر حافی زندہ ہوتے اور تم اور خطیب بغدادی دونون اُن کے پاس جاتے تو تم دونون مین سے وہ کس کا اپنے پاس اور برابر بیٹھنا پسند اور گوارا کرتے " احمد نے کہا " نہین۔ نہین۔ میری کیا مجال تھی کہ خطیب سے تقدم کی جراٗت کرتا۔ اور اُن کے ہوتے بشر کے پاس جا کے بیٹھ جاتا۔ ابو سعید نے یہ جواب سُن کے فرمایا

تو اے احمد۔ یہ یقین جانو کہ اولیاء اللہ کی زندگی اور موت دونون یکسان ہین جس پاس ادب کو تم ان کی زندگی مین مرعی رکھتے اب بھی اس کے مطابق عمل کرو۔" اس جملہ نے احمد پر ایسا اثر کیا کہ سکوت کر گئے۔ لوگون کی درخواست قبول کی۔ اور یون خطیب بغدادی کی آخری دعا پایۂ اجابت کو پہونچی تمام لوگون نے خطیب کو اسی قبر مین دفن کیا۔

خطیب بغدادی کے انتقال سے اہل علم اور تمام عامۂ اہل اسلام کو بہت بڑا صدمہ ہوا۔ اکثر شعرا نے ان کے مرثیہ مین طبع آزمائیان کر کے اپنی حسرت و اندوہ کے جوش کو ظاہر کیا خصوص اسی عہد کے کسی شاعر نے یہ شعر کیا خوب کہا ہے جو واقعی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

لازلت تدأب فی التاریخ مجتہداً حتی رأیتک فی تاریخ مکتوبا

یعنی تو نے ہمیشہ اپنے اوپر رنج و غم اور مصیبتین اٹھا کے تاریخ مین کوششین کین۔ یہان تک کہ کیا دیکھتا ہون کہ خود تیرا نام صفحات تواریخ پر لکھا ہوا ہے۔

خطیب کی تصانیف کو اسلام اور دنیا نے ہمیشہ وقعت اور فخر کی نگاہون سے دیکھا ابن جوزی اُن کی چھپّن تصانیف بتاتے ہین۔ اور اکثرون کا نام بھی لکھا ہے اُن کی تاریخ بغداد کا حال تو ہم بیان کر چکے۔ باقی تصانیف صرف اصول و فنون حدیث سے متعلق ہین۔ جن کی فہرست بتانا شاید عام ناظرین کو دلچسپ نہ معلوم ہو گا۔ لہذا اس یکتاے عصر اور مرجع و مقتداے دہر کی سوانح عمری کو ہم یہین پر تمام کرتے ہین۔

فتح مصر و اسکندریہ

سلسلہ کے لیے ملاحظہ ہو دلگداز نمبر ۱۰ جلد ۲۸ صفحہ ۱۶

مقوقس نے اس واقع کی تفصیلی اطلاع قیصر روم ہرقل کو دی۔ ہرقل نے اس کی کارروائیون پر اعتراض کیا۔ اسکی راے کو غلط بتایا۔ اور کہا فقط بارہ ہزار عرب تمھارے اوپر حملہ آور ہین۔ اور تم اُن کا مقابلہ نہین کرسکتے حالانکہ تمھارے پاس بے شمار قبطی ہین۔ اور اگر قبطی ہمارے مقابلے مین مسلمانون کو اچھا سمجھتے اور جزیہ دینا گوارا کرتے ہین تو تمھارے پاس اسکندریہ اور مصر کے دیگر مقامات مین ایک لاکھ سے زیادہ رومی سپاہ موجود ہے جس کے پاس کافی اسلحہ ہین اور میدان جنگ کے لیے بخوبی تیار ہے۔ عربون کی حالت اور ان کی کمزوری کو جانتے ہوے پھر بھی تم ان سے کیون نہین لڑتے اور قبطیون کیطرح اپنے آپ کو اور سارے رومیون کو تم غلام بنائے ڈالتے ہو۔ اب تم یا تو ان سے لڑکے فتح حاصل کرو یا سب کے سب قتل ہو جاؤ۔ اپنی قوت اور کثرت کو دیکھو اور عربون کی قلت اور کمزوری کو۔ تمھارے سامنے وہ ایک نوالہ ہین۔ لہٰذا تم فوراً رومیون کو جنگ پر آمادہ کرو اور بجز اس کے تمھاری اور کوئی راے نہ ہونی چاہیے۔ اسی مضمون کے خط ہرقل نے مختلف رومیون کو بھی لکھے۔ ہرقل کا یہ خط پڑھ کے مقوقس نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے کہ عرب مٹھی بھر اور کمزور ہین لیکن باوجود اپنی کمی اور کمزوری کے وہ ہم پر باوجود ہماری کثرت تعداد کے بھاری ہین۔ ان کا ایک آدمی ہمارے سو آدمیون کے برابر ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک ایسی قوم ہے جس کو موت زندگی سے زیادہ عزیز ہے۔ ان مین کا ایک شخص ہم سے لڑنے آتا ہے لیکن اس کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ پھر اپنے گھر اور بال بچون مین واپس نہ جائے۔ ان کو یقین ہے کہ

کافرون کو قتل کرنے سے ہمین بہت بڑا اجر ملے گا۔ اور دعویٰ کرتے ہین کہ اگر ہم قتل ہونگے تو سیدھی جنت مین جائین گے۔ انھین دنیا کی طرف مطلق رغبت نہین۔ دنیا کی لذتون سے ان کو فقط اتنا ہی تعلق ہے کہ بقدر ضرورت بھوک پیاس بجھا سکین۔ اور تن ڈھاک سکین۔ ادھر ہم لوگ موت کو ناپسند کرتے اور زندگی اور اسکی لذتون کو زیادہ عزیز رکھتے ہین۔ پھر بھلا ہم ان کے مقابلے مین کیا ٹھہر سکتے ہین اور اُن کی طرح مشکلات کا سامنا کیسے کر سکتے ہین! رومیو! مین تو اب خدا کی قسم اس عہد کو نہ توڑون گا جو مسلمانو کے ساتھ کر چکا ہون اور اِس صلح کے خلاف ہرگز نہ کرون گا جو مجھ مین اور مسلمانو مین ہو چکی ہے۔ گر مین یہ دیکھ رہا ہون کہ کل تم بھی میری راے کو پسند کرو گے اور اس وقت کہو گے کہ افسوس ہم نے مقوقس کا کہنا کیون نہ مان لیا۔ یہ سب باتین مین اس لیے کہہ رہا ہون کہ تمھاری اصلی حالت سے جس قدر مین واقف ہون ہرقل نہین ہے۔ جو کچھ مین جانتا اور خود اپنی آنکھون سے دیکھ رہا ہون اُسے قیصر ہرقل نہ تو جانتا ہے اور نہ دیکھ رہا ہے۔ افسوس تم یہ نہین پسند کرتے کہ سال مین دو دینار دے کر اپنے جان۔ مال اور اپنے بال بچون کیطرف سے ہمیشہ کے لیے مطمئن ہو جاؤ!

اس کے بعد اُس نے جناب عمرو بن عاص سے کہا کہ قیصر روم نے میرے فعل کو ناپسند کیا۔ اور مجھے اور دیگر رومی سردارون کو لکھا ہے کہ جب تک کسی کو فتح نہ ہو جائے برابر آپ سے لڑتے رہین۔ مگر مجھ سے یہ نہین ہو سکتا کہ اپنے عہد سے پھر جاؤن۔ اور میرے آپ کے درمیان جو طے پا گیا ہے اس سے روگردانی کرون۔ لیکن میرا قابو اپنے اوپر ہے اور اُن لوگون پر جو میرے کہے مین ہین۔ لہذا میرے آپ کے درمیان صلح ہو گئی اور مین نے کوئی نقض عہد نہین کیا۔ مین اور سارے قبطی اُس صلح کو منظور کرتے ہین جو میرے اور آپ کے درمیان ہو چکی ہے باقی رہے رومی تو اُن سے مجھ کو کوئی مطلب نہین۔ اور اب میری آپ سے تین خواہشین ہین۔ حضرت عمرو بن عاص نے پوچھا وہ کیا؟ کہا اول تو یہ کہ قبطیون سے کبھی نقض عہد نہ کیا جائے۔ اور مجھ کو بھی آپ اُن مین شامل سمجھین اور جو جزیہ اُن پر مقرر کیا گیا ہے وہی مجھ پر بھی عاید کرین۔ اور چونکہ مین نے اور اُنھون نے مل کر یہ

معاہدہ کیا ہی- لہذا آپ جس طرح چاہین گے وہ اس کو پورا کردین گے- میری دوسری خواہش یہ ہے کہ اب اس کے بعد اگر رومی صلح کی خواہش کرین تو آپ اُن سے ہرگز صلح نہ کرین- کیونکہ جب مین نے ان کو سمجھایا تو وہ مجھ پر اعتراض کرنے لگے- اور میری تیسری آرزو یہ ہے کہ جب مین مرون تو آپ اجازت دین کہ میری لاش کو اسکندریہ مین لے جاکے لوگ کنیسہ ابی حنش مین دفن کردین-

عمرو بن عاص نے نہایت مہربانی سے یہ درخواستین اس شرط پر منظور کین کہ دریاے نیل کے دونون پل مسلمانون کے حوالے کردیے جائین- اور قبطی وہان مسلمانو کے اترنے اور رسد رسانی کا بندوبست کردین- اور فسطاط سے اسکندریہ تک کے کل بازارون اور پلون پر ہمارا قبضہ ہو- قبطیون نے اس کو منظور کرلیا اور آپ کے رفیق و مددگار بن گئے- رومیون نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ جنگ کی تیاریان کین اور قسطنطنیہ سے ان کے پاس مدد بھی آگئی- مقام سلطین مین مسلمانون سے اور اُن سے مقابلہ ہوا اور ایک سخت خونریز جنگ کے بعد خدا نے ان کو شکست دی- اسکے بعد مقام کریون مین مقابلہ ہوا- یہ لڑائی دس روز تک جاری رہی اس معرکہ مین لشکر اسلام کے سردار مقدمۃ الجیش حضرت عبداللہ بن عمرو تھے اور جھنڈا حضرت عمرو کے غلام وردان کے ہاتھ مین تھا- اس لڑائی مین حضرت عمرو نے صلوٰۃ خوف پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی- آخر خدا نے اس لڑائی مین بھی مسلمانون کو فتح دی اور بہت سے رومی قتل ہوے- اس کے بعد مسلمانون نے اسکندریہ تک رومیون کا تعاقب کیا- رومی اسکندریہ پہونچ کر قلعہ بند ہوگیے- اسکندریہ کے قلعہ ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ تھے کہ بغیر ایک قلعہ کو فتح کیے کسی طرح دوسرے کا رخ نہین کیا جا سکتا تھا- مسلمانون نے یہان پہونچ کر مقام حلوہ سے قیصر فارس کے آگے تک اپنا پڑاؤ ڈال دیا- قبطیون کے رؤسا اور معززین ان کے ساتھ تھے- جو سامان رسد اور گھوڑون کے چارے کی فراہمی مین برابر مدد دے رہے تھے- ادھر ملک روم کے قاصد جہازون کے ذریعہ سے برابر اسکندریہ مین آتے اور جاتے تھے- اور اپنے ساتھ سامان جنگ اور رسد پہونچا رہے تھے- قیصر روم ہرقل کہتا تھا کہ اگر عرب

اسکندریہ پر قابض ہوگئے تو پھر میری سلطنت کا تعلق افریقہ اور ایشیا سے بالکل منقطع ہوجائے گا اور رومی بالکل تباہ ہوجائین گے۔ کیونکہ رومیون کے جس قدر بڑے گرجے اسکندریہ مین تھے قلمرو روم مین اور کہین نہ تھے۔ جب مسلمان ملک شام پر غالب ہوگئے تو اسی زمانے مین یہان اسکندریہ مین رومیون کی ایک عید تھی۔ لہذا اس موقع پر قیصر نے دیکھا کہ اگر مسلمان اسکندریہ پر بھی قابض ہوگئے تو پھر اُن کی سلطنت کا خاتمہ ہوجائے گا۔ یہ خیال کرکے اُس نے سب لوگون کو اسکندریہ جانے کے لیے تیار ہونے کا حکم دیا اور ارادہ کیا کہ اس فوج کی کمان خود اپنے ہاتھ مین لے۔ تاکہ لوگ اس موقع کی اہمیت کو سمجھین حکم جاری ہوا کہ کوئی رومی باقی نہ رہے جو فوج مین داخل نہ ہو۔ اس لیے کہ اسکندریہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد رومیون کی عزت خاک مین مل جائے گی۔ ہرقل ان انتظامات کی تیاری مین مصروف تھا جب اُسے فرصت ملی تو مرض صرع مین مبتلا ہوگیا۔ اور یہی مرض موت کا بہانہ ہوگیا۔ اور مسلمان اُس کے ضرر سے محفوظ رہے۔ ہرقل سنہ ۱۹ھ مین مرا۔ مگر لیث بن سعد اس کا سنہ وفات سنہ ۲۰ھ بتاتے ہین۔ اس کے مرتے ہی رومی سطوت وعظمت کا خاتمہ ہوگیا۔ اور جو رومی اسکندریہ کی طرف روانہ ہوچکے تھے وہ بھی یہ خبر سن کے اپنے گھرون کو واپس چلے گئے۔

اب اہل عرب اسکندریہ کے چارون طرف پھیل گئے۔ زیادہ سرگرمی اور مستعدی کے ساتھ حملہ کرنے لگے۔ اور سخت معرکہ آرائیان کین۔ آخر ہرقل کی زندگی مین چار مہینے اور اُس کے بعد نو مہینے تک محاصرہ قائم رکھنے کے بعد عربون نے جمعہ کے دن ۱ ماہ محرم سنہ ۲۰ھ مین اسکندریہ کو فتح کرلیا۔

عمرو بن عاص کئی مہینون تک اسکندریہ کا محاصرہ کیے رہے۔ اور وہ فتح نہ ہوا۔ اس کی خبر حضرت عمر کو ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ بجز اس کے کہ مسلمانون کی حالت مین کوئی تغیر ہوگیا ہو فتح مین تاخیر ہونے کی اور کوئی وجہ نہین ہوسکتی اور عمرو بن عاص کو لکھا کہ مصر کی فتح مین اس قدر دیر ہونے پر مجھے سخت تعجب ہے۔ تم لوگ دو سال سے لڑ رہے ہو۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید تم مین کوئی نئی بات پیدا ہوگئی۔ اور اپنے دشمنون کی طرح تم مین بھی دنیا کی محبت پیدا ہوگئی ہے۔ یاد رکھو

کہ خدا اسی قوم کے ساتھ ہی جس کی نیت سچی اور پاک ہو۔ مین نے چار ہزار فوج تمھارے پاس روانہ کی تھی۔ اور لکھ دیا تھا کہ جہان تک میرا علم ہی اس مین چار آدمی چار ہزار کے برابر ہین۔ ممکن ہی کہ اب اُن مین بھی کچھ تغیر پیدا ہو گیا ہو۔ جس وقت میرا یہ خط تم کو پہونچے تو لوگون کو جمع کر کے اُن کے سامنے ایک تقریر کرو۔ ان کو اُبھارو اور جہاد کا شوق دلاؤ۔ ساتھ ہی اُن کو صبر اور نیک نیتی کیطرف متوجہ کرو۔ پھر اُن چار آدمیون یعنی زبیر بن عوام۔ مقداد بن اسود۔ عبادہ بن صامت اور مسلمہ بن مخلد کو سب کے آگے بڑھاؤ۔ اور لوگون کو بتا دو کہ ایک شخص کی تکلیف سب کی تکلیف ہی۔ یہ سب کام جمعہ کے دن زوال کے وقت ہون کیونکہ اسوقت خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ اور وہ اجابت دعا کا وقت ہی۔ لوگون کو اس وقت اللہ تعالی سے فتح کی دعا کرنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن عاص نے ایسا ہی کیا اور خدا نے ان کو کامیاب کیا۔

بیان کیا جاتا ہی کہ جب فتح اسکندریہ مین دیر ہوئی تو عمرو بن عاص کچھ دیر تک چت لیٹ کے غور کرتے رہے۔ پھر اُٹھ بیٹھے اور فرمانے لگے کہ مین نے اس لڑائی کے معاملے مین بہت غور کیا اصل یہ ہی کہ جس نے اسکی ابتدا اچھی ڈالی ہی اُسی کی کوشش سے اس کا خاتمہ بھی اچھا ہو گا۔ ان کی مراد انصار لوگون سے تھی چنانچہ اُنھون نے عبادہ بن صامت کو بلا کے جھنڈا اُن کے ہاتھ مین دیا اور اُنھین کے ہاتھ سے اسکندریہ فتح ہوا یہ واقعہ سنہ ۲۱ ہجری کا ہی جب اللہ تعالی نے رومیون کو شکست دی اور اسکندریہ فتح ہو چکا اور رومی خشکی و تری کے راستون سے بھاگے تو حضرت عمرو بن عاص نے اپنے ساتھیون مین سے ایک ہزار آدمی اسکندریہ مین چھوڑ دیے اور خود باقی فوج کے ساتھ ان مفرورین روم کے تعاقب مین روانہ ہوے۔ جو خشکی کے راستون سے بھاگے تھے آپ کے جاتے ہی وہ لوگ جو سمندرون اور جزیرون مین منتشر ہو گئے تھے اسکندریہ کیطرف پلٹ پڑے اور جتنے مسلمان اسکندریہ مین تھے اُن مین سے بہتون کو قتل کر ڈالا۔ صرف چند لوگ اپنی جان بچا سکے۔ اسکی خبر حضرت عمرو بن عاص کو ہوئی تو فوراً اسکندریہ مین واپس آئے۔ اُس کو دوبارہ فتح کیا اور وہان ٹھہر کے حضرت عمر کی خدمت مین لکھا کہ مین نے اسکندریہ کو بزور شمشیر بغیر کسی معاہدہ کے فتح کیا ہے۔ حضرت عمر نے اُسکے جواب مین حکم دیا کہ اب تم اسکندریہ چھوڑ کے کہین نہ جانا۔

جب اسکندریہ فتح ہو گیا جناب عمرو بن عاص نے اس کامیابی کی خوشخبری دینے کے لیے جناب معاویہ بن خدیمہ کو حضرت عمر کی خدمت مین روانہ کیا۔ معاویہ نے چلتے وقت پوچھا کیا کوئی خط حضرت عمر کو نہ دیجیے گا۔ فرمایا۔ خط کی کیا ضرورت ہے؟ کیا تم عربی نہین ہو کہ میرا پیغام صحت کے ساتھ پہونچا سکو؟ اور کیا تم نے یہ سب واقعات خود اپنی آنکھ سے نہین دیکھے ہین؟ حضرت معاویہ نے جب مدینہ مین پہونچ کر حضرت عمر کو فتح کی خبر سنائی تو آپ فوراً زمین پر سجدے مین گر پڑے اور فرمایا۔ الحمد للہ "

بعض لوگ کہتے ہین کہ ایسا نہین ہے۔ بلکہ حضرت عمرو بن عاص نے جناب عمر کی خدمت مین ایک خط روانہ کیا۔ جس مین لکھا تھا کہ حمد و نعت کے بعد آپ کو معلوم ہو کہ مین نے ایک ایسا شہر فتح کر لیا ہے۔ جس کی مین فقط اتنی حالت بتاتا ہون کہ اس مین چار ہزار گرجے۔ چار ہزار حمام۔ چالیس ہزار یہودی اور چار سو بادشاہون کی عشرت گاہین ہین۔ ابن عبدالحکیم یہ بھی کہتے ہین کہ حضرت عمرو نے فتح اسکندریہ کے بعد بارہ ہزار سبزی فروش پائے جو بقولات اور ترکاریان بیچتے تھے۔ جس رات رعایا کو یہ یقین تھا کہ حضرت عمرو بن عاص شہر مین داخل ہون گے ستر ہزار یہودی شہر چھوڑ کر چلے گئے۔

بعض لوگ کہتے ہین کہ فتح اسکندریہ کا باعث یہ ہوا کہ ابن بسامہ نامی ایک شخص نے جو شہر کے ایک پھاٹک پر متعین تھا عمرو بن عاص سے کہا کہ مین اس شرط پر شہر کا دروازہ کھول سکتا ہون کہ آپ مجھ کو اور میری اولاد کو امان دین اور میری جائداد میرے ہی قبضہ مین رہے۔ حضرت عمرو بن عاص نے اسکی درخواست منظور کر لی۔ جس پر اُس نے دروازہ کھول دیا۔ اور آپ شہر مین داخل ہو گئے۔ اسوقت اسکندریہ مین دو لاکھ رومی تھے جو شہر فتح ہونے کے ساتھ ہی بڑے بڑے جہازون مین سوار ہو کے ملک روم کی جانب روانہ ہونے لگے۔ ان جہازون کی تعداد ایک سو سے زائد تھی اور اسی ضرورت سے اسکندریہ کی بندرگاہ مین روک لیے گئے تھے کہ وقت پہ کام آئین گے۔ ان جہازون مین فقط تیس ہزار لوگون کو مع اپنے مال و اسباب کے جگہ مل سکی۔ جو لوگ رہ گئے وہ قید ہوے۔ اور ان پر خراج مقرر کیا گیا۔ ان باقی ماندہ لوگون کی تعداد عورتون اور بچون کو الگ کرکے چھ لاکھ تھی۔

لوگون نے حضرت عمرو بن عاص سے اصرار کرنا شروع کیا کہ یہ سب ہم لوگون مین تقسیم کردیے جائین۔ آپ نے فرمایا کہ مین بغیر حضرت عمر کی اجازت کے ایسا نہین کرسکتا چنانچہ آپ نے بارگاہ خلافت مین خط بھیجا جس مین فتح کی اطلاع دینے کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ لوگ کہتے ہین یہ قیدی تقسیم کردیے جائین۔ حضرت عمر نے تحریر فرمایا کہ قیدیون کو ہرگز تقسیم نہ کرو۔ بلکہ انھین چھوڑ دو۔ تاکہ اُن سے خراج وصول ہوتا رہے۔ اور وہ مسلمانون کی مالی حالت کو سدھار سکے۔ اور اسکے ذریعہ سے دشمنون کے مقابلے کے لیے ان مین قوت پیدا ہو۔ یہ جواب آیا تو حضرت عمرو نے سب لوگون کو پڑھ کے سنا دیا۔ اور اس کے بعد مصر کی مردم شماری کیگئی۔ ہر شخص پہ خراج مقرر ہوا اور یہ علاقہ بھی صلح سے فتح ہونیوالے شہرون مین محسوب کیا گیا۔ چنانچہ فی کس دو دینار کے حساب سے جزیہ مقرر ہوا۔ دو دینار سے زیادہ کسی پہ نہین عائد کیا گیا۔ بجز اُس صورت کے کہ کسی کے پاس زمین ہو اور وہ اُس کا محصول ادا کرے۔ مگر اسکندریہ چونکہ بزور شمشیر فتح ہوا تھا اور مفتوحین سے کوئی عہد و پیمان نہین ہوا تھا لہذا حکام کی تشخیص کے مطابق وہان خراج اور جزیہ دونون مقرر کیے گیے۔

اس کے بعد مصر کے بعض گاؤن مین بغاوت ہوگئی اور وہان کے لوگون نے نقض عہد کیا۔ اس پہ برافروختہ ہو کے عمرو بن عاص نے بلہیت۔ خیس سلطیس اور قرطس کے لوگون کو گرفتار کرکے مدینہ طیبہ اور دیگر مقامات مین بھیج دیا۔ انھین دیہاتون کے لوگون نے بغاوت کی تھی۔ جب یہ لوگ مدینہ طیبہ مین پہونچے تو حضرت عمر نے ان سب کو رہا کردیا اور اپنے اپنے گاؤن مین واپس بھیج دیا۔ اور ان کو اور قبطیون کو اہل ذمہ مین قرار دیا۔

ایک اور روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ سلطیس۔ خیس۔ اور بلہیت کے لوگون نے مسلمانون کے خلاف کسی رومی گروہ کو مدد دی تھی۔ لہذا مسلمان جب غالب آئے تو ان سب کو اسیر کرکے لونڈی غلام بنانا جائز سمجھے اور کہا کہ اسکندریہ کی غنیمت کے ساتھ یہ بھی ہماری ملکیت ہین۔ حضرت عمرو بن عاص نے یہ واقعہ بارگاہ خلافت مین لکھا تو وہان سے جواب آیا کہ اسکندریہ اور اُن تینون گاؤن کے لوگ ذمی ہین۔ ان پہ خراج مقرر کیا جائے۔ اور ان کا خراج اور نیز وہ رقم جو قبطیون

سے شرائط صلح کی بنا پر وصول ہو وہ مسلمانون کو قوت دینے مین صرف کی جاے لہذا وہ لوگ نہ قید کیے جائین اور نہ غلام بنائے جائین۔ اور اسی حکم کے مطابق عمل کیا گیا۔

جب اسکندریہ فتح ہو چکا اور عمرو بن عاص نے اسکی عالیشان عمارتین دیکھین تو آپ نے مستقل طور پر وہین رہنے کا ارادہ کیا اور حضرت عمر سے اسکی اجازت مانگی۔ قاصد جب یہ خط لے کر حضرت عمر کے پاس پہونچا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا کہ ہمارے اور اُن مسلمانون کے درمیان جو اسکندریہ مین مقیم ہین۔ کیا کوئی دریا بھی ہے؟ اس نے کہا جی ہان دریاے نیل بہتا ہے۔ یہ سنکے آپ نے جواب لکھوایا کہ مین یہ نہین پسند کرتا کہ مسلمان کسی ایسی جگہ چھاؤنی ڈالین جس کے اور میرے درمیان جاڑون یا گرمیون مین پانی ہو۔ یہ خط پا کے حضرت عمرو اسکندریہ چھوڑ کر فسطاط مین واپس آئے اور وہان قیام کیا۔

اسی طرح حضرت عمر نے سعد بن ابی وقاص کو جب وہ کسریٰ کے دارالسلطنت مداین مین اُترے ہوے تھے لکھا کہ میرے اور اپنے درمیان کوئی دریا نہ رکھو تاکہ جب مین چاہون تمھارے پاس آسکون۔ چنانچہ حضرت مدائن کسریٰ کو چھوڑ کر کوفہ مین آکے فروکش ہوے۔

جب عمرو بن عاص مصر مین تھے آپ کے لیے ایک خیمہ کھڑا کیا گیا جب وہان سے آگے اسکندریہ کیطرف کوچ کرنے لگے تو اس خیمہ کے اُکھاڑ نیکا حکم دیا۔ لوگ خیمہ اُکھاڑنے لگے تو دیکھا کہ اس مین جنگلی کبوترون کے ایک جوڑے نے گھونسلہ بنایا اور انڈے دیے ہین۔ آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا اس نے ہمارے یہان پناہ لی ہے۔ لہذا خیمے کو اسی طرح رہنے دو۔ اور قصر کے حاکم کو یہ حکم دے کر روانہ ہو گئے کہ جب تک کبوتر کے بچے بڑے ہو کر یہان سے نہ اُڑ جائین۔ خیمہ نہ اُکھاڑا جائے۔ پھر جب مسلمان اسکندریہ کو فتح کر کے واپس آئے تو کہا اب ہم کہان اتریں۔ لوگون نے کہا فسطاط مین یعنی اسی خیمہ مین جس کو عمرو بن عاص روانگی کے وقت یہان چھوڑ گئے تھے یہ وہ جگہ ہے جو آج دارالحصار کہلاتی ہے۔

حضرت عمرو بن عاص اسکندریہ سے واپس آکے مقام فسطاط مین

پہونچے تو قبائل عرب ٹھہرنے کی جگہون کے لیے آپس مین جھگڑنے لگے۔ حضرت عمرو نے
ان کے سردارون کو بلاکر حکم دیا اپنے اپنے لوگون کے لیے مقامات مقرر کرین۔
فسطاط مین سب سے بڑی مسجد وہی ہے جو عمرو بن عاص نے خاص
اپنے خیمے کی جگہ بنوائی تھی۔ اسکی محراب اور ممبر خاص اُس مقام پہ ہین جہان آپ کا
خیمہ نصب ہوا تھا۔ اسکے قریب عمرو بن عاص نے حضرت عمر کے لیے ایک مکان بنوایا۔
اور اُن کو لکھا کہ مین نے یہان آپ کے لیے ایک مکان جامع مسجد کے قریب تعمیر کرایا
ہی حضرت عمر نے جواب مین لکھا کہ مین حجاز کا رہنے والا ہون۔ مصر مین گھر لے کر کیا کرون
گا۔ بہتر ہے کہ اسکو مسلمانون کے لیے بازار بنا دو۔ اور وہ مقام بازار بن گیا۔
فتح مصر کے بعد مقوقس نے حضرت عمرو بن عاص سے خواہش کی کہ کوہ مقطم کی
چوٹی میرے ہاتھ ستر ہزار دینار پہ بیچ ڈالی جائے۔ عمرو بن عاص کو اس خواہش پر تعجب
معلوم ہوا۔ اور یہ بات حضرت عمر کی خدمت مین لکھ بھیجی۔ آپ نے جواب دیا تم اس سے
پوچھو کہ مین اس کو کیون بیچ ڈالون جب نہ یہان کھیتی ہو سکتی ہے۔ نہ یہان کوئی چشمہ
بہتا ہے اور نہ کوئی نفع بخش چیز ہے۔ اس ہدایت کے مطابق عمرو بن عاص نے اس سے
یہ سوال کیا تو اُس نے جواب دیا کہ ہم اپنی کتابون مین اس کے متعلق لکھا پاتے ہین کہ
جس جگہ آپ اُترے ہین اُس کے اور اس پہاڑ کے درمیان جنت کا درخت اُگے گا۔
حضرت عمرو بن عاص نے اس کا یہ جواب حضرت عمر کی خدمت مین لکھ بھیجا جواب مین
آپ نے تحریر فرمایا کہ اس نے سچ کہا۔ تم اس مقام کو مسلمانون کا مقبرہ بنا دو کیونکہ
ہم کوئی جنت کی کھیتی ایسی نہین جانتے جو بجز مسلمانون کے کسی اور کے لیے ہو۔
لہذا جو لوگ پہلے سے وہان مقیم ہین اُس مین دفن کیے جائین۔ اور کسی قیمت پر بھی
اسکو فروخت نہ کرو۔ پہلے پہل خاندان مغافر کے ایک بزرگ جن کا نام عامر تھا۔
یہان دفن ہوے اور اس کے بعد لوگ کہنے لگے کہ اب یہ مقام آباد ہو گیا۔
مصر ایک ایسا ملک ہے جس مین بارش بالکل نہین ہوتی۔ لیکن اللہ تعالے
نے زراعت کے لیے وہان ایک اور ذریعہ پیدا کر دیا ہے۔ اس ملک مین دریاے نیل
بہتا ہی جس کی سیکڑون شاخین سارے ملک مین پھیلی ہوئی ہین۔ سال کے ایک مقررہ
زمانہ مین اس دریا مین سیلاب آتا ہے اور سارا ملک تہ آب ہو جاتا ہی۔ دو چار

روز کے بعد دریا کا پانی زمین کو سیراب کر کے اُتر جاتا ہے۔ کاشتکار اس سیراب شدہ زمین مین کاشت کرتے ہین اور یہی ایک دفعہ کی سیرابی فصل پیدا کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ جب مسلمانون نے مصر کو فتح کر لیا تو لوگ عمرو بن عاص کے پاس آئے اور کہا کہ یہان بہت قدیم زمانے سے ایک معمول پڑ گیا ہے۔ جس کے بغیر اس دریاے نیل مین طغیانی نہین ہوتی۔ آپ نے پوچھا وہ کیا؟ لوگون نے عرض کیا کہ ہم ایک کنواری لڑکی کو اس کے مان باپ کی رضامندی سے حاصل کرتے ہین اور اُس کو بہت اچھے کپڑے اور زیور پہنا کر دریاے نیل مین ڈالدیتے ہین۔ اسے دریاے نیل کی دولھن کہتے ہین۔ جب یہ کارروائی ہو لیتی ہے تو اُس کے ساتھ ہی دریاے نیل مین طغیانی شروع ہوجاتی ہے۔ عمرو بن عاص نے کہا اسلام مین ایسی کارروائی ہرگز نہین ہو سکتی۔ اسلام اگلی لغو رسمون کو مٹانے کے لیے آیا ہے۔ وہ کارروائی اُن کے حکم سے رک گئی اور دریاے نیل کی دولھن اس سال نہین پیش کی جا سکی مگر تین مہینے گذر گئے اور دریا مین مطلق طغیانی نہ ہوئی۔ لوگون نے کہا کہ بغیر اس رسم کے ادا کیے دریا مین طغیانی نہین ہو سکتی۔ اور اب ہمین ملک چھوڑ کے کہین اور چلا جانا پڑے گا۔ عمرو بن عاص نے جب یہ حالت دیکھی تو بہت پریشان ہوے اور حضرت عمر کی خدمت مین لکھا۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ تم نے اِن لوگون سے ٹھیک کہا کہ اسلام اگلی باتون کے مٹانے کو آیا ہے۔ مین ایک خط بھیجتا ہون۔ اسے دریاے نیل مین ڈالدینا۔ یہ ایک رقعہ تھا جس مین لکھا تھا کہ از جانب بندۂ خدا امیر المومنین عمر بنام دریاے نیل حمد و نعت کے بعد معلوم ہو کہ اگر تو خود اپنے اختیار سے بہتا ہے تو نہ جاری ہو۔ اور اگر تجھے خداوند واحد قہار بہاتا ہے تو ہم اس واحد قہار سے عرض کرین گے کہ تجھ مین طغیانی لائے۔ عمرو بن عاص نے یوم عید صلیب کے ایک دن پہلے اس خط کو دریاے نیل مین ڈالدیا۔ کیونکہ اسی دن اہل مصر شہر چھوڑنے کی تیاریان کر رہے تھے۔ عید صلیب کی صبح کو لوگ سو کے اٹھے تو کیا دیکھتے ہین کہ دریاے نیل سولہ گز بلند بہ رہا ہے۔ اس طرح مسلمانون کے ہاتھون اُس قدیم ظالمانہ رسم کا خاتمہ ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو بددعا دی تھی جس سے دریاے نیل خشک ہو گیا تھا۔ اور لوگون نے ارادہ کیا کہ مصر کو چھوڑ کے کہین

اور جا بیٹھیں۔ لیکن پھر آپ نے اس امید میں کہ یہ لوگ خدائے واحد پہ ایمان لے آئیں گے دعا کی اور دریائے نیل سولہ گز بلند جاری ہو گیا۔ اسی طرح اس وقت خدا نے حضرت عمر بن خطاب کی دعا قبول کی۔

مصر اور اسکندریہ کے فتح ہو جانے کے بعد عمرو بن عاص مصر کے حکمران ہوئے اور اس طرح اس گیند کی پیشین گوئی پوری ہوئی جو ان کی آستین میں آ کے گرا تھا۔

قدیم تمدن ایران

(از جناب لطافت حسین صاحب)

زبان ادب۔ تاریخ اور دیگر علوم و فنون

زبان السنہ قدیمہ کا مطالعہ اور اُن سے موجودہ زبانوں کا ارتقا اور نشو و نما بذات خود ایک ایسا وسیع علم ہے جس پر ہم اس مختصر مضمون میں ایک سرسری نظر بھی نہیں ڈال سکتے اس وقت صرف چند خاص باتوں کیطرف توجہ مبذول کرنا مقصود ہے۔ سب سے پہلے ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ موجودہ دنیا میں جہاں کہیں آریہ قومیں آباد ہیں اُن کی زبانوں میں چند ایسی خصوصیات مشترک پائی جاتی ہیں جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان سب کا سرچشمہ ایک ہی تھا۔ قدیم ایرانی سنسکرت لاطینی و یونانی سب ایک ہی درخت کے شاخیں ہیں خصوصًا اوستائی زبان اور سنسکرت کو اگر توام بہنیں کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہو گا۔ ان دونوں میں ایک دوسرے سے اس قدر مطابقت پائی جاتی ہے کہ تھوڑے سے تغیر اعراب و حروف کے بعد بالکل یکساں معلوم ہوتی ہیں۔ اول الذکر اغلبًا عہد کیانیاں میں باختر یا شرقی ایران میں مروج تھی اور زبان ہخا منشی سے جو کتبہائے بے ستون و استخر پہ کندہ ہے بہت زیادہ ملتی جلتی ہیں ورش و دارائے اعظم کے عہد میں اوستا کی زبان قدیم ہو گئی تھی بلکہ ممکن ہے کہ کتبات کی زبان بھی کسی قدر بدل گئی ہو کیونکہ اس زمانہ میں مختلف اقوام بابل و اشور کے اختلاط سے شامی زبان خصوصًا "ارمائی" نے قدیم فارسی میں ایک خاص تغیر پیدا کرنا شروع کر دیا تھا۔ جو بتدریج چند صدیوں کے بعد عہد ساسانیاں میں زبان پہلوی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اور ساتویں یا آٹھویں صدی عیسوی تک کم و بیش قائم رہا۔ بعدہ ایک انقلاب

عظیم اس مین پیدا ہوا۔ حوادث زمانہ نے اس کی ہیئت پھر بدل دی۔ فاتحین عرب کی
زبان نے "پہلوی" کے چہرے پر ایک نیا روغن پھیر دیا۔ یعنی فارسی جدید کا ظہور
ہوا۔ یہ زبان جس کا طرز تحریر وصرف ونحو وغیرہ سب عربی کے اصول پر ترتیب دیا گیا
اپنے مورث اعلیٰ سے اس قدر مختلف ہو گئی کہ اب مشکل سے پہچانی جا سکتی ہے۔ حسب
ذیل مثالین اس کی شاہد ہین۔

زبان اوستا	زبان ہخامنشی	سنسکرت	فارسی جدید
دروگہ	دراوگہ	دروگھا	دروغ
دُوَر	دووره	دوار	دروازه
زستہ	دستہ	ہستہ	دست
اسپہ	اسپہ	اشوه	اسپ
ازم	ادم	اہم	من
گرب	گرب	گربھہ	گرفتن

طرز تحریر

اقوام آریہ گلہ ریوڑ کا شغلکار تھے ان مین تحریر کی ایجاد کا مادہ نہ تھا
بلکہ دوسرے اقوام کے دست نگر رہے۔ غالبًا اوستا۔ سامیتک حروف تہجی مین لکھی گئی
تھی۔ خط میخی جو عہد ہخامنشی کے بعد مین رائج ہوا اقوام بابل وآشور سے ماخوذ تھا۔ بعد
ازان پہلوی وفارسی جدید ان دونون نے بھی سامیتک طرز تحریر کی تقلید کی۔ مگر
اس مین ایسی اصلاح کی کہ رفتہ رفتہ اصل سے بہتر بنا دیا۔ اس کی ایک عمدہ مثال خط کوفی
ہے جو اب نستعلیق کی شکل مین کہین زیادہ خوشنما معلوم ہوتا ہے ایک عرصہ دراز تک
استخر وبے ستون کے ہخامنشی کتبات ایک راز سربستہ وعقدۂ لاینحل رہے۔ گذشتہ
صدی مین چند دانشمندان فرنگ نے جن مین سلوستر دی ساسی (فرانسیسی) گروٹفند
(جرمنی) برنوف۔ راولنسن۔ واسٹرگارڈ۔ لاسن وجانسن سب سے زیادہ ممتاز ہین
اس تحریری طلسم کو توڑنے کی کوشش کی اور آخر کامیاب ہوئے۔ انھون نے نہ صرف
تمام کتبون کا ترجمہ کر ڈالا بلکہ فارسی قدیم کی ایک لغت وگرامر بھی مرتب کر دی۔ جسے
اگرچہ بالکل مکمل وصحیح نہین کہا جا سکتا۔ تاہم وہ ایک ایسی غیر معمولی جدت۔ تحقیق کاوش
وعرق ریزی کا نتیجہ ہے کہ اہل ایران کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور اپنی قومی

زبان کی عقدہ کشائی کا ہمیشہ کے لیے ممنون احسان ہونا چاہیے۔

قدیم فارسی۔ انگریزی و سنسکرت کی طرح بائین طرف سے داہنے طرف لکھی جاتی تھی خط میخی کے حروف فارسی جدید کیطرح متصل نہ تھے۔ بلکہ علیحدہ علیحدہ ہوتے تھے مثلاً

خشیہ ثیا

حروف تہجی میخ نما خطوط مستقیم کے مجموعے تھے جن کی ترتیب مختلف تھی مثلاً۔ اُ = اُد = ۔ اِ = اِی = ۔ آ = و غیرہ

ظاہر ہے کہ دونون زبانون کے حروف تہجی مین بڑا فرق ہے اس لیے موجودہ تحریر مین قدیم فارسی کا تلفظ ادا کرنا مشکل ہے تاہم ایک مثال پیش کیجاتی ہے۔ آدم داریاوش خشیہ ثیا

وزرکا خشیہ ثیا خشیہ ثیا نام منم دارا شاہ

بزرگ شاہ شاہان

علم ادب قدیم آریہ کی ادبی و علمی ترقیان کسی تاریخی ثبوت کی محتاج نہین ہین۔ والمیکی کی راماین اور ہومر کے اڈیسز آج تک ہمارے سامنے موجود ہین اور اس زمانے کی نظم و شاعری کی لاجواب مثالین پیش کرتی ہین۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آریان ہند کے دوسرے بھائی یعنی کیانی و ہنخامنشی اس ذوق سے بے بہرہ رہے ہون؟ مگر افسوس ہے کہ سواے ایک نامکمل صحیفہ کے انھون نے کوئی یادگار نہین چھوڑی جس کا سب سے بڑا سبب یونانیون کا تخت و تاراج اور سکندر کا جذبۂ انتقام و عناد دلی تھا۔ اس نے استخر کا کتب خانہ جلاکر فارس کی مشعل تمدن کو ہمیشہ کے لیے بجھا دینا چاہا۔ بعدہ عہد ساسانیان مین جو ترقی ظہور مین آئی اسے پردۂ گمنامی مین ڈالنے والے خود ایرانی ہوے۔ اور ان کی بدذوقی ولاپروائی اس کا باعث ہوئی۔ اہل عرب قابل الزام نہین کیے جا سکتے۔ وہ فطرتاً اپنی مفتوحہ اقوام کے علوم و فنون کے بڑے مداح اور قدردان تھے۔ اور جہان تک ان سے ہوسکا انھون نے ایرانی علوم کے باقی رکھنے مین کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ لیکن ہم نہین کہہ سکتے کہ اپنی اس کوشش مین کہان تک کامیاب ہوسکے جس کتاب کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ وہ اوستا ہے۔ اس کا بھی صرف ایک حصہ یعنی گاتھا قدیم ہے۔ اور خود زردشت کا تصنیف کردہ خیال کیا جاتا ہے۔ اوستا کا کوئی ایک مصنف نہ تھا بلکہ مختلف زمانون مین مختلف لوگون نے اسے مرتب کیا ہے وہ ایسی

ضخیم و جامع العلوم کتاب تھی کہ اگر اُسے ایرانیون کا انسائکلوپیڈیا کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہو گا اس مین آفرینش کائنات سے لیکر تاریخ جغرافیہ۔ حکمت و فلسفہ۔ نجوم و طب۔ احکام شریعت و اخلاق وغیرہ سب ہی موجود تھے۔ مورخین کا بیان ہے کہ وہ ۱۲ بارہ ہزار بارہ چرم گاو پر طلائی حروف مین لکھی ہوئی خزانہ شاہی مین محفوظ تھی اور حملہ سکندری کے بعد مفقود ہو گئی۔ زمانہ ساسانیان مین موبدون نے اپنے حافظہ یا چند باقیماندہ صحائف سے اسے پھر مرتب کیا اور زبان پہلوی مین اس کی ایک شرح لکھی جس کا نام زند تھا۔ پھر اسکی بھی شرح کی گئی جسے پازند کہتے ہین۔ مشہور ہے کہ اوستا کے ۲۱ کتب یا نسک تھے۔

انیسوان جو آجکل بھی موجود ہے (وندیداد) کے نام سے پکارا جاتا ہے اس مین اُس زمانہ کا جغرافیہ و احکام نجاست و طہارت وغیرہ شامل ہین۔

تیسرا یعنی "وسپرد،، ستائیش فرشتگان۔ اور پیشوایان طب سے تعلق رکھتا تھا۔ چوتھا یعنی "یاشت منظوم" تھا۔ اور قہرمانان قدیم اور بزرگان قوم کے معرکہ آرائیون و کارنامون کا ذخیرہ تھا۔ غالباً فردوسی نے اپنے شاہنامہ کے واقعات اسی سے اخذ کیے تھے۔ لیکن ان سب سے زیادہ دلچسپ اور اوستا کی جان وہ حصہ تھا جسے کتاب "یستا" کہتے تھے۔ کیونکہ اسی مین "گاتھا" کے وہ سترہ سرود شامل ہین۔ جن کا مصنف زردشت تھا۔ گاتھا جس کا مرادف سنسکرت مین گیتا ہے خود بمعنی سرود ہے۔ ان سرودون کو جن کا وزن۔ ترتیب۔ قافیہ و ردیف ہندؤن کی رگ وید سے بہت مشابہ ہے۔ ایک قسم کی نثر موزون کہنا چاہیے جس مین مختلف مذہبی مضامین کو نہایت خوبی اور شیرین بیانی کے ساتھ ادا کیا گیا ہے۔ ایک مین نور و ظلمت کا فلسفہ ہے۔ دوسرے مین مناجات۔ تیسرے مین تعریف گشتاسپ و مذمت دشمنان۔ چوتھے مین کدخدائی دختر زردشت کا حال ہے۔ جو جاماسپ کے ساتھ قرار پائی تھی۔ اسی طرح ایک سرود ہے بہ طرز تمثیل یا ڈراما جس مین گائے جسے روح زمین تصور کیا گیا ہے۔ ہورمزد کے سامنے آکے شکایت کرتی ہے کہ انسان اس کی پرستش نہین کرتا۔ ہرمزد اس کام کے لیے زردشت کو منتخب کرتا ہے۔ زمین تعجب کرتی ہے کہ یہ شخص ضعیف اسکی

کیا حمایت کرے گا۔ مگر انجام کار انتخاب ایزدی کو قبول کرتی ہے۔

اکثر سرود اپنی بلندی خیال اور خوبی بیان کے لحاظ سے اعلی درجہ کے علم ادب کا نمونہ ہین۔ ان کا ہر بند پانچوین مصرعہ پہ ختم ہوتا ہے اور سوال جواب کی صورت مین ہے مثلاً ملاحظہ ہو۔

از تو پرسم راست بمن فرما اہورا　　کہ آفریدپدر و نیکی (در) آغاز (یا قدیم)
کہ (آفرید) خورشید و ستارگان (و) ساختارا ہ (افلاک)
کہ آن ماہ (را) بزرگ (بدر) میسازد (و باز) ہلال می نماید جز تو
چنین چیزہا مزادمیخواہم (د اسرار) دیگر بدانم
(یسنا۔ گاتھا)

سنہ ۱۹۲۸ء

اے سنہ ۱۹۲۸ عیسوی تو جاتا ہے تو جا۔ اور ہنسی خوشی سے جا۔ یہ ضرور ہے کہ کسی کو رخصت کرتے وقت ہمین افسوس ہوتا ہے۔ مگر معلوم ہے کہ ہزار روکین تو ہمارے پاس نہ رہیگا لہذا ہم تجھ سے ایسی خواہش ہی کیون کرنے لگے۔ تیری یہی کیا کم مہربانی ہے کہ بہ نسبت اور معمولی برسون کے تو ایک دن ہمارے پاس زیادہ مہمان رہا اور اس کے لیے ہم تیرے شکر گزار ہین۔

دیکھنا یہ ہے کہ تیرے زمانے مین ہم پہ کیا گذری اور تو نے ہمارے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ ہماری تہذیب اس کی اجازت نہین دیتی کہ جانے والے مہمان کی شکایت مین ایک لفظ بھی زبان سے نکالین۔ لہذا ہم تجھے برا نہ کہین گے مرنے والے کو ہمیشہ اچھے الفاظ سے یاد کرنا چاہیے۔ لہذا ہم یہی کہتے ہین کہ یہ سال اچھا تھا اور بہت اچھا۔

اصل یون ہے کہ یہ سال نہ برا تھا نہ بھلا۔ حقیقی برائی یا بھلائی خود ہم مین ہے۔ ہماری بھلائیون سے ہزارون بلکہ لاکھون کا فائدہ ہوا ہو گا۔ اور ہماری برائیون سے خدا معلوم کتنی صحبتین درہم و برہم ہوئین اور کتنی آبادیان کھنڈر ہو گئین۔

ہم ہزار چاہتے ہین کہ شکایت مین کچھ نہ کہین مگر اے سنہ ۱۹۲۸ عیسوی تو نے اپنے آخری دور مین چلتے چلاتے ہمین بہت پریشان کر دیا جس کی ہمسے بڑی شکایت ہے

اور تیرے رخصت ہونے سے پہلے تیرے مونہہ پہ کہہ دیتے ہین اس زمانے مین حضور شہنشاہ جارج پنجم کی بیماری سے تونے ہمین ایسا پریشان کر دیا کہ ہمارے ہوش و حواس تک بجا نہین رکھے۔ اور ہم امید و بیم کی حالت مین بسر کر رہے ہین۔

اسکے علاوہ ہماری شمالی و مغربی سرحد پر شاہ امان اللہ خان کے خلاف بغاوت کے شعلے نمودار ہو رہے ہین اور مطلع بہت گرد آلود نظر آتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جدید اصلاحون سے متنفر ہو کے بعض پرانے خیال کے ملاؤن نے لوگون کو مشتعل کر دیا ہے۔ مگر وہان کے اصلی حالات کا ابھی پتہ نہین چل سکتا بعد مین ظاہر ہوگا کہ اصلیت کیا تھی ہمارے اوپر یہ مصیبت بھی تیری لائی ہوئی ہے۔

اب آگے چلیے اور ترکی کے علاقے مین داخل ہوئیے۔ آپ کو نظر آئے گا کہ اس ایک سال کے اندر سارے ملک کی حالت مین انقلاب واقع ہو گیا۔ لباس۔ طرز معاشرت اور بود و باش غرض ہر چیز بدلی ہوئی ہے۔ یہان تک کہ رسم الخط بھی بدل گیا۔ وہ ملک ایک چوڑی سڑک پر سرپٹ دوڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ جس سڑک پر وہ جا رہا ہے در اصل ترقی کی شاہراہ ہے بھی یا نہین بہت ممکن ہے کہ وہ شاہراہ دوسرون کے لیے ترقی کا باعث ثابت ہوئی ہو۔ مگر یہ یقینی نہین کہ جو کوئی اس شاہراہ پر پڑ جائے یقینی کامیاب ہو کے رہے گا۔ ہر قوم کی ترقی کے اسباب و علل جدا گانہ ہوا کرتے ہین محض یورپ کی تقلید بہت ممکن ہے کہ ہم ایشیا والون کو ترقی کے اعلی مدارج تک نہ پہونچا سکے اور کوئی ایسا نمایان کام جو یورپ کی نقالی کے علاوہ خود انھون نے کر دکھایا ہو ہمین ابھی تک نظر نہین آیا۔

ہم خود اپنے کو دیکھتے ہین کہ اس سال بھر مین ہم نے کیا کیا جتنا وقت ہمین ملا تھا سچ پوچھیے تو اسکے اعتبار سے ہم نے کچھ بھی نہین کیا اور جو کیا وہ نہ کرنے کے برابر ہے۔

حضرات! دلگداز کا یہ سال بھی برا یا بھلا جیسا تھا ختم ہو گیا اور اسکی زندگی مین ایک سال کا اضافہ ہوا۔ یہ سال دلگداز کے لیے کیسا رہا۔ اس کا فیصلہ آپ کے ہاتھ ہے۔ مگر ہم تو اسے دلگداز کے لیے کوئی کامیاب سال نہین سمجھتے۔ دلگداز کو ہم اپنی مرضی کے مطابق اطمینان کے ساتھ نہ نکال سکے۔ مگر ہمین امید بلکہ یقین ہے کہ آیندہ سال اس کو بدرجہا زیادہ عمدگی اور پابندی اوقات کے ساتھ نکال سکین گے۔ گذشتہ سال دلگداز کے خریدارون کی خدمت مین سالانہ انعامی ناول کے بجاے ایک تاریخی کتاب نذر کی گئی تھی۔ اس سال بھی ناول کے تیار ہونے مین بہت دیر ہو گئی ہے۔ لہذا اس ناول کو ہم آیندہ سال کے لیے اٹھائے رکھتے ہین اور اس سال انعام مین مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم کی آخری زمانے کی تصنیف "معتزلہ" اسی ماہ کے آخر مین ہدیۃً بھیج کے آیندہ سال کا چندہ ذریعہ وی پی وصول کر لین گے۔

خاکسار محمد صدیق حسن۔ ایڈیٹر "دلگداز"
لکھنؤ